تحریکِ ریشمی رومال
ترتیب :
سیدالملۃ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمہ اللہ
محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ
مکتبہ محمودیہ
جامعہ مدنیہ، کریم پارک لاہور

30/11/13

ترتیب :

سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمہ اللہ

محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ

رحمان پلازہ مچھلی منڈی اُردو بازار، لاہور فون : 042-37361339

Tehreek Reshmi Romal
By
Maulana Sayed Mohammad Mian

ISBN: 969-879300-3

ضابطہ

نام کتاب	تحریک ریشمی رومال
اشاعت اوّل	اکتوبر ۱۹۹۹ء
اشاعت پنجم	اکتوبر ۲۰۰۹ء
ترتیب	حضرت مولانا سیّد محمد میاںؒ
ناشر	محمد ریاض درانی
کمپوزنگ	جمعیۃ کمپوزنگ سنٹر، رحمٰن پلازہ اُردو بازار لاہور
مطبع	اشتیاق اے مشتاق پریس' لاہور
قیمت	-/250 روپے

بہ اہتمام	محمد بلال درانی
قانونی مشیر	سید طارق ہمدانی (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

عرضِ ناشر

انقلابی تحریکات میں ایک تحریک وہ ہے جسے انگریزی سرکار کی زبان میں ''ریشمی رومال سازش کیس'' اور عام محاورہ میں ''تحریک شیخ الہندؒ'' کہا جاتا ہے، ''تحریک شیخ الہند'' کیا ہے؟ آسان انداز میں سمجھنے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ ''تحریک شیخ الہندؒ'' کسی نئی تحریک کا نام نہیں بلکہ یہ اسی تحریک کا تسلسل ہے جو حضرت شیخ الہندؒ کے جلیل القدر اکابر حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت سیّد احمد شہید اور حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہم اللہ سے چلی اور حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ نے جس کی آبیاری کی۔

حضرت شیخ الہندؒ کے پیش نظر یہ بات تھی کہ اسلام اور عالم اسلام کی بقاء اور تحفظ کے لیے انگریزی حکومت اور اس کے اثرات سے ہندوستان کو بالخصوص اور عالم اسلام کو بالعموم مکمل نجات حاصل کرنا ضروری ہے۔ جب تک اس غاصب و ظالم حکومت سے مسلمان نجات حاصل نہیں کر لیتے اس وقت تک مسلمان دنیا میں کہیں بھی امن و چین سے نہیں رہ سکتے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے اس نظریہ کے تحت استخلاص وطن کے لیے اپنا تن من دھن سب وقف کر دیا اور ہندوستان کے چھوٹے سے قصبہ ''دیوبند'' میں بیٹھ کر اس سلسلہ میں وہ کام کیا جس کی نظیر مشکل ہے، اسی کام کی ایک کڑی یہ تھی کہ آپ نے اپنے ایک انتہائی تربیت یافتہ شاگرد حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کو کابل بھیجا، حضرت سندھیؒ کابل میں سات سال رہے اور اپنے استاذ مکرم کے مشن کی تکمیل کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ حضرت سندھیؒ نے کابل سے ایک خط ریشمی پارچہ پر لکھ کر شیخ عبدالحق نومسلم کے ہاتھ شیخ عبدالرحیم سندھیؒ کے پاس بھیجا تھا اور تاکید کر دی تھی کہ شیخ صاحب فوراً حجاز چلے جائیں یا کسی معتمد علیہ کے ذریعے سے یہ خط

حضرت شیخ الہندؒ کو پہنچادیں، شیخ عبدالحق طلباء کے ساتھ ہجرت کر کے کابل پہنچا تھا اور لوگوں کے بیان کے مطابق اللہ نواز خان کا ملازم تھا، یہ شخص ہر لحاظ سے قابل اعتماد تھا لیکن خدا جانے کیا حالات پیش آئے کہ اس نے وہ خط شیخ عبدالرحیم کے حوالے کرنے کے بجائے اللہ نواز خان کے والد خان بہادر رب نواز خان کو دے دیا۔ ان کے ذریعہ سے پنجاب کے گورنر مائیکل اوڈوائر کے پاس پہنچا، اس طرح انگریزی سرکار کو حضرت شیخ الہندؒ، حضرت سندھیؒ اور دوسرے کارکنوں کی تحریک کے کچھ راز معلوم ہو گئے، اسی وقت سے شیخ عبدالرحیم کا تعاقب شروع ہو گیا اور حضرت شیخ الہند کو مکہ معظمہ میں گوناگوں حوادث سے گزرتے ہوئے گرفتار ہونا پڑا؛ یہی خط انگریزی انٹیلی جنس کے تجسس و تفتیش کی بنیاد بنا، اسی بنیاد پر انہوں نے ایک عمارت کھڑی کی اور اس کا نام "ریشمی خطوط سازش کیس" رکھا، یہ کیس کیا ہے؟ سی آئی ڈی کی رپورٹوں کا ایک طومار ہے جو لندن کی انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ تھا۔ انڈیا آفس لائبریری سے وہ ریلیز کیا گیا تو مولانا موسیٰ بھائی کرماڈی اور ان کے چند مخلص احباب نے اس کی فلم لے لی، یہ فلم جمعیت علماء ہند کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

پیش نظر کتاب "تحریک ریشمی رومال" انہی رپورٹوں کا ترجمہ ہے جو سیّد الملۃ حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحبؒ نے اپنی توضیح و تشریح کے ساتھ کتابی شکل میں شائع فرمایا۔ یہ کتاب "تحریک شیخ الہندؒ" کے نام سے پاک و ہند میں شائع ہوتی رہی ہے۔ اب جمعیۃ پبلی کیشنز اسے تحریک ریشمی رومال کا نام دے کر جدید انداز طباعت کے مطابق کمپیوٹر کتابت کے ساتھ شائع کرنے کا اعزاز حاصل کر رہی ہے، موجودہ طباعت میں تمام حواشی کو یکجا کر کے ترتیب و تدوین کے جدید طریقوں کے مطابق کتاب کے آخر میں دے دیا گیا ہے، اُمید ہے قارئین حسب سابق اس کتاب کو بنظر استحسان دیکھیں گے۔

محمد ریاض درانی

یکم اکتوبر ۱۹۹۹ء

پیش لفظ

شاہ ولی اللہؒ اور ان کی تحریک

اس کتاب کی دستاویزی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے حکمت ولی اللہی کے نکتہ شناس اور تحریک شیخ الہندؒ کے ممتاز ترین رکن حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مضمون کو ''پیش لفظ'' بنایا جارہا ہے۔

داستان عہد گل را از نظری می شنو
عندلیب آشفتہ تر می گوید ایں افسانہ را

ہمارے دوست عام طور پر جانتے ہیں کہ جب سے ہم ہند میں واپس آئے ہم نے کسی سیاسی جماعت سے پورے اشتراک کا کبھی ارادہ نہیں کیا، بلکہ ایک ایسے فکر کی دعوت دیتے رہے جو ملک کی عام ذہنیت سے بہت دور ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ جو پارٹی امام ولی اللہؒ کی فلاسفی پر بنے گی وہی ہماری وطنی ضرورتیں پوری کرے گی۔ ہمارا یہ فکر اور زمانے کی وہ فضا کہ اہل علم بھی نہیں جانتے کہ امام ولی اللہؒ واقعی فلاسفر تھے یا انہوں نے کوئی ایسا سیاسی تخیل پیدا کیا ہے جو آج جمہور کے ترقی کن طبقہ کے مزاج سے سازگار ہو سکتا ہے۔

آخر میں مفکرین کا ایک خاص طبقہ سنجیدگی سے ادھر متوجہ ہوا۔ وہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ ہند جیسے براعظم میں اگر ایک ایسی سوسائٹی جو خاص فکر لے کر پیدا ہوتی ہے اور تخمیناً سات سو سال کی جدوجہد سے اپنے لیے عالمگیر ترقی کا پروگرام بنالیتی ہے کیا اس عظیم الشان جماعت کی تمام ضرورتیں کسی نیشنل پارٹی کی تشکیل سے پوری ہوسکتی ہیں، جو امام ولی اللہ کے فلسفہ اور سیاست سے اساسی تعلق رکھتی ہو؟

ان کے افکار میں ہلکا سا تموج پیدا کرنے کے لیے ہم نے پہلے امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف کرایا۔ اس کے بعد ان کی سیاست کا۔ اہم امام ولی اللہ کو الٰہیات میں اور اقتصادیات میں ایک مستقل امام فرض کر کے مضامین لکھتے ہیں۔

پہلے رسالہ میں بھی اگرچہ بعض خیالات نئے تھے مگر انہیں نا قابل برداشت نہیں سمجھا گیا، البتہ دوسرے رسالہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس میں مختلف جماعتوں کے لیے مزاحمت کا کافی سامان موجود ہے۔

جس قدر احزاب پہلے سے امام ولی اللہؒ کی طرف منسوب ہیں یا جس قدر جماعتیں ان کی مخالف تحریکوں کو چلاتی ہیں اور اپنے تفوق کا دعویٰ بھی رکھتی ہیں، ان کے افکار سے اس رسالہ میں تعرض نہ کرنا ممکن ہی نہیں تھا اس لیے نسبتاً اس پر زیادہ توجہ ہو رہی ہے۔

ہمارے بعض دوستوں نے مشورہ دیا تھا کہ اسی سیاسی رسالہ میں بہت سے نئے خیالات ہیں، ہم جلدی نہ کریں، اہل علم کو سوچنے کا موقع دیں۔ اس لیے سال بھر ہم خاموش رہے۔ اس عرصہ میں ہم نے ایک نیا رسالہ مرتب کیا ہے جس میں امام ولی اللہ کی تصانیف سے مختلف فوائد بغیر کسی حاشیہ آرائی کے جمع کر دیے ہیں۔ اس کے شائع ہونے پر اہل علم کے لیے غور کرنے میں آسانی ہوگی لیکن بعض عزیز دوستوں کا تقاضا ہے کہ ہم اس موضوع پر ایک مقالہ ضرور لکھیں جس سے بعض غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی، اس لیے مناظرہ مجادلہ سے بچ کر اپنے مطالب کی توضیح کے لیے ہم نے یہ تبصرہ تیار کر دیا ہے۔ اگر اس طرح ہم بعض دوستوں کے ذہنی انتشار کو کم کر سکتے ہیں تو ہم اسے خدا کا خاص فضل سمجھیں گے۔ واللہ المستعان

حکیم الہند امام ولی اللہ دہلویؒ

چونکہ عقلی اجتماعی اصول پر تاریخ ہند کا مطالعہ کرنے میں ہم کسی مؤرخ کو امام نہیں مانتے اس لیے ہمارے لیے ضروری ہے کہ جس فلسفہ کا ہم تعارف کراتے ہیں اس کی ماہیت اور جس زمین اور زمان سے ہم اسے ربط دیتے ہیں، اس کے متعلق اپنا طرزِ تفکر صراحتاً بیان کر دیں تا کہ ہمارا نظریہ سمجھنے میں اصطلاحی اختلاف سے غلط فہمی نہ ہو سکے۔

(الف) جب انسانیت کا ایک حصہ کسی بڑے قطعہ زمین میں لمبی مدت تک مل جل کر رہتا ہے اور قدرتِ الٰہیہ اس کی طبعی ترقی کے ساتھ عقلی اور اخلاقی بلندی کا سامان بھی بہم پہنچاتی ہے یعنی اس میں انبیاء کرامؑ اور اولیاء عظامؒ کے ساتھ اصلح سلاطین اور حکام بھی پیدا ہوتے ہیں یا حکماء اور شعراء کے ساتھ عدالت شعار بادشاہ اور بلند ہمت سپاہی برسرکار آتے ہیں۔ اس طرح وہ بڑی قوم ترقی کے تمام مدارج طے کرتی ہے۔ اپنی حکومت کا نظام بناتی ہے جس سے ظلم کی بیخ کنی ہو۔ شہر بساتی ہے، علم و ہنر پھیلاتی ہے، جس سے رفاہیت عامہ کا سامان بہم پہنچتا ہے۔ اس کی ہمسایہ قومیں اس کی رفاقت اور سرپرستی میں اپنی فلاح سمجھتی ہیں۔ اگر اس کی اجتماعی تاریخ کو انسانیت کے عام پسند عقلی افکار و اخلاق پر مرتب کیا جائے تو اسے حکمت الادیان یا فلسفہ تاریخ کہا جائے گا۔

(ب) ہم ہند کی اسلامی تاریخ کا مطالعہ مسیحی تاریخ کے دوسرے ہزار سے شروع کرتے ہیں ۱۰۰۱ء میں سلطان محمود غزنوی نے ہند کا مشہور قلعہ "ہنڈ" فتح کیا اور لاہور کے ہندو راجہ کے نومسلم نواسے کو اس کا حاکم بنایا۔ جس طرح امیر المومنین فاروق اعظمؓ نے مدائن فتح کر کے سلمان فارسیؓ کو اس کا پہلا حاکم بنایا تھا۔

(ج) ہنڈ دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر اٹک کے قریب واقع ہے۔ اس سرزمین کے عام باشندے پشتو بولتے ہیں، پشتان یا پٹھان ہندوکش سے بحر عرب تک ہند کے شمال مغربی پہاڑوں اور میدانوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کابل، غزنی، قندھار، پشاور، کوئٹہ اس کے مشہور شہر ہیں، چونکہ علمی تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ پشتو بھی کشمیری، پنجابی، سندھی کی طرح سنسکرت کی شاخ ہے۔ اس لیے ہم اس قوم کو ہندوستانی اقوام میں شمار کرتے ہیں۔ اس قوم نے دوآبہ گنگ وجمن میں ایک وسیع خطہ کو اپنا وطن (روہیل کھنڈ) بنایا ہے۔

(۲) سلطان محمود غزنوی سے شروع کر کے امیر تیمور کے حملہ تک ہم ہندوستانی تاریخ کا پہلا دور مانتے ہیں اور امیر تیمور سے بہادر شاہ تک دوسرا دور، دوسرے دور میں عالمگیر کے بعد تنزل شروع ہوا۔ عموماً تنزل شروع ہونے کے بعد ہی قوموں کا فلسفہ معین ہوتا ہے، ہمارے امام الائمہ بھی اسی عہد کے امام الانصاب ہیں۔

(الف) کسی نقلی یا مذہبی تحریک کو کسی خطۂ زمین کی طرف منسوب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا مرکز اس سرزمین میں ہو۔ اس لیے ہند کے اسلامی دور میں ہم مسلمانانِ ہند کی تحریک کو اس وقت تک ہندوستانیت سے موصوف نہیں بنا سکتے، جب تک اس کا مرکز ہند میں پیدا نہ ہو چکا ہو۔

امیر المؤمنین عثمانؓ کے زمانے میں کابل فتح ہوا اور ولید بن عبدالملک کے زمانے میں سندھ فتح ہوا مگر اسے خلافت عربیہ کا ایک حصہ مانتے ہیں۔ یہاں ہندوستانیت کا ذکر نہیں ہو سکتا۔

(ج) سلطان محمود غزنوی نے اسلام کے لیے ہندوستانی مرکز کی بنیاد قائم کر دی۔ وہ انہلواڑہ میں اپنا مرکز حکومت منتقل کرنا چاہتے تھے۔ خلیفۃ المسلمین نے سقوطِ بغداد سے تھوڑا عرصہ پہلے دہلی کے حکمران کو سلطانی اختیارات استعمال کرنے کی اجازت دی، گویا خلافت اسلامیہ کے اندر ہندوستانی مسلمانوں کا اپنا مرکز بن گیا۔ اس دور کے اخیر تک سلاطین دہلی اسلامی خلافت سے کم و بیش تعلق رکھتے ہیں۔

(۳) امیر تیمور کے حملہ کے بعد ہندوستانی مرکز بیرونی تعلق سے آزاد ہو گیا کہ سکندر لودھی نے غالباً پہلی مستقل حکومت بنائی۔ اس نے آگرہ بسایا۔ ہندوؤں کو فارسی پڑھا کر دفتروں کے کام میں دخیل بنایا۔ اس کے بعد شیر شاہ نے مالی انتظام ہندوؤں کے سپرد کیا، جسے اکبر نے درجہ تکمیل تک پہنچایا ہے لو ہم جلال الدین اکبر کو ہندوستانیت کا موسس نہیں مانتے۔

(الف) اکبر مذہبی عالم نہیں تھا۔ علماء اس کے ساتھ اخیر تک مشیر رہے، ان کی رہنمائی سے اگر اس نے غلطیاں کی ہیں تو "اثمہ علی من افتاہ" ہم تو یہ جانتے ہیں کہ اگر اکبر نہ ہوتا تو عالمگیر جیسا مسلمان بادشاہ ہندوؤں کو نصیب نہ ہوتا، جس کی نظیر دنیا کے شاہی نظام میں نہیں ملتی۔ ہم عالمگیر کی ہی برکت مانتے ہیں کہ امام ولی اللہؒ جیسا ہند میں پیدا ہوا۔

(ب) امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ اکبری دربار کی اصلاح کرتے رہے اور اس میں وہ پورے کامیاب ہوئے۔ آخر میں جہانگیر ان کا اتباع کرنے لگا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شاہجہاں امام ربانیؒ کے پسندیدہ طریقہ پر حکومت چلاتا رہا۔ اس کے ہوتے ہوئے ہم جانتے ہیں کہ

شاہجہاں کا دربار انسانیت عامہ کو اسلام کا مرکز نہیں بنا سکا۔

(ج) ہمارا دعویٰ ہے کہ امام ولی اللہؒ شاہجہانی سلطنت سے بہترین نظام کی دعوت دیتے ہیں گویا جس کام کی ابتدا امام ربانی سے ہوئی، اس کی تکمیل اللہ تعالیٰ نے امام ولی اللہ کی معرفت کرائی۔ اس طرح ہم امام ولی اللہ کو خاتم الحکماء مانتے ہیں۔

(۴) امام ولی اللہؒ نے اپنے مختلف الہامات کا ذکر کیا ہے، ہم ان میں سے ایک حصہ کو خاص ترتیب سے لکھنے کی کوشش کرتے ہیں:

(الف) امام ولی اللہؒ دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا نے ہمیں ایسی تحریک کا امام بنایا ہے جس کا عنوان ''فک کل نظام'' (فیوض الحرمین) کیا یہ انقلاب نہیں ہے؟

(ب) امام ولی اللہؒ نے دعویٰ کیا ہے کہ اگر ہماری تحریک فوراً کامیاب ہو جاتی تو امام کا خروج اور مسیحؑ کا نزول متاخر ہو جاتا۔ مگر وہ آہستہ آہستہ اپنا اثر دکھلائے گی (تفہیمات) کیا یہ انقلابی پروگرام اس بڑے انقلاب کا قائم مقام نہیں ہے، جس کے لیے مسلمانوں کے ساتھ یہود و نصاریٰ بھی صدیوں سے انتظار کر رہے ہیں۔

(ج) امام ولی اللہؒ نے دعویٰ کیا ہے کہ ہماری اولاد کے پہلے طبقہ میں علم حدیث پھیلے گا اور دوسرے طبقہ میں علم حکمت کی اشاعت ہوگی (تفہیمات) کیا امام عبدالعزیز سے حدیث کا شیوع نہیں ہوا؟ کیا مولانا رفیع الدین کی ''تکمیل الاذہان'' اور مولانا محمد اسماعیل شہید کی عبقات نے حکمت کا نیا اسکول نہیں قائم کر دیا۔

(د) امام ولی اللہؒ نے دعویٰ کیا ہے کہ ہماری بیٹیوں کی اولاد سے افراد پیدا ہوں گے جو ہمارے بیٹوں کے بعد ہمارا کام کہ معظّمہ میں بیٹھ کر کریں گے (قول جمیل بحوالہ اتحاف النبلا) کیا الصدر الحمید مولانا محمد اسحاق اور الصدر العمید مولانا محمد یعقوب اس کا مصداق پیدا نہیں ہوئے۔

(۵) امام ولی اللہؒ نے فیوض الحرمین میں خلافت کی دو قسمیں بتائی ہیں، خلافت ظاہرہ، خلافت باطنہ۔

(الف) خلافت باطنہ میں امام ولی اللہ حکومت کا وہ درجہ شامل مانتے ہیں جو تعلیم اور

دعوت کے زور سے پیدا ہوتی ہے۔امام ولی اللہؒ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس قسم کی حکومت اسلام نے قرآن عظیم کی دعوت کی تنظیم سے مکہ معظمہ میں پیدا کر لی تھی۔اس کا ذکر ''فتح الرحمٰن'' میں سورہ رعد کے آخر میں اور ''فیوض الحرمین'' میں موجود ہے۔

(ب) امام ولی اللہؒ خلافت ظاہرہ کے لیے محاربہ ضروری قرار دیتے ہیں۔ملک کا خراج بزور وصول کر کے مستحقین کو پہنچانا، مصارف عامہ میں خرچ کرنا اور عدالت کا نظام بزور قائم کر کے مظلومین کی حمایت کرنا اس کے اہم اجزاء ہیں وغیرہ وغیرہ۔یہ خلافت اسلام کے مدنی دور میں پیدا ہوئی۔

(ج) ''قول جمیل'' اور ''فیوض الحرمین'' بار بار پڑھنے سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ امام ولی اللہؒ اپنے خاندان میں تصوف کا سلسلہ اس لیے قائم کرتے ہیں کہ وہ خلافت باطنہ کے قیام کا وسیلہ بن جائے۔مولانا شہیدؒ جب امیر شہیدؒ کی فوجی طاقت کا ان کے محاربین سے مقابلہ کرتے ہیں تو امیر شہیدؒ کے مبایعین کو سپاہی کا درجہ دیتے ہیں۔یہ اسی اصلاح پر منطبق ہوسکتا ہے۔

(د) ہم نے یورپین انقلابی پارٹیوں کا کافی مطالعہ کیا ہے۔اس سے ہمارے دماغ میں سیاسی پروگرام بنانے اور سمجھنے کا ملکہ پیدا ہوگیا ہے۔ہم اگر امام ولی اللہ کی خلافت باطنہ کے فکر کو آج کے سیاستدانوں کے سامنے ذکر کریں گے تو اسے انقلابی پارٹی کا نام دیں گے جو عدم تشدد (نان وائیلنس) کی پابند ہو۔

۶-امام ولی اللہؒ نے دعویٰ کیا ہے کہ خدا نے انہیں یوسف علیہ السلام کے قدم پر چلنے کے لیے مفطور کیا ہے۔

(الف) یعنی وہ اُمت محمدیہ میں وہی کام کریں گے جو یوسف علیہ السلام ملت اسرائیلیہ میں کر چکے ہیں۔

(ب) ہم جانتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے ایک غیر اسرائیلی بادشاہ سے اختیارات حاصل کر کے اولاد یعقوب کی حکومت کا اساس قائم کر دیا تھا۔اسی یوسفی حکومت کی ایک برکت ہے کہ وہ بنی اسرائیل کو اپنی حکومت قائم کرنے کے لیے تیار کر گئی۔

(ج) ہمارا خیال ہے کہ امام ولی اللہؒ اپنے زمانے میں دہلی کے بادشاہوں کو کسریٰ اور

قیصر کا نمونہ جانتے تھے۔ اس لیے ان کے سارے نظام کو بدلنا اپنا نصب العین بتلاتے رہے۔ مگر عملی پروگرام فقط داخلی انقلاب سے شروع کیا تھا، وہ امراء سلطنت میں اپنا فکر پھیلا کر نظام سلطنت درست کرنا چاہتے تھے۔

(د) نجیب آباد کا مدرسہ اسی لیے حکمت الامام ولی اللہ کی درس گاہ بن گیا تھا۔ مرہٹوں کی شورش کو وہ احمد شاہ کے ذریعہ سے ختم کرا دیتے ہیں۔ جن حضرات نے ہماری طرح امام ولی اللہ کی تحریک کا مطالعہ نہیں کیا جب وہ دیکھتے ہیں کہ امام ولی اللہؒ سلطانی اختیارات میں تبدیلی کی کوئی کوشش نہیں کرتے تو انہیں امام الانقلاب ماننے میں تامل کرتے ہیں۔

(۷) امام ولی اللہؒ خیر القرون کو شہادت عثمان تک جو مبعث سے ۴۸ سال بعد واقع ہوئی، محدود کر دیتے ہیں۔ (ازالۃ الخفا)

(الف) اسی زمانہ کو وہ هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله۔ کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ ''ازالۃ الخفاء'' کے ابتدائی مباحث میں اسی آیت کی تفسیر پورے غور سے پڑھنی چاہیے امام ولی اللہ کی حکمت کا یہ مرکزی مسئلہ ہے۔

(ب) امام ولی اللہؒ اس دور کے علمی و عملی کارنامے مسلمانوں کے مشورہ اور اتفاق سے جاری مانتے ہیں (یہ فکر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتابوں میں بھی ملتا ہے) اسی زمانہ کو وہ نزول قرآن کے مقاصد کا نمونہ مانتے ہیں۔

(ج) امام ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں اس دور کو انسان کی نیچرل ترقی کا آخری درجہ ثابت کرتے ہیں۔ باب الحاجۃ الی دین تنسیخ الادیان غور سے پڑھنا چاہیے۔

(د) ہمارا خیال ہے کہ اس دور کی علمی اور عملی تاریخ جس قدر امام ولی اللہؒ نے ضبط کر دی ہے وہ ہمیں کسی مصنف کی کتابوں میں نہیں ملتی۔ اس لیے ہم ولی اللہؒ کی کتابیں ''بیت الحکمۃ'' میں پڑھانا چاہتے ہیں۔

(ھ) ہم سمجھتے ہیں کہ امام ولی اللہؒ قرآن عظیم کی اس علمی اور عملی تعلیم کو انسانیت عامہ کے لیے انٹرنیشنل انقلابی پروگرام مانتے ہیں، اس لیے ہم اس دور میں انہیں اپنا امام مانتے ہیں۔

(و) اگر کیپٹل کے مصنفین کو انقلاب کا باپ مانا جاتا ہے، تو جس حکیم نے خیر القرون کی

انقلابی تاریخ کو ہند کی علمی زبان میں عام عقلی اصول کے مطابق بنا کر ضبط کر دیا ہے، اسے امام الانقلاب ماننا محض خوش اعتقادی پر مبنی نہیں سمجھا جائے گا، جبکہ اس نے یوسف علیہ السلام کی طرح انقلاب کا راستہ بھی صاف کر دیا ہو۔ ''خطبہ محمودیہ''

(۸) امام ولی اللہؒ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہند کے مسلمانوں سے اپنی حکومت قائم کرنے کی طاقت اس وقت افاغنہ کی طرف منتقل ہو چکی ہے (خیر کثیر) ہم جانتے ہیں کہ افاغنہ بھی ہندوستانی اقوام میں سے ایک قوم ہے جس میں ایرانی، ترکی، اسرائیلی، عربی قبائل مخلوط ہو چکے ہیں۔

(الف) ہمارا خیال ہے کہ اسی غرض سے امام عبدالعزیز اپنی انقلابی پارٹی کو افغانوں سے ملانا ضروری سمجھتے ہیں۔ امام عبدالعزیزؒ کے آخری کاموں کا مرکز الامیر الشہید اور مولانا عبدالحی اور مولانا محمد اسماعیل کا اجتماع تھا۔ ان کے لیے افغانستان کی ہجرت کا فیصلہ امام عبدالعزیز نے کیا تھا اگرچہ عمل ان کی وفات کے بعد شروع ہوا۔

(ب) ہمیں معلوم ہے کہ مولانا محمد قاسم کو رسول اللہؐ سے روحانی طور پر معلوم ہوا تھا کہ افغانوں کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔

(ج) مدرسہ دیوبند اور اس کے متخرجین میں مولانا شیخ الہند کا مقام مخفی نہیں، وہ تخمیناً چالیس برس مدرسہ چلاتے رہے ہیں۔ ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ دیوبند نے جس قدر طالب علم یوپی میں پیدا کیے، اس کے بعد اس نے اپنے طالب علم سب سے زیادہ افغانستان اور اس کے دونوں طرف یاغستان اور ترکستان میں پھیلائے ہیں۔

(د) مولانا شیخ الہند کی خاص تربیت کا نتیجہ تھا کہ ہم کابل میں سات سال حکومت کا اعتماد حاصل کر کے رہ سکے۔ ہمارا خیال ہے کہ ''جمعیۃ الانصار'' اور ''نظارۃ المعارف'' میں اگر کام نہ کر چکے ہوتے تو ہمارا کابل جانا محض بے کار ہوتا۔ عجب معاملہ ہے حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے ہمیں بغیر پروگرام کے کابل جانا پڑتا ہے۔ پھر حکومت افغانی کے توسط سے ہمیں ہدایات مل جاتی ہیں۔ ہم باہر جا کر سمجھ سکے ہیں کہ امام عبدالعزیزؒ سے مولانا شیخ الہندؒ تک ہمارے تمام اکابر ایک سلسلہ میں کام کرتے رہے ہیں۔

سراج الہند امام عبدالعزیز دہلویؒ

امام عبدالعزیز بستان المحدثین میں موطا کا تذکرہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔ حضرۃ شیخنا وقدوتنا فی کل العلوم والامور شیخ ولی الله قدس سرہ۔ گویا وہ اپنے تمام علمی اجتماعی، سیاسی امور میں اپنے والد ماجد کے مقتدی ہیں۔

(۱) جو انقلاب امام ولی اللہؒ اپنے زمانہ میں خواص سے مکمل کرانا چاہتے تھے، وہ اگر نہیں ہو سکا تو اسی مقصد کو امام عبدالعزیز اپنے حالات زمانہ کے مطابق عوام سے پورا کرنا چاہتے ہیں۔ نصب العین میں کوئی فرق نہیں آیا۔

(۲) امام ولی اللہؒ کے شروع زمانہ میں یہ خیال صحیح تھا کہ دہلی کی سلطانی حکومت کو تسلیم کر کے امراء کے ذریعہ سے خیر القرون کے نمونہ کا پروگرام جاری کیا جائے، مگر امام عبدالعزیز کے زمانہ میں سلطانی حکومت اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ داخلی خارجی سارے نظام بدلنے کے سوا کام نہیں چل سکتا تھا۔ اس لیے انہوں نے ہند کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا۔

(الف) اس کامل انقلاب کے لیے عوام مسلمانوں کو تیار کرنا امام عبدالعزیز کا خاص کارنامہ ہے۔ انہوں نے عوام کو سیدھا مخاطب کرنا شروع کیا۔ ہندوستانی زبان میں علوم دینی کا ترجمہ امام عبدالعزیز کے اصحاب کا کام ہے۔

(ب) امام ولی اللہؒ نے جس قدر تصانیف لکھی تھیں وہ فقط اعلیٰ طبقہ کے کام آتی ہیں۔ ان کے مخاطب یا امراء ہیں یا اعلیٰ درجہ کے اہل علم یا کامل المعرفت صوفیاء کرام۔ مگر امام عبدالعزیز کشف وعقل کی عام فہم چیزیں نقلی علوم کی تفسیر میں استعمال کرتے ہیں۔ گویا اپنے والد کے علوم کو عوام کی زبان میں لکھتے ہیں۔ تفسیر ''فتح العزیز'' کو ''فتح الرحمٰن'' سے اور ''تحفۃ اثنا عشریہ'' کو ''ازالۃ الخفاء'' سے ملا کر پڑھیے۔

(ج) ہمارا خیال ہے کہ الصدر الشہید مولانا محمد اسماعیل، الصدر الحمید محمد اسحاق، الصدر العمید مولانا محمد یعقوب بلکہ امام اہل العقل مولانا رفیع الدین اور امام اہل النقل مولانا عبدالقادر سے اگر کوئی اجتماعی کام بن پڑا ہے تو اسے امام عبدالعزیز کے نامہ اعمال میں لکھنا چاہیے۔

(د) الامیر الشہید کے مبایعین سب کے سب ان سے بیعت کرتے ہیں، تو امام عبدالعزیز کے طریقہ میں بیعت کرتے ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ امام عبدالعزیزؒ کے لیے یہی ایک کمال کفایت کرتا ہے کہ ان کی تربیت سے ہندوستانی مسلمانوں میں سے عوام بھی اپنی سلطنت سنبھالنے کے قابل ہو گئے۔

الصدر الشہید مولانا محمد اسماعیل الدہلویؒ روح الانقلاب

مولانا شہیدؒ فرماتے تھے کہ میرا اس سے زیادہ کوئی کمال نہیں کہ میں اپنے دادا کی بات سمجھ کر اسے اپنے موقع پر بٹھا دیتا ہوں۔

(۱) (الف) ''عبقات'' کے پہلے اشارہ میں شیخ اکبر* اور امام ربانی کے مسالک توحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا فرق واضح کر کے ہر ایک فکر کے فوائد ضبط کرنے کے بعد امام ولی اللہ کو دونوں بزرگوں سے بلند ثابت کیا ہے۔

(ب) ''صراطِ مستقیم'' میں الامیر الشہید کے مکشوفات اور ملفوظات لکھتے ہیں مگر امام ولی اللہ کی اصطلاحات سے تطبیق دینے کے بعد گویا وہ ہر ایک امام کو امام ولی اللہ کی میزان پر تولنے کے بعد قبول کرتے ہیں۔

(۲) (الف) امام ولی اللہؒ نے خیر القرون کے علوم تحریر کیے ہیں اور خواص کو پڑھایا اس کے بعد امام عبدالعزیز نے خواص کو تعلیم دے کر انہیں عوام کی تعلیم کا واسطہ بنایا۔ الصدر الشہید نے ہند کی مرکزی سوسائٹی (دہلی) کو ان علوم سے رنگین بنایا۔

(ب) ہمارا خیال ہے کہ اگر الصدر الشہید کے ساتھیوں کی خدمات مقبول نہ ہوتیں تو امام ولی اللہؒ کے علوم پر دو سو برس بعد بحث کرنا ناممکن ہو جاتا۔ اسی انقلابی روح نے ان علوم کو زندہ کر دیا ہے۔

(۳) ہمارا خیال ہے کہ الصدر الشہید کو اگر خلافت کبریٰ سونپی جاتی تو اسے فاروق اعظم کی طرح چلاتے۔ امیر شہید نے انہیں خدمت خلق پر اپنے اسوۂ حسنہ سے لگایا تو وہ گھوڑوں کے لیے گھاس کھودتے تھے۔

* شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی

(۴۴) ان کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' میرے ابتدا بالاسلام کا واسطہ بنی ہے۔ اس لیے وہ میرے مرشد اور امام ہیں۔

امام محمد اسحاق الدہلویؒ الصدر الحمید نائب الامیر الشہید

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں ''مولانا محمد اسحاق دہلوی مہاجر رحمہ اللہ علیہ تمام ہندوستان کے علماء محدثین کے استاذ و استاذ زادہ ، نواسہ و شاگرد و خلیفہ مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہ کے ہیں'' (فتاویٰ رشیدیہ)

(۱) (الف) ایک انقلابی تحریک میں پہلا درجہ ہے سوسائٹی میں انقلاب کے لیے عقلی نظام (فلسفہ) سوچنا۔ اس درجہ کو ہم امام ولی اللہؒ میں منحصر مانتے ہیں۔

(ب) اس کے بعد دوسرا درجہ اس کے پروپیگنڈے کا ہے۔ پروپیگنڈے کی کامیابی پر پارٹی کا نظام بنتا ہے، جو اپنے ممبروں پر حکومت پیدا کرتا ہے (یعنی خلافت باطنہ) اس درجہ کو ہم امام عبد العزیز کا کمال مانتے ہیں۔

(ج) اس کے بعد تیسرا درجہ دوسری پارٹیوں سے مقابلہ کر کے ان کے مقبوضات فتح کرنا ہے۔ اس سے انقلابی حکومت (خلافت ظاہرہ) پیدا ہوتی ہے۔ ہم امام ولی اللہ کی تحریک میں یہ درجہ امیر شہید اور ان کے رفقاء میں محدود کر دیتے ہیں۔

(۲) پارٹی کا نظام مستقل ہوتا ہے، حکومت کبھی بنتی ہے کبھی ٹوٹتی ہے۔ پارٹی کا وجود اس وقت تک سالم مانا جاتا ہے جب تک اس کی اساسی مصلحت قائم کرنے والی جماعت فنا نہیں ہوتی۔

(الف) اس فرق کو واضح کرنے کے لیے ہم نے امیر اور امام کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ہم امام عبد العزیز کے بعد پارٹی کے نظام کا محافظ امام محمد اسحاق کو مانتے ہیں اور حکومت میں امیر المومنین السیّد احمد الشہید ہیں۔ اس معاملہ میں امام محمد اسحاق ان کے ایک نائب ہیں۔

(ب) یورپ کی سیاسی پارٹیوں میں نظام کا محافظ ایک بورڈ ہوتا ہے اسے ڈسپلن یا انضباط کا نام دیا جاتا ہے۔ اس بورڈ کا حکم پارٹی کے سبب ممبروں پر نافذ ہوتا ہے اور حکومت

چلانا وزراء کا کام ہے۔ اسی انداز پر ہم نے بالاکوٹ میں حکومت کا خاتمہ ایک حد تک مان لیا ہے مگر ہم پارٹی کے نظام کو دہلی میں محفوظ مانتے ہیں۔

(ج) امام محمد اسحاقؒ نے مکہ معظمہ ہجرت کر لی۔ بظاہر وہ اپنے کام سے معطل ہو گئے مگر ایسا نہیں سمجھنا چاہیے اگر وہ مکہ معظمہ میں ہندوستانی کام جاری نہ رکھتے تو کمپنی بہادر ان کی جاگیر کیوں ضبط کرتی اور بمبئی سے ایسے ہندوستانی کیوں بھیجے جاتے جو انہیں وہابی ثابت کر کے حجاز سے نکلوانا چاہتے تھے۔ مگر قدرتی اتفاقات سے وہ بچ گئے۔ اس زمانہ کا شیخ الحرم ایک ہندوستانی مہاجر کا بیٹا تھا اور یہ خاندان شاہ عبدالعزیز کا شاگرد اور مرید ہے اس لیے شیخ الحرم کے توسط سے ترکی حکومت نے اپنے گھر میں ایک طرح نظر بند کر دیا۔ وہ مسجد حرام میں نماز پڑھتے تھے مگر کسی کو پڑھا نہیں سکتے تھے۔ اس قسم کی زندگی ہم کابل میں گزار چکے ہیں۔ اس لیے ہم مکہ معظمہ میں ان کے ملنے والوں سے بہت کچھ سمجھ سکتے ہیں۔

(۳) الامیر امداد اللہؒ جو دیوبندی جماعت کے امام ہیں۔ امام محمد اسحاقؒ کے خواص اصحاب میں سے تھے۔ اس سے پارٹی کے نظام کا تسلسل ہم مولانا شیخ الہندؒ تک ثابت کر سکتے ہیں۔

الصدر العمید مولانا محمد یعقوب الدہلویؒ

وہ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ ان کے معاون بن کر کام کرتے رہے ہیں۔ امام محمد اسحاق کی وفات پر وہی امام عبدالعزیز کی امانت کے محافظ رہے ہیں۔

(۱) مولانا مظفر حسینؒ ان کے خلیفہ تھے جو مولانا محمد قاسمؒ اور سر سیّد دونوں کے تسلیم شدہ بزرگ ہیں۔

(الف) نواب صدیق حسن خانؒ نے روایت حدیث کی اجازت مولانا محمد یعقوبؒ سے حاصل کی ہے۔

(ب) الامیر امداد اللہؒ نے مولانا محمد قاسم کو صلوٰۃ احسانی کا طریقہ مولانا محمد یعقوبؒ سے تلقین کرایا۔

(۲) ان کی وفات سے پہلے مدرسہ دیو بند کے بانی ان کی امانت سنبھالنے کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ یاد رہے کہ مولانا مظفر حسینؒ نے ہی مولانا محمد قاسم کو منبر وعظ پر بٹھلایا تھا۔

امام ولی اللہ کی تحریک کا مستقل مرکز ان کے اتباع کے ہاتھ میں رہا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک محدود وقت تک ان کی اولاد بھی مرکزیت کی مالک رہی ہے لیکن ان سے اوّل و آخر اتباع ہی برسر کار رہے ہیں۔ امام ولی اللہ کی زندگی میں ان کے سب سے بڑے معاون مولانا محمد امین کشمیریؒ اور مولانا محمد عاشقؒ تھے۔ ان کی اولاد میں امام عبدالعزیز سب سے بڑے ہیں اور سب کے استاذ، امام ولی اللہ کی وفات کے وقت وہ بھی اپنی طالب علمی پوری نہیں کر سکے تھے۔ امام عبدالعزیزؒ نے امام ولی اللہؒ کے انہی خلفاء سے اپنی علمی تکمیل کر لی تھی۔

امام عبدالعزیزؒ کے بعد تحریک کا مرکز اگرچہ پھر اتباع میں منتقل ہو گیا مگر اولاد کا دوسرا طبقہ بھی حصہ دار رہا ہے۔ اس طبقہ کے بعد تحریک کی مرکزیت اتباع کے مختلف احزاب میں تقسیم ہو گئی ہے۔

الامیر الشہید السیّد احمد قدس اللہ سرہ العزیز

امام عبدالعزیزؒ کے بعد اتباع کا جو طبقہ تحریک کے مرکز کا مالک بنا ہے۔ ان کے امام امیر شہید ہیں۔ ان کی قوت کشفیہ نے عوام میں انقلابی لہر پیدا کر دی ہے۔ امام عبدالعزیزؒ کے تیار کردہ علماء کو اور عوام کو ایک پروگرام کا پابند بنانا امیر شہید کا کمال ہے۔ خدمت خلق اور اتباع سنت کے فطری اوصاف نے امامت اور امارت کے اعلیٰ رُتبہ پر پہنچا دیا تھا۔

(۱) امیر شہید کے ذات اوصاف اور کمالات میں ہم انہیں معصوم مان سکتے ہیں ہماری تفتیش میں کئی صدیوں سے ان کی نظیر نظر نہیں آتی۔

(الف) ہم امام ولی اللہؒ کے علوم میں نقل عقل، کشف کے تطابق کو مابہ الامتیاز مانتے ہیں۔ ان سے متقدم شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے علوم میں عقل اور نقل کا تطابق پایا جاتا ہے۔ کشف سے وہ تعرض نہیں کرتے۔

(ب) امام ولی اللہؒ کے بعد اس درجہ کا کامل ہم فقط امام عبدالعزیزؒ کو مانتے ہیں۔ امام

عبدالعزیزؒ کے بعد ان کی مثل ہمیں کوئی نظر نہیں آتا، جس میں تینوں کمالات جمع ہو گئے ہوں۔

(ج) امام عبدالعزیزؒ کے شاگردوں کے پہلے طبقہ میں امام رفیع الدینؒ عقل ونقل کے جامع ہیں اور امام عبدالقادرؒ کشف ونقل کے جامع، دوسرے طبقہ میں امام مولانا محمد اسماعیلؒ شہید عقل ونقل کے اوّل درجہ پر جامع ہیں اور مولانا عبدالحیؒ عقل ونقل کے دوسرے درجہ پر۔

(د) مولانا عبدالحیؒ اور مولانا محمد اسماعیلؒ کے قران السعدین کے ساتھ اگر کوئی کشف کا امام بھی مل سکے تو امام ولی اللہؒ کے واحد الی وجود کی دوسری مثال امام عبدالعزیزؒ کے بعد اس اجتماع میں مل سکے گی۔

(۲) ہمارا یقین ہے کہ امیر شہید اس قدر سلیم الفطرت تھے کہ ان کی قوت کشفیہ ہمیشہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق رہی ہے۔ انہیں خلاف سنت کبھی الہام نہیں دیا گیا۔ انہوں نے کافیہ تک کتابیں پڑھ لی تھیں۔ پھر قرآن عظیم کا ترجمہ اور صحاح کا درس شاہ عبدالقادرؒ سے سنتے رہے۔ اس طرح وہ کشف اور نقل کے جامع بن گئے۔

(الف) جادہ قویمہ کی حکومت ہند میں پیدا کرنے کا عزم امیر شہید میں فطری تھا اور خدمت خلق ان کا اخلاقی شعار ہے۔ جادہ قویمہ ''حجۃ اللہ البالغہ اور مسوی'' پر عمل کرنے کا نام ہے۔

(ب) امام عبدالعزیزؒ نے الامیر الشہید کے ساتھ الصدر السعید اور الصدر الشہید، ان تینوں بزرگوں کے مجموعہ کو اپنا قائم مقام بنا کر اپنے متبعین سے ان کا تعارف کرایا ہے، جس سے وہ انقلابی سوسائٹی کا مرکز بن گئے۔ یاد رہے کہ اسی سوسائٹی کے ایک رُکن الصدر الحمید کو اپنے ساتھ رکھا جو انقلاب کی مرکزی روح کی محافظت کرے گا۔

(ج) یوسف زئی کے علاقہ میں پہنچ کر جب امیر شہید امیر المومنین مانے گئے اور ہند میں امام ولی اللہؒ کے اتباع نے اس امارت کو تسلیم کر لیا تو وہ حکومت کے مالک ہو گئے۔

(۳) حکومت کی مصلحت میں ہماری تحقیق حزب کی آمریت (پارٹی کی ڈکٹیٹرشپ) تو مان سکتی ہے مگر کسی فرد کے ڈکٹیٹر بننے کو ہم قبول نہیں کر سکتے۔ اسے ہم **شاورھم فی الامر** کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اس کی تشریح ابوبکر رازیؒ کے ''احکام القرآن'' میں ملے گی۔ ''حجۃ اللہ البالغہ''

کے بعد اگر کسی کتاب نے ہماری سیاسی بصیرت بڑھائی ہے تو وہ یہی کتاب ہے۔

(الف) ہم اس حکومت کو حکومت موقتہ کہتے ہیں۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ لاہور فتح کر کے یہ حکومت دہلی پہنچتی ہے۔ تو مستقل حکومت کا فیصلہ اس وقت ہوگا یا تو شاہ دہلی اس انقلابی حکومت کے رئیس کو وزیر اعظم مان لیتا اور ان کی پارٹی پارلیمنٹ (مجلس شوریٰ) بن جاتی دوسری صورت میں یعنی اگر شاہ دہلی اس حکومت کو تسلیم نہ کرتا تو اسے معزول کر کے اس حکومت کا رئیس ملک کا حاکم ہوتا اور اس کی پارٹی اپنا قانون نافذ کرتی۔

(ب) کیا امام عبدالعزیز کا خلیفہ دہلی کو بھول سکتا ہے، جس کو وہ حرمین اور قدس اور نجف کے بعد ساری دنیا سے افضل مانتے ہیں۔

(ج) مقامات طریقت جس سے ''سوانح احمدیہ'' کا مصنف بھی نقل کرتا ہے۔ ہم نے مکہ معظّمہ میں دیکھی ہے اس میں ایک واقعہ مذکور ہے، مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وکیل نے امیر شہید سے پوچھا کہ اگر مہاراجہ اسلام قبول کر لے تو آپ کی حکومت ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرے گی۔ امیر شہید نے جواب دیا کہ مہاراجہ بادشاہ ہوں گے اور میں اپنی بیٹی ان سے بیاہ دوں گا۔ محض دینی معاملات میں اس کا نائب رہوں گا۔ جب تک وہ شریعت کا حکم چلانا سیکھ لیں۔ (او کما قال) یہ وہ اساس ہے جس پر ہم امیر شہید کی حکومت کو حکومت موقتہ کہنا جائز سمجھتے ہیں۔

(د) مقامات طریقت میں مذکور ہے کہ امیر شہید کے اصحاب میں سے ایک مجاہد عالم جو پہلے بھی حاکم لاہور سے مل چکا تھا، بالاکوٹ کے معرکہ میں گرفتار ہو کر لاہور آیا۔ حاکم نے اس مجاہد سے پوچھا اب خلیفہ کہاں ہے، اس عالم نے جواب دیا میں خلیفہ ہوں۔ ہم امام ولی اللہ کی تحریک کو مساوات اور جمہوریت کا نمونہ مانتے ہیں اس لیے ہم مسلم اور غیر مسلم سے اس کا تعارف کراتے ہیں۔

(۴) ہم یقین رکھتے ہیں کہ اس وقت کی حکومتیں امیر شہید کی تحریک کو ناکام بنانے میں حصہ لیتی رہی ہیں۔

(الف) یہ حکومتیں حکومت لاہور سے ساز باز کر کے امیر شہید اور حکومت لاہور کو مصالحت کا موقع نہیں دیتی تھیں۔

(ب) جن مسلمانوں کو امام ولی اللہ کی تحریک سے مذہبی مخاصمت ہے، جیسے شیعہ اور جہال اہل سنت، ان کے توسط سے امیر شہید کی جماعت میں انتشار پیدا کرتی ہے۔ اس کی بعض مثالیں ہمیں مولانا حمید الدین مرحوم نے بتلائیں۔

(ج) جب ''سوانح احمدیہ'' کے مصنف جیسا فدائی کسی اثر سے امیر شہید کی پوزیشن بیان کرنے میں اور ان کے مقصد کی تعیین میں صریح غلط بیانی اختیار کر سکتا ہے تو بعض عرب رہنماؤں کے ذریعہ سے ایسا پروپیگنڈا کیوں ناممکن سمجھا جاتا ہے، جس کے اثر سے تحریک اپنے اصلی مرکز سے منقطع ہو جائے اور جمہور کارندے قبل از وقت بلند پروازی کو اپنا مقصد قرار دیں کیا اس طرح دوستی کے لباس میں اسے ناکام نہیں بنایا جاتا؟

(د) امیر شہید کی تحریک کو جاہل افاغنہ کے رہنماؤں سے جس قسم کا نقصان پہنچا ہے اس کے مطالعہ کے لیے سیّد جمال الدین افغانی کی تاریخ افاغنہ (عربی) اور امیر حبیب اللہ خاں کی لکھوائی ہوئی ''تاریخ افغانستان'' فارسی کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

(۵) (الف) آخر میں ہم دوبارہ امیر شہید کے متعلق اپنا عقیدہ صاف صاف بیان کرتے ہیں، ہم امیر شہید کو ایک معصوم امام مان سکتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مولانا شہید انہیں اسی طرح منوانا چاہتے ہیں۔

(ب) مگر جس وقت ہم انہیں امارت کی ذمہ داری سپرد کرتے ہیں تو اجتماعی غلطیوں کی مسؤلیت سے انہیں مبرا ثابت نہیں کریں گے۔ ورنہ اس نادر مثال سے تحریک کی آئندہ ترقی میں استفادہ ناممکن ہو جائے گا۔

الامیر ولایت علی صادق پوری کی جماعت صادقہ

جب کوئی امیر میدانِ جنگ میں شہید ہو جائے تو بقیۃ السیف مجاہدین کے لیے ضروری ہے کہ اپنا امیر انتخاب کریں۔ معرکہ بالاکوٹ کے بعد اس قسم کی امارت مولانا ولایت علی کے خاندان میں منحصر ہوگئی۔

(ا) ہم اس امارت کو ایک مستقل پارٹی مانتے ہیں۔ جو امام ولی اللہؒ کی تحریک میں پہلی

امارت کی راکھ سے پیدا ہوئی۔ اس پارٹی کی عظمت کا ہم اعتراف کرتے ہیں، مگر نہ تو ہم کبھی اس پارٹی کے ممبر بنے اور نہ اس کی دعوت دینا کبھی ہمارا مقصد رہا ہے۔

(۲) (الف) ہم اس پارٹی کے مجاہدین کے ساتھ ان کے مختلف مرکزوں میں کافی زمانہ تک ملتے رہے ہیں۔ اس پارٹی کے بہت سے راز ہمیں معلوم ہیں، مگر وہ ایک امانت ہے، ہم اسے افشا نہیں کر سکتے لیکن اس قدر تصریح میں عیب نہیں کہ ہماری ذہنیت اس اجتماع کا جزو بن کر مطمئن نہیں رہ سکتی۔

(ب) ہمارے دیوبندی رفقاء کو یاغستان میں اور ہمیں وکیل مجاہدین سمرقند کے ساتھ کابل میں ساتھ مل کر کام کرنے کا تجربہ ہے۔ ہم لوگ ایک دوسرے کے تعاون وتناصر سے کبھی دست کش نہیں ہوئے لیکن ایک پارٹی کے ممبر سمجھ کر ہمیں کسی نے قبول نہیں کیا، نہ حکومت کابل نے، نہ کسی بیرونی سیاسی جماعت نے۔ یہ وہ اساس ہے جس پر ہم دونوں پارٹیوں کا علیحدہ علیحدہ تعارف کرانا ضروری سمجھتے ہیں۔ ورنہ ہم اپنا کام آگے نہیں بڑھا سکتے۔

(۳) (الف) نواب صدیق حسن خان نے جس ''اربعین'' کا ذکر کیا ہے، وہ ہم نے دیکھی ہے۔ وہ خرافات کا مجموعہ ہے۔ اس میں اس قسم کے الفاظ بھی مرفوعاً موجود ہیں کہ امام مہدی ہند کے شمال مغربی کوہستان سے نکلے گا۔ وہ پنجاب کے کسی غیر معروف مطبع میں چھپی ہے اور خاص لوگوں میں تقسیم ہوتی ہے ہمیں معلوم ہے کہ اس وقت کے امیروں نے اس کی اشاعت ممنوع قرار دے رکھی ہے۔

(ب) غالباً مولانا ولایت علی صاحبؒ نے اپنے ''رسائل تسعہ'' میں امیر شہید کو مہدی متوسط قرار دے کر ان کی غیبت کا ذکر کیا ہے۔

(ج) امیر ولایت علیؒ کے رفیق مولانا عبدالحق کا ترجمہ ''سلسلۃ العسجد'' میں دیکھنا چاہیے۔ کیا نواب صاحب ان کی زیدیت یا تشیع سے ناواقف ہیں۔ ہم نے ایک رسالہ دیکھا ہے، جو شاہی زمانے کی دہلی میں چھپا ہے۔ اس میں مولانا محمد اسحاقؒ اور سیّد محمد علی رام پوریؒ کے بعض بیانات بھی موجود ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ امیر شہید نے مولانا عبدالحق کو اپنی جماعت سے خارج کر دیا تھا۔ وہ رسالہ مکہ معظّمہ میں مولانا احمد سعیدؒ کے خاندانی کتب خانہ میں

موجود ہے، اس پر مولانا عبدالغنی کی مہر ہے۔

(د) جب سے اس پارٹی میں امام عبدالعزیزؒ کے طریقے سے انکار کا غلہ پھیلا ہے، عوام میں ایک طبقہ ائمہ فقہا پر سب وشتم کرنے والا بھی پیدا ہو گیا ہے۔ انہی لوگوں کو چھوٹا رافضی کہا جاتا ہے۔ حاشا وکلا اس پارٹی کے کسی محترم رکن کو اس قسم کا الزام نہیں دیا جاسکتا۔ ہم نے سرحدی مراکز میں امیروں کو حنفی طریقہ پر نماز پڑھتے دیکھا ہے ہم سے کہا گیا کہ یہ اس خاندان کا متوارث طریقہ ہے۔

الامیر امداد اللہ کی دہلویؒ جماعت

مولانا اسحاق کو ہم ان کے جد امجد کی تحریک کا ایسا امام مانتے ہیں جن کے متعلق الہامی پیشین گوئی اس خاندان میں متوارث ہے، یعنی ہم امام محمد اسحاق کو اس تحریک کی علمی اور سیاسی مصلحت کا محافظ مانتے ہیں اور حکومت کا ایک نائب امیر، اس لیے امیر کی شہادت کے بعد وہ ایک امیر بن جائے گا۔

سیاسیات میں اگر کسی جماعت کا امام محمد اسحاقؒ سے تعلق ثابت ہو جائے تو ہم اسے امام ولی اللہ کی تحریک میں ایک مستقل پارٹی تسلیم کرانا چاہتے ہیں۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ اس تفریق کا باعث ہم بنتے ہیں یا ہمارے مقابل یہ بحث دوسرے درجے کی مانتے ہیں۔

(ا) (الف) الامیر امداد اللہ کا تعلق امام محمد اسحاقؒ سے اولاً و آخراً ثابت ہے۔ شروع میں امیر امداد اللہ مولانا محمد اسحاقؒ کے مدرسہ میں طالب علمی کرتے رہے۔ اسی زمانہ میں مولانا محمد اسحاقؒ کے داماد اور خلیفہ مولانا نصیر الدینؒ سے کسب طریقہ کیا۔ یہ وہی مولانا نصیر الدین ہیں جنہیں مجاہدین نے بالاکوٹ میں پہلا امیر بنایا تھا۔ ان کی جگہ پر آگے چل کر مولانا ولایت علی کا خاندان آیا ہے۔

(ب) امام محمد اسحاقؒ جس سال وفات پاتے ہیں اسی سال امیر امداد اللہؒ حج کے لیے گئے۔ امام محمد اسحاقؒ نے اپنے طریقہ کی خاص ہدایتیں دے کر انہیں ہند واپس بھیجا۔ یہ بھی روایت ہے کہ انہیں یہ پیشین گوئی بھی سنائی کہ ایسا وقت آئے گا جب تم مکہ معظمہ میں بیٹھ کر کام

کروگے۔

(ج) امیر امداد اللہ، شیخ نور محمد جھنجانوی کے خلیفہ ہیں اور وہ شاہ عبدالرحیم افغانی کے، یہ دونوں حضرت امیر شہید کے نامور خلفاء میں سے ہیں۔ شاہ عبدالرحیم بالاکوٹ میں شہید ہوئے ہیں۔

(د) الامیر امداد اللہؒ کے رفقاء میں حکیم ضیاء الدین رام پوریؒ ہیں، جو مولانا شہید کے خواص اصحاب میں تھے۔ ان کا ذکر ''سوانح احمدیہ'' میں موجود ہے۔

(۲) مولانا مملوک علی دہلی کالج کے مدرس تھے۔ دیوبندی تحریک کے اکثر اساتذہ مولانا مملوک علی کے شاگرد ہیں۔ جس سال مولانا محمد اسحاقؒ مکہ معظمہ پہنچے اسی سال وہ حج کو گئے، مولانا محمد یعقوب نے ''سوانح مولانا محمد قاسم'' میں کسی خاص مقصد کو ملحوظ رکھ کر اس کا اجمالی ذکر کر دیا ہے۔

(الف) مولانا محمد اسحاقؒ اور مولانا محمد یعقوب کی جاگیر سے جو روپیہ حاصل ہوتا تھا اس کا انتظام ایک جماعت کے ہاتھ میں رہا ہے۔ اس میں مولانا مملوک علی اور مولانا ظفر حسین خاص حیثیت رکھتے تھے۔

(ب) مکہ معظمہ سے واپس آ کر الامیر امداد اللہؒ بھی اسی سوسائٹی میں شامل ہو گئے۔

(ج) یہ سوسائٹی مولانا ولایت علی کی جماعت سے علیحدہ مانی جاتی تھی۔ چنانچہ یہ روایت بھی موجود ہے کہ جب مولانا ولایت علی سرحد کو گئے تو مومن خان نے مولانا امداد اللہؒ سے دریافت کیا کہ آپ کی نظر (کشفی) میں انہیں کامیابی ہوتی نظر آتی ہے؟ مولانا امداد اللہؒ نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر مومن خان خفا ہو گئے۔ مولانا امداد اللہؒ نے معذرت کی کہ اگر آپ نہ پوچھتے تو ہم کچھ نہ کہتے۔

(د) ان لوگوں کے متبعین کو ہم امام محمد اسحاق کی دہلوی پارٹی کہتے ہیں، جس کے رہنما الامیر امداد اللہؒ تھے۔

مولانا شیخ الہند کی دیوبندی جماعت یا مولانا محمد قاسمؒ کے اتباع

سقوط دہلی کے بعد اس دہلوی پارٹی کے افراد منتشر ہو گئے۔ یہاں تک کہ الامیر امداد اللہؒ مکہ معظّمہ پہنچے اور مولانا محمد قاسمؒ بھی نام بدل کر حج کے لیے نکلے، مولانا محمد یعقوب کے مکتوبات میں اس سفر کا پورا تذکرہ موجود ہے۔

(۱) امیر امداد اللہؒ نے مکہ معظّمہ میں فیصلہ کیا کہ امام عبدالعزیزؒ کے مدرسہ کی طرح دہلی سے باہر مدرسہ بنایا جائے اور امام محمد اسحاقؒ کے طریقے پر نئی جماعت تیار کی جائے۔

(الف) مولانا محمد قاسمؒ نے چند سال محنت کر کے دیوبند میں مدرسہ بنایا۔

(ب) ہم جہاں تک سمجھ سکے ہیں اس جماعت کے اوّلین مؤسس امیر امداد اللہؒ اور ان کے دو رفیق مولانا محمد قاسم اور مولانا رشید احمدؒ ہیں۔ امیر امداد اللہؒ کے سوا اس اجتماع کے ربط کو زیادہ مضبوط کرنے والے مولانا مملوک علیؒ اور مولانا عبدالغنیؒ بھی ہیں۔

(ج) اس جماعت کے امتیازی اوصاف میں ہم وحدۃ الوجود، حنفی فقہ کا التزام، ترکی خلافت سے اتصال، تین اصول معین کر سکتے ہیں، جو اس جماعت کو امیر ولایت علی کی جماعت سے جدا کر دیتے ہیں۔

(۲) مدرسہ دیوبند کی سالانہ روئداد مسلسل ملتی ہے۔ مولانا محمود حسن کی طالب علمی اور پھر مدرسی، پھر صدارت اور اپنے مشائخ ثلاثہ کی خلافت، پھر شیخ الہندؒ بننے کے واقعات مشہور و معروف ہیں۔

دیوبند کے ایک نو مسلم طالب علم کا مولانا شیخ الہندؒ سے تعلق

(۱) میں چاہتا ہوں کہ حضرت مولانا شیخ الہندؒ سے اپنا تعلق واضح کر دوں۔ غالباً پچاس برس سے زیادہ عرصہ گزرا کہ میں نے بتوفیقہ تعالیٰ مدرسہ دیوبند کی طالب علمی سے فارغ ہو کر امام ولی اللہ کی حکمت و سیاست کے تدریجی مطالعے کو اپنا مقصد حیات بنایا۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سارے سفر میں میری رہنمائی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ارشاد سے

ہوتی رہی۔

(الف) اس سفر کی پہلی منزل ہم نے سات سال میں طے کی ہے۔ میرا یہ وقت سندھ میں گزرا۔ مولانا محمد قاسمؒ کے نظریات سے شروع کر کے مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ، مولانا رفیع الدینؒ، امام عبدالعزیزؒ کے توسط سے امام الائمہ امام ولی اللہ کی ''حجۃ اللہ البالغہ'' تک ہم پہنچ گئے۔

(ب) ہمارے دل میں اس کتاب کے مطالب کا آہستہ آہستہ یقین اور پھر یقین میں رسوخ پیدا ہوتا رہا۔ اس سے ہم کتاب وسنت کو اطمینان سے سمجھنے کے قابل ہو گئے۔ طالب علموں کی کئی جماعتوں کو ہم نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' پڑھائی۔ اس کے بعد ہمیں موقع ملا کہ حضرت شیخ الہندؒ سے اس کتاب کے بعض اسباق سنے اسی زمانہ میں میں نے مولانا محمد قاسمؒ کا رسالہ ''حجۃ الاسلام'' پڑھا مولانا شیخ الہندؒ کے علمی مقام کی حیثیت اس کے بعد کسی قدر نظر آنے لگی وہ بظاہر تو قاسمی سیرت کے نمونہ تھے۔ مگر باطن میں امام ولی اللہ کی حکمت کے متبحر ترجمان نظر آنے لگے۔ دیکھیے شیخ الہند اپنے ''موضح الفرقان'' کے مقدمہ میں امام ولی اللہؒ کا نام کس مزے سے لیتے ہیں۔ ''حجۃ اللہ علی العالمین شاہ ولی قدس سرہ''

(۲) ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے اصول سمجھنے میں ہمارے لیے مولانا محمد قاسم کی کتابیں بہت مفید ثابت ہوئیں۔ ہم نے بچپن میں اسکول میں تعلیم پائی۔ ہماری ذہنیت ریاضی سے بہت مناسبت رکھتی تھی۔ آریہ سماج اور عیسائیوں کے مقابلہ میں مولانا محمد قاسمؒ جو کچھ لکھتے ہیں اور شیعہ کے شبہات کا جس طرح ازالہ کرتے ہیں اسے میں خوب سمجھا۔ اس نے میرے ذہن کو عام اہل علم سے علیحدہ ہو کر عقلی مسائل کو محض مولانا محمد قاسمؒ کے طریقہ پر سوچنے کے لیے تیار کر دیا۔

(الف) مولانا محمد قاسمؒ محدود مسائل پر بحث کرتے ہیں اور مجھے قرآن عظیم اور صحاح کی ہر ہر حدیث کو اسی طرح سمجھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اسی طرح میری پیاس مجھے امام ولی اللہؒ سے مانوس بناتی رہی۔ آہستہ آہستہ ان کے مخالف علماء کے نظریات سے انکار بھی پیدا ہونے لگا۔

(ب) مولانا محمد قاسمؒ کے نظریات میں رسوخ کا پہلا فائدہ یہ ملا کہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے اصول سمجھنے سمجھانے میں ہم نے (۱) سر سیّد اور ان کے رفقاء کی تحریریں (۲) مولانا محمد حسین بٹالوی اور ان کی جماعت کی کتابیں (۳) قادیانی تحریک کی تالیفات اپنے سامنے رکھیں۔ اس طرح اپنے دیوبندی رفقاء کی طرح اپنے خاص فرقے کی معلومات میں محدود نہیں رہے۔

(ج) ہماری تحقیق میں متکلمین کی یہ جماعتیں، دیوبندی اکابر کے سوا، امام ولی اللہؒ کے تمام اصول تسلیم نہیں کرتیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم دیوبندی جماعت (اتباع مولانا محمد قاسمؒ) کی حکمت اور سیاست کو امام ولی اللہ کی حکمت وسیاست کا مقدمہ بناتے ہیں۔

(د) جس قدر عرصہ ہم ہند میں علمی کام کرتے رہے دارالرشاد (سندھ) جمعیۃ الانصار (دیوبند) نظارۃ المعارف دہلی میں ہمارا مرکز حجۃ اللہ البالغہ ہی رہی۔ اس کے بعد بیرونی سیاحت کے مختلف مقامات کابل، ماسکو، انقرہ، روما، توران میں بھی ہم نے حجۃ اللہ البالغہ کے عقلی اصول سے باہر جانا پسند نہیں کیا۔

(ھ) مکہ معظّمہ میں بیٹھ کر ہم نے اپنا پروگرام بنالیا کہ ان تبدیل شدہ حالات میں ہم کس طرح اپنے مسلک پر قائم رہ سکتے ہیں۔ یورپین فلاسفی اور ہندو فلاسفی کے ماہرین سے ہم ولی اللہ فلاسفی کا کس طرح تعارف کرا سکتے ہیں۔ ہم اس راستہ پر گرتے پڑتے قدم بڑھا رہے ہیں اور اپنی ہر ایک غلطی کی اصلاح کے لیے ہر وقت آمادہ رہتے ہیں لیکن امام ولی اللہؒ کی حکمت و سیاست کی جو انقلابی روح ہماری سمجھ میں آچکی ہے اس میں ایک ذرہ کا فرق بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

والله هو المستعان و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

مولانا عبید اللہ سندھیؒ

(بشکریہ ''الرحیم'' حیدرآبادی جنوری ۱۹۶۵ء)

پیش لفظ

از

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی مدظلہ العالی، صدر جمعیۃ علماء ہند

سیّدنا و مولانا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز جن کی تحریک پیش نظر کتاب کا موضوع ہے

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند کے وہ تلمیذ رشید تھے جو صرف حلقہ درس میں شریک نہیں رہے بلکہ ایک فرزند رشید کی طرح عنفوان شباب ہی سے آپ کے جذبات و رجحانات کی تربیت بھی حضرت حجۃ الاسلام کے سایہ عاطفت میں ہوئی۔ ابھی عمر عزیز کے ۱۷ یا ۱۸ مرحلے طے ہوئے ہوں گے۔ ابھی حضرت نانوتویؒ نے دیوبند کو اپنا مستقر بھی نہیں بنایا تھا، آپ کا قیام میرٹھ یا دہلی ہی میں رہتا تھا کہ ''شیخ الہند'' خطاب پانے والا نونہال، حجۃ الاسلام کے دامن سے وابستہ ہو گیا۔ اس وابستگی نے گرویدگی کی صورت اختیار کر لی، یہی گرویدگی تھی کہ آپ نہ صرف حضر میں بلکہ سفر میں بھی حضرۃ حجۃ الاسلام کے ساتھ رہتے اور جانفشانہ خدمت سے جذبہ راحت رسانی کے اضطراب کو تسکین بخشتے۔

یہ حجۃ الاسلام وہی مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تھے جو چند سال پہلے ۱۸۵۷ء/ ۱۲۷۳ھ میں یورپ کے خوانچہ فروش دغابازوں سے نبرد آزما تھے جو اب اپنے مکر و فریب اور عہد شکنیوں سے جابر حکمران اور ستمگر فرمانروا بن گئے تھے۔ نبرد آزمائی کا نتیجہ شکست ہوا، مگر اس شکست نے صرف اسلحہ کو کند کر دیا تھا۔ جذبات کو افسردہ نہیں کر سکی تھی بلکہ زیر خاکستر چنگاریوں

کی طرح ان کی تپش تیز ہوگئی تھی اور طوفانی انقلاب کے لیے ان کی حرارت اور بڑھ گئی تھی۔ تلمیذ رشید وسعید مولانا محمود حسن کا سینہ حضرت استاذ کے فیوض وافادات کا گنجینہ تھا ان جذبات کا پرتو اس پر پڑا تو وہ آتشیں شیشہ بن گیا جو ہر اس آبگینہ کو سوزش وتپش کا تحفہ دینے لگا جس میں عزت نفس، خودداری، خوداعتمادی اور استقلال وغیرت کی جھلک ہوتی۔ غیرت ملی اور حمایت وطن کی حرارت اس کے خون میں، وقار قومی کی طلب اس کے گوشہ جگر میں ہوتی۔ گویا اس کی صدا یہ ہو گئی تھی۔

''من قاش فروش دل صد پارہ خویش ام''

یہ قاش فروشی کب شروع ہوئی اور اپنے نصب العین کی شمع سے دلوں کے چراغ دانوں کو منور کرنے کی ابتدا کس زمانہ سے ہوئی اس کا کوئی سنہ وسال بتانا مشکل ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ شیخ الہندؒ کے آتشیں شیشہ نے جب سے حجۃ الاسلام کے آفتاب سے شعاعیں لینی شروع کیں تب ہی سے ان کی کرنوں کی تقسیم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ کرنیں کہاں کہاں پہنچیں اور کن کن حلقوں نے ان کرنوں کو سمیٹا اور کون کون سے حلقے ان کی تپش سے آتش دان بن گئے ان کی نشاندہی مشکل ہے۔ صرف ایک حلقہ نمایاں ہوا یہ یاغستان کا حلقہ تھا۔

یاغستان یعنی آزاد قبائل میں کام کب سے ہو رہا تھا، ہمارے پاس اس کا بھی صحیح جواب نہیں ہے البتہ مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ جب ۱۹۱۵ء میں وہاں پہنچے تو پچاس سالہ کوششوں کا منتشر ثمرہ ان کے سامنے تھا جس کو منظم کرنے کے لیے مولانا سندھی کو وہاں بھیجا گیا تھا۔

اگر ان کوششوں کی عمر پچاس سال تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرۃ حجۃ الاسلام کے آخری دور اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے عہد شباب سے وہاں کام ہو رہا تھا۔

اس علاقہ میں حضرت سیّد احمد شہید رحمہ اللہ کی تحریک کو جو حادثہ عظیم پیش آیا تھا جس نے گویا تحریک کو بے جان کر دیا تھا وہ یاغستان کے متعلق اچھی رائے قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا مگر بقول حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ یہاں کے نوجوانوں میں فوجی صلاحیت تھی۔ جذبہ جہاد[1] بھی تھا، یہ مقابلہ ومقاتلہ کے عادی تھے اور ان میں حب وطن، خودداری اور خوداعتمادی کا جوہر تھا جس نے ان کو ہمیشہ انگریز کے مقابلہ میں صف بستہ رکھا، یہی جذبہ تھا جس کی بنا پر یہ

ہمیشہ انگریز کی غلامی کے لیے گردن جھکانے کے بجائے گردنیں کٹوانے کو پسند کرتے رہے۔

تحریک شیخ الہند رحمہ اللہ کے سلسلہ میں ان کی یہ خوبیاں نمایاں ہوئیں۔ اگر انگریزی فوجیں ان کی حدود میں داخل ہوگئیں تو ان کا مقابلہ اس شدت وقوت سے کیا کہ ان کی پلٹنیں کی پلٹنیں صاف کردیں اور یہاں تک پسپا کیا کہ ان کو اپنی چھاؤنیوں میں پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا۔[۲] پھر ایک دفعہ ہی یہ صورت نہیں ہوئی بلکہ مسلسل یہ ہوتا رہا کہ مقابلہ کرتے اور جب رسد ختم ہوجاتی تو اپنے گاؤں میں جاکر رسد لاتے پھر[۳] جہاد کرتے۔ بے شک کامیابی میسر نہیں آئی مگر ان کی پہلو تہی یا بے وفائی کی بنا پر نہیں بلکہ بین الاقوامی حالات نے جس طرح جرمنی اور ترکوں کو لاچار کردیا حتیٰ کہ ان کی سلطنتیں ختم ہوگئیں اور ان کے ممالک کے حصے بخرے ہوگئے۔ ان ہی حالات نے ان مجاہدوں کو بھی کامیابی سے محروم کردیا جو ایسی حالت میں میدان میں آگئے تھے کہ ان کو پوری طرح تیار ہونے کا موقع بھی نہیں مل سکا تھا۔

بہرحال اس علاقہ میں ایک عرصہ سے کام ہورہا تھا مگر کام کی نوعیت کیا تھی اور کس جگہ کس کی سرکردگی میں کام ہورہا تھا اُس کی تفصیلات کا علم نہیں ہوسکا۔ مولانا غلام رسول صاحب مہر کی تحقیق یہ ہے کہ کام کی ابتداء[۴] مکاتب سے ہوتی تھی لیکن مکتب کو کس طرح تحریک کا مرکز بنایا جاتا تھا اور یہ مکتب کہاں کہاں تھے یہ سب پردۂ خفا میں ہیں۔

والد محترم حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی تمنا تھی کہ وہ اس علاقہ کا دورہ فرمائیں اور تمام تفصیلات فراہم کریں اور ان سے رابطہ قائم کریں مگر افسوس اس کا موقعہ نہیں مل سکا۔

ہم شکرگزار ہیں جناب مولانا موسیٰ بھائی کرناڈی، طارق جلال صاحب اور ان کے مخلص احباب کے کہ ان کے ذریعہ اس تحریک کے متعلق حکومت ہند اور سی آئی ڈی کی کارگزاریوں کے اس ریکارڈ کا فلم میسر آگیا جو انڈیا آفس لندن میں محفوظ تھا۔

اس ریکارڈ سے ریشمی خطوط سے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ کچھ افراد کی جدوجہد کا بھی علم ہوتا ہے مگر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی پوری تحریک کے متعلق پوری معلومات میسر نہیں آتیں۔ بنیادی غلطی یہ ہے کہ سی آئی ڈی نے بانی تحریک مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ کو اور مولانا ابوالکلام آزاد کو قرار دیا ہے۔ سی آئی ڈی کی نظر میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ بانی تحریک

نہیں تھے بلکہ مولانا سندھیؒ اور مولانا ابوالکلام آزاد نے ان کومتاثر کیا تھا اور آلہ کار بنالیا تھا۔ سی آئی ڈی نے اپنے اس یقین کی بنیاد پر جو کچھ فراہم کیا وہ ان بزرگوں کے متعلق تو کافی قرار دیا جا سکتا ہے مگر اس کو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی پوری تحقیق کا مرقع نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ جب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے حریم تقدس تک اس کے نظر وفکر کی رسائی ہی نہیں ہوئی تو تحریک کے اصل کار پردازوں اور ان کی کارگزاری کا صحیح علم تو کیا ہوتا ان کا وہم بھی نہیں ہوسکا۔

دس بارہ سال کا عرصہ ہوا دہلی میں جامع مسجد کے علاقہ میں بم پھینکنے کا سلسلہ چلا غالباً ایک سال تک چلتا رہا دو تین مہینے کے بعد بم پھینک دیا جاتا تھا۔ یہ کیا سازش تھی اور اس کے سرغنہ کون تھے؟ سی آئی ڈی اس کا سراغ لگانے میں ناکام رہی۔ بظاہر اس کا سبب یہی ہے کہ اس کے دماغ پر پاکستان کا ہوا مسلط رہا اور وہ اس کو پاکستانیوں کی حرکت سمجھتی رہی اور جو اس کے دائیں بائیں اسی دہلی کے باشندے ہوں گے۔ ممکن ہے وہ پاکستان کے دشمن اور اکھنڈ بھارت کے حامی ہوں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اس کے ہم مشرب اور ہم پیشہ ہوں ان کی طرف وہم وگمان بھی نہیں کیا گیا۔ اسی طرح کی صورت حضرت شیخ الہند کی تحریک کے سلسلہ میں بھی ہے جس کو سی آئی ڈی ریشمی خطوط سازش کیس کہتی ہے۔

بہر حال اس ریکارڈ سے یہ حقیقت واضح اور ناقابل تردید ہوگئی ہے کہ موجودہ آزادی کو جس جدوجہد کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے۔ ایک جماعت ایسی تھی جو اس سے پہلے سے یہ جدوجہد کر رہی تھی اور اس نے جہاد حریت کے لیے اپنے آپ کو اس وقت وقف کر دیا تھا۔ جب کہ ''انڈین نیشنل کانگریس'' نے مکمل آزادی تو درکنار ''ہوم رول'' اور ''ڈومنن اسٹیٹس'' کا نام بھی نہیں لیا تھا بلکہ حکومت وقت کی رضا جوئی میں مشغول تھی اور عام فضا یہ تھی کہ سروں اور خان بہادروں کا موسم بہار تھا اس وقت اس جماعت نے مکمل آزادی کے لیے جان کی بازی لگا دی تھی۔ ''اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے'' (آمین)۔

اس جماعت کے ارکان کی مدح وستائش یا ان کی سفارش کرنا ان سطور کا موضوع نہیں ہے جو پیش لفظ کے طور پر لکھی جا رہی ہیں نہ ان میں اس کی گنجائش ہے۔ البتہ اس جماعت کے ایک رکن مولانا عزیر گل صاحب کے متعلق چند کلمات لکھنے ضروری ہیں۔

پاکستان میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے بنام ''تحریک ریشمی رومال مولانا حسین احمدؒ'' کتاب کے مصنف ہیں، مولانا عبدالرحمٰن اس کتاب میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے گل افشانی کی ہے کہ مولانا عزیر گل صاحب جاسوسی کیا کرتے تھے۔

اس نفرت انگیز الزام کے ثبوت کے لیے صرف ایک غیر مستند بیان پیش کیا ہے۔ باقی خود ساختہ قرائن درج فرماتے ہیں۔ کتاب کی تحریر کا ایسا انداز ہے کہ گویا حضرت والد صاحب (حضرت مولانا سیّد حسین صاحب رحمہ اللہ) نے خاص مجلسوں میں سربستہ راز ظاہر فرمائے تھے اور عبدالرحمٰن صاحب نے ان کو قلمبند فرمالیا تھا۔

میں سب سے پہلے اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری سمجھتا ہوں جو تحریر کے انداز سے پیدا ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کو نہ اتنی فرصت ملتی تھی اور نہ یہ عادت تھی کہ طلبہ کے ساتھ خاص مجلسیں کریں وہ چشمہ فیض اور علم کے دریا تھے، حلقہ درس میں یہ دریا موجزن ہوتا تھا۔ تشنگانِ علوم وہیں سیراب ہوتے تھے۔ طلبہ کو دعوت دے کر مجلس جمانا یہ ان کا طریقہ نہیں تھا۔ عبدالرحمٰن صاحب کو جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ باوزن تو کیا ہوتے ایسے بھی نہیں کہ کسی سنجیدہ مجلس میں ان کا تذکرہ کیا جائے۔ ان کا نام بھی ''رُسوائے زمانہ'' جیسے توہین آمیز خطاب کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

طلبہ کے حلقہ میں بہت سی باتیں پھیلتی ہیں جو اکثر خود ساختہ ہوتی ہیں جن سے گرمی مجلس کا کام لیا جاتا ہے۔ عبدالرحمٰن صاحب نے انہیں ہفوات کو جمع کر کے جاذب توجہ نام رکھ دیا ہے ''تحریک ریشمی رومال''۔

بہر حال نہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب کی شخصیت قابل اعتنا ہے نہ وہ قرائن قابل التفات ہیں جن پر مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے اس الزام کی بنیاد رکھی ہے۔ مگر تعجب بھی ہے اور افسوس بھی کہ ایک صاحب جنہوں نے حضرت شیخ الہندؒ پر تحقیقی مقالہ لکھا ہے جس پر ان کو پی ایچ ڈی کی ڈگری دی گئی ہے انہوں نے تقریباً دو صفحے اس ہفوات کو نقل کرنے میں رنگے ہیں اور ان قرائن کے متعلق فرمایا ہے ''محل غور'' ہیں۔

غالباً مقالہ نگار صاحب کے نزدیک تحقیق کے معنی یہی ہیں کہ متضاد قسم کے رطب ویابس

جمع کر کے اپنی طرف سے محققانہ فیصلہ کرنے کے بجائے بار تحقیق پڑھنے والوں پر ڈال دیں اور فریضہ غور وفکر اپنے بجائے ناظرین کے ذمہ کر دیں۔

مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے پیش کردہ قرائن میں سب سے قوی قرینہ یہ ہے کہ مولانا عزیر گل صاحب نے آخر میں ایک میم سے شادی کر لی تھی۔ آپ فرماتے ہیں 'کیا حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے مسلک کا فدائی انگریز سے رشتہ کر سکتا ہے'۔

اس قرینہ کا ایک جزو یہ ہے کہ کیا ایک مولوی کی مولویانہ آمدنی سے ایک میم کا تمدن پورا ہوسکتا ہے؟

مولوی عبدالرحمٰن یہ قرینہ پیش کر رہے ہیں اور مقالہ نگار صاحب اس کو نقل کر رہے ہیں اور محقق مقالہ نگار صاحب کو یہ یاد نہیں رہا کہ انہوں نے خود اس محققانہ مقالہ میں یہ درج کر دیا ہے کہ یہ نکاح مولانا عزیر گل صاحب کی خواہش پر نہیں بلکہ خود میم صاحب کی خواہش[۵] پر ہوا تھا۔

یہ میم صاحب نکاح کے بعد رڑکی پھر دیوبند میں بھی کئی سال تک رہیں۔ کہا جاتا تھا کہ ان کا تعلق لندن کے معزز خاندان سے تھا۔ ذی علم اور صاحب مطالعہ تھیں، بیوہ تھیں۔ ان کے پہلے شوہر ہندوستان میں اُونچے عہدوں پر رہے تھے لیکن جب اسلام سے مشرف ہوئیں تو زاہدانہ زندگی اختیار کر لی۔ یورپین تمدن کے بجائے دیوبند اور رڑکی کا قصباتی تمدن اپنایا۔ شدت سے پردہ کی پابند ہوگئیں، صوم وصلوٰۃ اور اوراد وظائف اور تلاوت قرآن کریم ان کا مشغلہ تھا۔ تفاسیر کا مطالعہ کیا، قرآن پاک کا ترجمہ بھی انگریزی میں لکھا مگر افسوس طباعت کا انتظام نہیں ہوسکا۔

ایسی خاتون کے متعلق بدظنی گناہ عظیم اور کسی خود ساختہ قرینہ کے لیے ایسے واجب الاحترام خاتون کا نام لینا ''لا تنابزو ابالالقاب'' کے تحت حرام ہے۔

مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے سامنے کوئی خیالی عزیر گل ہیں جن کی زندگی بلند پایہ دولتمند کی سی رہی کیونکہ شیخ الہند رحمہ اللہ کے رفیق اسیر مالٹا عزیر گل جن کا تعلق والد صاحب رحمہ اللہ سے برادرانہ تھا اور بڑے بھائی کی طرح حضرت بھی ان پر شفقت فرماتے اور ضرورت کے وقت تکفل بھی فرماتے تھے۔ ان کی زندگی تو ہمیشہ مولویانہ بلکہ طالب علمانہ رہی۔ نہایت سادہ

بے تکلف، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی نشست گاہ میں رہا کرتے تھے پھر مسجد یا مدرسہ کے حجرہ یا کرایہ کے مکان میں زندگی بسر کی۔ کوٹھی یا پختہ مکان تو کیا اپنے لیے جھونپڑی بھی نہیں بنائی۔

مالٹا سے پہلے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے خادم خاص تھے واپس ہوئے تو زمانہ تحریک میں خلافت کمیٹی دیوبند کے صدر رہے۔ کچھ معمولی سی تجارت بھی کرتے رہے۔ تنہا تھے کسی کا خرچ ان کے ذمہ نہیں تھا۔ ایک دفعہ لکڑیوں کی ٹال بھی کر لی۔ اسی میں اپنا اثاثہ ختم کر دیا تو حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے رڑکی کے مدرسہ رحمانیہ میں تقرر کرا دیا۔ عرصہ تک اسی مدرسہ کے صدر مدرس رہے اسی زمانہ میں میم صاحبہ کی متجسسانہ نظر نے آپ کو زوجیت کے لیے منتخب کر لیا۔ چند سال بعد آپ اپنے وطن تشریف لے گئے۔

عجیب بات یہ ہے کہ نکاح کا زمانہ ۱۹۴۰ء کے قریب کا ہے جب کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی تحریک کا زمانہ جس میں جاسوسی ہو سکتی تھی اس سے تقریباً پچیس سال پہلے یعنی ۱۵-۱۹۱۴ء کا تھا۔

قرائن کے سلسلہ میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے دو مجلسوں کا ذکر کیا ہے کہ ان کی گفتگو کی خبر حکومت کو ہو گئی اور آپ کا خیال یہ ہے کہ شرکاء مجلس میں صرف مولانا عزیر گل صاحب ہی ایسے تھے جن کے ذریعہ خبر پہنچ سکتی تھی۔ سوال یہ ہے کہ جن کارروائیوں میں مولانا عزیر گل صاحب نہیں تھے اور حکومت کے پاس ان کا بھی ریکارڈ تھا، ان کی خبر کس نے پہنچائی۔

حقیقت یہ ہے کہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب کو کسی وجہ سے ذاتی طور پر حضرت مولانا عزیر گل صاحب سے کاوش ہے۔ اسی لیے وہ توہمات کو قرائن قرار دے رہے ہیں اور اس میں خود اپنی ناتجربہ کاری اور ناواقفیت کی دلیل بھی پیش کر رہے ہیں۔ خبر پہنچانے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ مجلس کا کوئی شریک ہی خبر پہنچائے۔ شرکاء مجلس کے دوسرے لوگوں سے بھی ذاتی تعلقات اس درجہ کے ہوتے ہیں کہ وہ ان پر اعتماد کرتے ہیں حالانکہ فی الحقیقت وہ قابل اعتماد نہیں ہوتے۔ ان کے سامنے کوئی جملہ بے احتیاطی اور بے خیالی میں نکل گیا تو وہ اسی کی خبر بنا کر جہاں چاہتے ہیں پہنچا دیتے ہیں۔ ہر بڑے شخص کے ساتھ ایسے لوگ لگے رہتے ہیں۔ مولانا عزیر گل صاحب کا ماحول بھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہوگا۔ اس الزام کو مولانا عزیر گل

صاحب کے سر تھوپنا عناد اور کینہ پروری کی دلیل ہے۔

جن صاحب کے بیان کو مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے شہادت میں پیش کیا ہے اوّل تو خود ان کی شخصیت غیر معروف ہے پھر وہ ایسے شخص کی روایت پیش فرما رہے ہیں جو مولانا عزیر گل صاحب کو پہچانتا نہیں تھا۔ صرف اس بنا پر وہ ایک شخص کو عزیر گل قرار دے رہا ہے کہ وہ پشتو بولتا تھا۔ گویا ہر پشتو بولنے والا عزیر گل بہر حال عبدالرحمٰن صاحب کوئی سنجیدہ اور قابل اعتنا شخص نہیں ہیں کہ ان کی باتوں کا خیال کیا جائے۔ تعجب ہے کہ مقالہ نگار صاحب نے ان ہفوات کو اہمیت دی اور حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے جس طرح مولانا عزیر گل صاحب کی توثیق کی ہے اور ان کی فداکارانہ خدمات بیان کی ہیں ان کو اپنے مقالہ میں دو جگہ ص ۳۵۲ اور ص ۴۰۲ پر نقل کیا مگر ان پر اعتماد نہیں کیا۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس تحریک کے متعلق سی آئی ڈی کا ریکارڈ سامنے آیا تو اس میں بھی وہی ہے جو حضرت والد صاحبؒ نے نقش حیات میں تحریر فرمایا ہے پورے ریکارڈ کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے۔ اسی کے پیش لفظ کے طور پر یہ سطور لکھی جا رہی ہیں۔ اس کے دوسرے حصہ میں ''کون کیا ہے؟'' کے تحت میں نمبر ۶۹ ملاحظہ فرمائیے۔ بقول مولانا عبدالرحمٰن صاحب حضرت مولانا عزیر گل صاحب جن کے لیے جاسوسی کیا کرتے تھے وہی لکھ رہے ہیں۔

> ''جب سے وہ دیوبند میں تھا تب ہی سے مولانا محمود حسنؒ کا پکا مرید ہو گیا تھا۔ بڑا اہم سازشی ہے۔ وہ ان لوگوں میں تھا جنہوں نے ہمیشہ مولانا کو اُکسایا کہ جہاد کے لیے ہجرت کر جائیں۔''

پورا بیان تقریباً ایک صفحہ میں ہے۔ اوراق پلٹیے اور پورا بیان ملاحظہ فرمائیے کہیں کسی فقرہ سے بھی کوئی اشارہ اس الزام کا ملتا ہے جو اس ناخدا ترس عبدالرحمٰن نے مولانا عزیر گل صاحب پر لگایا ہے اور جس کو محقق مقالہ نگار نے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر اپنے مقالہ میں سجایا ہے۔

پیش لفظ طویل ہو گیا مگر حضرت مولانا عزیز گل صاحب کے تقدس اور ان کے اس احترام نے جو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے متوسلین کے دلوں میں ہے اس ناکارہ کو اس طوالت پر مجبور کیا تاکہ ایک پاکباز کے دامن سے یہ ناپاک دھبہ دور ہو۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

اسعد

۲۸ صفر ۱۳۹۵ھ/۱۲ مارچ ۱۹۷۵ء

تعارف

شیخ الہند مولانا محمود حسن کی تحریک جو ریشمی رومال والی تحریک کے نام سے مشہور ہوئی، ایک عجوبہ ہے۔ نتیجہ کے لحاظ سے نہیں بلکہ اس لحاظ سے کہ اس کے بانی وہ بزرگ تھے جن کو نہ اقتدار کی ہوس تھی نہ عظمت و جاہ کا شوق۔ یہ اللہ والے جن کی جولانگاہ مدرسہ و خانقاہ تھی یا مسجد جن کے ساتھی شکستہ حال ملا اور مولوی تھے یا عربی پڑھنے والے بے سہارا تہی دست، وظیفہ خوار طلبہ۔ ان کے سربراہ مولانا محمود حسن جن کو کسی پولیٹکل تکنیک یا سیاسی داؤ پیچ نے نہیں بلکہ زہد و تقویٰ، پاکیزگی باطن، ترک دنیا، درویشانہ خصلتوں اور فقیرانہ عجز و نیاز نے علمائے ہند کا سرتاج اور مشائخ طریقت کا مرشد اعظم اور قطب الاقطاب بنایا تھا۔ ان کے وہ قدم جو دارالتفسیر یا دارالحدیث کی طرف اُٹھتے تھے تو فرشتے ان کے نیچے پر بچھاتے تھے۔ یہ کیا بات تھی کہ ان کے قدم ''انقلاب'' کے پرشور و پرخطر میدان کی طرف اُٹھے اور اتنی چستی سے اُٹھے کہ قائدین سیاست ابھی بیدار بھی نہیں ہوئے تھے کہ وہ مسافت کا بڑا حصہ طے کر چکے تھے۔

خدا ترس و خدا رسیدہ انسان رب العالمین کا پرتو ہوتے ہیں۔ ان کے سینے وسیع اور ان کے دلوں میں ہر ایک کے لیے گنجائش ہوتی ہے۔ چنانچہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے صدر وسیع میں ہر ایک کے لیے گنجائش تھی، وہ مسلمانوں کی طرح ہندوؤں کے بھی دوست تھے، وہ نہ صرف سرزمین ہند بلکہ پوری ایشیا کے ہر گلشن اور خیابان کو سرسبز و شاداب دیکھنا چاہتے تھے مگر کیا وجہ تھی کہ یورپ کی طرف سے ان کا ذہن تنگ تھا۔ افریقہ کا سیاہ فام موٹے ہونٹوں اُلجھے ہوئے بالوں، نیلی آنکھوں والا حبشی ان کو محبوب تھا مگر کیا بات ہے کہ یورپ کے سفید فاموں سے ان کو نفرت تھی۔ ان کے بزرگوں میں وہ بھی تھے کہ اگر کسی یورپین سے ان کا ہاتھ لگ جاتا تھا تو وہ

ہاتھ کوناپاک سمجھتے تھے جب تک اس کو پوری طرح دھونہ لیتے تھے۔

مقدمہ کے چند صفحات جو آپ کے سامنے ہیں ان میں ان بزرگوں کی تحریک حریت کا پس منظر ہے ان کو ملاحظہ فرمانے کی زحمت گوارا فرمایئے۔ پس منظر کے چہرہ سے نقاب اُٹھے گا تو آپ کا یہ تعجب بھی رفع ہوجائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایشیا اور یورپ کے دو دور

(۱)

ظلمت کدہ:

جمہوریہ روما کا صرف نام باقی تھا۔ اس کی جگہ بازنطینی شاہنشاہیت یا شاہنشاہیت روما کی شوکت وحشمت کا دور تھا، اس کے تعاون سے کلیسا کا نظام بھی اپنے شباب پر تھا جس کو نہ صرف فلسفہ سے نفرت تھی جو اس کی تثلیث پرستانہ توحید پر سخت تنقید کیا کرتا تھا بلکہ علم کا چرچا بھی اس کے لیے وحشت انگیز تھا کیونکہ نظر وفکر اور فہم ودانش جو تقاضہ علم ہے وہ ملمع شدہ فلسفہ کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہیں تھی۔ اس رقابت کا نتیجہ تھا کہ نہ صرف عام مکاتب و مدارس کے گلشن حکومت اور ارباب اقتدار کی بے التفاتی اور سرد مہری کی یخ زدہ ہواؤں سے پژمردہ اور وقف خزاں ہو رہے تھے بلکہ بڑے بڑے علمی مرکزوں کے اعضاء شل اور ان کے دماغی قویٰ مضمحل اور مفلوج ہوتے جا رہے تھے۔ اس رقابت نے یہاں تک ترقی کی کہ روما کا رتھیج[۶] اور ملان جیسے علمی مرکزوں کی تاریخی یونیورسٹیاں بند کر دی گئیں اور چھٹی صدی عیسوی کے آغاز ۵۲۹ء میں ایتھنز کا مدرسہ فلسفہ بھی قیصر جسٹینان کے حکم سے (جو ۵۲۷ء سے ۵۶۵ء تک حکمران رہا) بند کر[۷] دیا گیا۔

یہ حالت کتنی ہی افسوس ناک ہو مگر یہ حالت آخری نہیں تھی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یورپ ابھی بے چینی اور بدامنی کے زینہ کے پہلے قدم پر تھا جس کے بعد وہ بالکل جہالت اور وحشیانہ حالت کو پہنچ گیا۔ علم و ہنر اور ادب کو آنے والی صدیوں کے سیاسی میدان میں کوئی جگہ نہ[۸] دی گئی۔

تیھو[۹]ڈاک کے زمانہ سے شارلمین تک تین سو برس گزر گئے۔ اس عرصہ میں کوئی مصنف

ایسا نہیں ہوا جو بدترین لاطینی میں ہی اپنے زمانہ کے حالات کی تاریخ لکھ دیتا گویا ہر چیز نے تعلیم کے خلاف سازش کرلی تھی۔[۱۰]

۵۳۹ء سے لے کر جب کہ قیصر جسٹینان نے یونانی مدارس کو بند کر دیا تھا۔ ۱۶۳۷ء تک جب کہ ڈیکارات کے ''مقالات بر مناہج'' شائع ہوئے، نیند کی ماری انسانیت نے غور وفکر کرنا ہی چھوڑ دیا تھا یا یوں کہیے کہ علم وحکمت کے اہم مسائل کو تخیل ودرایت کے حضور میں لانا ہی بند کر دیا تھا۔ (ایم ڈی ولف) بحوالہ اسلام اور عصر جدید جنوری ۷۳ء یہ منفی پہلو تھا اور مثبت عمل کے متعلق فرانسیسی مؤرخ موسیو لی بان کی شہادت یہ ہے۔ چرم جس پر لکھا جاتا تھا وہ بہت مہنگا ہو گیا تو پادریوں کی بن آئی، کتابوں کے حروف صاف کر کر چمڑا بیچنا شروع کر دیا۔ عرب کاغذ ایجاد نہ کرتے تو یہ پادری صاحبان تمام پرانی کتابیں ختم کر دیتے۔[۱۱]

تعلیم صرف کلیسا میں محدود:

جماعت پادریان کا اثر واقتدار تھا کیونکہ صرف وہی فرقہ تعلیم یافتہ تھا۔ چھ سات صدیوں تک مغرب میں سلطنت روما کے زوال کے بعد بہت کم اشخاص، پادریوں کے علاوہ مطالعہ کرنے، پڑھنے اور لکھنا سیکھنے کا خیال کرتے تھے۔ تیرہویں صدی عیسوی میں بھی ایک مجرم جو کہتا تھا کہ وہ پادری ہے تاکہ کلیسا[۱۲] کی عدالت اس کے مقدمہ کی سماعت کرے تو صرف ایک سطر پڑھ کر یہ ثبوت دے سکتا تھا کہ واقعی وہ پادری ہے کیونکہ جج مسلمہ طور پر یہ مانتے تھے کہ جس کا تعلق کلیسا سے نہ ہو وہ نہیں پڑھ سکتا تھا۔[۱۳]

(۲)

بقعہ نور

مشرق میں آفتابِ علم کی ضیاپاشی

یہ عجیب بات ہے کہ خاص اس دور میں مغرب میں مدارس اور یونیورسٹیاں حکماً بند کر کے چراغ گل کیے جا رہے تھے، لکھنے پڑھنے، علمی مذاکرہ اور مطالعہ سے نفرت عام تھی۔ سرمایہ علم جو کچھ تھا وہ کلیسا کے تہ خانوں میں بند کر دیا گیا تھا اور بارگاہ کلیسا میں صرف ایک سطر کی خواندگی، علم کا معیار تھا۔

عوام کو تعلیم سے محروم رکھنے اور پرانی کتابوں کے حروف مٹا کر ان کے چرمی اوراق کو فروخت کر دینا مقدس کلیسا کے ان ذمہ داروں کا نفع بخش کاروبار تھا جو علم و فضل اور روحانیت کے سرپرست تھے۔ جس کی معمولی برکت یہ تھی کہ تین سو برس (از دور تھیوڈا ک ۵۲۶ء تا دور شارلمین) ایسے گزر گئے کہ کوئی ایسا مصنف بھی نہ پیدا ہو سکا۔ جو بدترین لاطینی ہی میں اپنے زمانہ کے حالات لکھ دیتا۔ [۱۴]

خاص اسی دور ظلمت میں مشرق میں اس وحی ربانی کا دور شروع ہو رہا تھا جس کا سب سے پہلا لفظ تھا اقراء اور جس کی پیشانی کا جھومر تھا **علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم** (سکھایا قلم کے ذریعہ، سکھایا انسان کو وہ جس کا علم اس کو پہلے نہیں تھا) (یعنی معمولی نوشت و خواند سے لے کر جس کا آغاز قلم سے ہوتا ہے اعلیٰ درجہ کی وہ تعلیم جس سے انسان غیر معلوم حقائق کا علم حاصل کر سکے اور اس کو جدید جدید اکتشافات دینی و دنیاوی ترقیات کے بامِ عروج پر پہنچا سکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے جس سے اس نے نوع انسان کو نوازا۔ اس کو فراہم کرنا انعام الٰہی کے موتیوں کو سمیٹنا ہے جو سراسر سعادت، خوش بختی اور فریضہ انسانیت ہے) یہی وحی تھی جس کی بنیاد پر وہ اُمت ظہور پذیر ہوئی کہ فرانس کے حقیقت پسند مؤرخ موسیو لی بان کے قول کے مطابق اس کا کردار یہ تھا۔

''ظہور پیغمبر اسلام سے ایک صدی کے اندر عربوں کا ملک دریائے سندھ سے اندلس تک پہنچ گیا۔ [۱۵]
اس پیش قدمی کا مقصد ملک گیری نہیں تھا بلکہ ان تمام شہروں میں جہاں اسلامی پرچم جلوہ فگن تھا ایک حیرت انگیز ترقی نظر آتی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام وہ مذہب ہے جس کے اعتقادات کو مسائل علوم طبعی کے ساتھ پورا توافق ہے اور ان اعتقادات کا خاصہ یہ ہے کہ ہمارے اخلاق کو نرم کریں اور ہمہ تن نیکی اور انصاف اور دوسرے مذاہب کی رواداری پیدا کریں۔ [۱۶] اشاعت مذہب میں تلوار سے مطلق کام نہیں لیا گیا کیونکہ مسلمان ہمیشہ مفتوح اقوام کو اپنے مذاہب کی پابندی میں آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ [۱۷]
عربوں کی حکومت کے زمانے میں بکثرت کلیسوں کا تعمیر ہونا بھی دلیل اس امر کی ہے کہ وہ اقوام مفتوح کے مذہب کی کس قدر عزت کرتے تھے۔ بہت سے نصاریٰ مسلمان ہو گئے تھے لیکن اسلام قبول کر لینے کی انہیں چنداں ضرورت نہیں تھی کیونکہ عربوں کی حکومت میں نصاریٰ بھی جنہیں مستعرب کہتے تھے ان کے علاوہ یہودی ہر طرح مسلمانوں کے برابر تھے اور انہیں کل عہدے سلطنت کے مل سکتے تھے اور چونکہ کل ممالک یورپ میں اندلس ہی وہ ملک تھا جہاں یہودیوں کو امن و امان ملی تھی۔ یہاں [۱۸] بکثرت جمع ہو گئے تھے۔

صدیاں گزر رہی تھیں اور مغرب کی تاریک وادیوں میں ظلمت، جہالت کے علاوہ تعصب، تنگ نظری، فرقہ وارانہ قتل وقتال، ظلم وستم اور وحشت و بربریت کا اضافہ ہو رہا تھا۔ تاریخ کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ یہ سلسلہ اسی طرح صدیوں تک چلتا رہا۔ اس میں اگر استثناء ہے تو صرف اس دور کا جب مشرق کے آفتاب رحمت کی کرنیں اس پر پڑیں اور صرف اس خطہ اور حصہ ملک کا جہاں یہ کرنیں پڑیں اسی فرانسیسی مؤرخ کا بیان ہے کہ:

''عربوں نے اندلس کے باشندوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو انہوں نے شام اور مصر میں کیا تھا ان کے مال، ان کے کلیسے، ان کے قوانین انہیں دیے اور اپنے ہم قوم حکام کے زیر انصاف رہنے کے حقوق و آئین عطا کیے۔ ایک سالانہ جزیہ چند شروط پر ان پر لگایا گیا جو امراء کے لیے ایک دینار سرخ اور عوام کے لیے نصف دینار تھا۔[19]

چند صدیوں میں عربوں نے اُندلس کے ملک کو علمی اور مالی ترقی کے لحاظ سے بالکل بدل دیا اور اس کو یورپ کا سرتاج بنا دیا۔ یہ تغیر محض علمی اور مالی نہیں تھا بلکہ اخلاقی بھی تھا۔ انہوں نے اقوام نصاریٰ کو ایک بیش بہا خصلت انسانی سکھائی یا کم از کم سکھانے کا قصد کیا۔ (یعنی مذاہب مخالف کی رواداری) مفتوحہ اقوام کے ساتھ ان کا برتاؤ اس قدر نرم تھا کہ انہوں نے کلیسا ساقفہ کو مذہبی مجالس منعقد کرنے کی بھی اجازت دے دی تھی۔''[20]

عربوں کے اخلاقی تسلط نے یورپ کی ان وحشی اقوام کو جنہوں نے رومیوں کی سلطنت کو تہ و بالا کیا تھا انسان بنایا۔ ان کے علمی اور دماغی تسلط نے یورپ کے لیے علوم وفنون اور ادب و فلسفہ کا جس سے وہ ناواقف تھا دروازہ کھول دیا اور چھ صدی تک یہی عرب ہمارے اُستاد اور ہمیں تمدن سکھانے والے رہے۔[21]

اسی وجہ سے انصاف پسند دانشوروں کی تمنا یہ تھی کہ کاش عرب پورے یورپ کو فتح کر لیتے تو سارا یورپ انسانیت اور شرافت سے آشنا ہو جاتا۔

اسی فرانسیسی دانشور کی تحریر ملاحظہ فرمائیے:

''جب کہ اُندلس نے عربوں کی حکومت میں ایسے زمانہ میں اعلیٰ درجہ کا تمدن حاصل کیا۔ جب یورپ شدید وحشیانہ حالت میں تھا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانہ کے تمدن کے لحاظ سے عیسائی اقوام یورپ کو اسلامی تسلط سے بہت کچھ فائدہ ہوتا اور نقصان نہ ہوتا۔ اسلام کی رحمت ان

اقوام مغرب کے اخلاق میں لینت (نرمی) پیدا کر دیتی اور انہیں مذہبی خونریزی، سے سینٹ پر تہالیمو کے قتل عام سے، مذہبی عدالتوں کے مظالم سے جنہوں نے کئی صدیوں تک یورپ میں خون کے دریا بہائے اور جن سے مسلمان بالکل ناواقف تھے بچالیتی۔" [۲۳]

تاریخ یورپ کے مشہور مؤرخ اے جے گرانٹ کی شہادت ہے:

"یورپ کی تاریخ میں ہسپانی مسلمانوں کی تباہی سے زیادہ دردناک کوئی واقعہ نہیں ہے کیونکہ انہوں نے یورپ کے تمدن میں بہت کچھ اضافہ کیا اور اگر وہ تباہ نہ ہوتے تو اس میں اور اضافہ کرتے۔" [۲۴]

یورپ کے تمدن میں اضافہ کی ایک مثال پیرس یونیورسٹی ہے۔ یہ یونیورسٹی اپنے پینسٹھ کالجوں کی وجہ سے ایک اچھا خاصہ شہر بن گئی تھی اور خانقاہوں کے ساتھ مل کر شہر اور مضافات کے ایک بڑے حصہ کی مالک ہوگئی تھی۔

ایشیا اور یورپ کے مزاج:

(ا) ہم اس ایک خدا کو ماننے والے ہیں جو رب العالمین ہے۔ [۲۵] تمام جہانوں کا پروردگار۔ اس رسول کو مانتے ہیں جو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا، اس قرآن کو مانتے ہیں جس کا اعلان یہ ہے کہ تمام انسان ایک مرد اور عورت کی اولاد ہیں، قبائل اور خاندان کی تقسیم صرف اس لیے کی گئی کہ پہچان ہو سکے۔ کالے اور گورے میں کوئی فرق نہیں۔ کسی ایک ملک کے باشندوں کو دوسرے ملک والوں پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ فضیلت جو کچھ ہے وہ تقویٰ اور پرہیزگاری کی بنا پر ہے۔ ہمارے نزدیک مشرق، مغرب، یورپ، ایشیا، افریقہ، امریکہ اور آسٹریلیا کے باشندے سب ایک درجہ کے انسان ہیں۔ جغرافیائی تقسیم سے ان کی انسانیت میں کوئی فرق نہیں آتا مگر جس طرح انسان کا بدن ایک ہے مگر اس کے اعضاء میں باہمی اتحاد کے باوجود امتیاز ہے۔ سر اور پیر میں فرق ہے، سر ہمیشہ اُوپر رہتا ہے اور پیروں کا کام ہے کہ وہ سطح زمین کو بوسہ دیں۔ گرد و غبار اپنے اُوپر لیں۔ آنکھ کو جو عظمت حاصل ہے وہ ہاتھ پاؤں کو میسر نہیں۔ پیٹ اگرچہ سارے بدن کے لیے غذا کا خزانہ ہے اور قلب بھی اسی کے ایک کنارے پر

ہے جو غذا کا لطیف جوہر اسی خزانہ سے حاصل کرتا ہے مگر قلب کو جو عظمت حاصل ہے پورے پیٹ کو نہیں، قلب پر زندگی کا مدار ہے وہ اگر زندہ ہے تو پورا بدن زندہ ہے ورنہ لاشہ بے جان۔ اسی طرح انسانوں کی صلاحیتوں اور مزاجوں میں فرق ہے اسی فرق نے کرہ زمین کے بہت سے براعظموں ایشیا اور یورپ کو جو امتیاز بخشا ہے وہ افریقہ کو حاصل نہیں ہے پھر ایشیا اور یورپ میں یہ فرق ہے کہ جب سے تاریخ انسان اور انسانیت کی خبر دیتی ہے وہ ایشیا کو قلب بیدار ثابت کرتی ہے۔

خدا پرستی، خداترسی یعنی تقویٰ اور پرہیزگاری، مکارم اخلاق تہذیب، شرافت اور شائستگی جو انسانیت کے جوہر ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ یہی اوصاف انسانیت کی حقیقت ہیں۔ انہیں کے نکھرے ہوئے جوہر کا نام روحانیت ہے۔ ماضی بعید میں جہاں تک تاریخ کی رسائی ہے اس کی شہادت یہی ہے کہ ان اوصاف کا مرکز ایشیا ہی رہا ہے۔

یورپ اور مذہب:

(۱) یورپ آج بھی مادہ پرست یا سائنس پرست ہے وہ عہد قدیم میں بھی مادہ پرست یا عقل پرست رہا ہے۔ یورپ کے عہد قدیم کی ابتدا اس کے دور افتادہ گوشہ (یونان) سے ہوتی ہے یونان کی دو ہی خصوصیتیں ہیں۔ عقل پرستی اور بت پرستی فلسفہ قدیم کے بانی سقراط اور اس کے شاگرد زینوفن، افلاطون اور ارسطو، یونان ان کا مولد و منشا تھا۔ ان کو خود پرست تو کہا جا سکتا ہے کہ جو ان کی عقل فیصلہ کرتی تھی وہی ان کا مذہب ہوتا تھا مگر خدا پرست نہیں کہا جا سکتا۔ فلسفہ کے ساتھ فنون لطیفہ میں ان کو دخل تھا۔ انہیں کے قائم کردہ اصول اور انہیں کے نظریات تھے جو یونان کا علمی سرمایہ ہیں اور انہیں پر تمدن یورپ کی بنیاد قائم ہوئی۔ [۲۷]

یونان کے فلاسفر اور دانشور میدان سیاست میں بھی حکمرانی کے مختلف طریقوں کا تجربہ کرتے رہے، ان کے تجرباتی سفر کی ایک منزل وہ جمہوریت تھی جس کی ابتدا ۵۰۹ ق م میں ہوئی۔ [۲۸] کئی صدی کے تجربوں نے اس کے سیاسی دستور کو مکمل کیا۔ اس دستور کا وارث یورپ [۲۹] بنا۔ یہی دستور یورپ کے خزانہ علم کا سب سے قیمتی ہیرا ہے۔

(۴)

اہل یورپ کے معبود:

فلسفی اور سیاسی رجحانات کے علاوہ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے تو اے جے گرانٹ ہومر کی رزمیہ نظموں کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے۔

شاعر ہمیں ایک ایسا تمدن دکھاتا ہے جس میں یونانی قوم بے شمار دیوتاؤں اور دیویوں کی پرستش کر رہی ہے۔ جن کے ہاتھ میں انسان کی بھلائی اور برائی تھی۔ [۲۹]

ہر ایک شہر اور علاقہ کے خدا الگ الگ مانے جاتے تھے۔ افلاطون جیسے فلسفی اور اس زمانہ کے تمام واضعان قانون کا نظریہ یہ تھا کہ ایک نیک اور اچھے شہری کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان خداؤں کو مانے جو اس کے باپ دادا کے خدا مانے گئے ہوں۔ ساتھ ساتھ یہ بھی لازم تھا کہ ایک شہر کا آدمی دوسرے شہر کے خداؤں کی پوجا سے باز رکھا جائے۔ [۳۰]

روح جمہوریت کمزور ہونے لگی۔ اس کی جگہ شاہنشاہیت آنے لگی تو شاہنشاہ پیراہن معبودیت بھی زیب تن کرنے لگے۔

پیلم صاحب فرماتے ہیں:

قیصروں کی پرستش کا آغاز، روما اور صوبجات میں جولیس قیصر کی پرستش سے ہوا، جس کو موت کے بعد اس کے معتقدوں نے دیوتا قرار دیا۔ پھر اس کے جانشین بھی دیوتا مانے گئے جس کی وجہ سے شہنشاہ کی ذات مقدس ہوگئی اور دیوتاؤں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

یہ پرستش زیادہ تر سیاسی اہمیت رکھتی تھی۔ ۱۲ ق م سے عام پرستش شروع ہوگئی جب کہ روما میں آگسٹس کی پرستش کے لیے ایک معبد بنایا گیا اور وہ صوبجات گال (فرانس) کا مذہبی مرکز قرار دیا گیا۔ یہاں ہر سال ایک تیوہار بھی ہوا کرتا تھا۔ پجاری بھی ہر سال منتخب ہوتے تھے۔ یہ جدید پرستش رفتہ رفتہ پھیل گئی۔ دوسری صدی عیسوی کے ختم تک ہر صوبہ میں آگسٹس کے معابد اور پجاری پیدا ہوگئے اور صوبہ میں قیصروں کی پرستش باضابطہ ہونے لگی جس سے مختلف اجزاء سلطنت میں یکجہتی اور قیصرانِ روما کے اقتدار کا ثبوت ملتا ہے۔ [۳۱]

دوسرے موقع پر ارشاد ہے:

جولیس قیصر اور آگسٹس، دیوتا قرار دیے گئے اس لیے ان کی اولاد کا اعزاز ضروری تھا۔ ٹائرس سے نیروتک جتنے قیصر ہوئے سب کے سب دیوتاؤں کی اولاد میں سے تھے گویا حق حکومت ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا۔[۳۲]

ان کے خاندان کے دوسرے اراکین بھی مراعات شاہانہ سے ممتاز ہونے لگے۔ خواتین کو بھی اعزازات حاصل ہوئے مثلاً لیویا، ایگرپلپیا وغیرہ کی تصویریں ستونوں پر نقش کی جاتی تھیں۔ بعد وفات دیویاں قرار دی گئیں۔[۳۳]

یورپ میں عیسائیت:

عیسائیت وہاں پہنچی تو اگرچہ وہ بت پرست نہیں ہوئی مگر وہ خود توحید سے عاری تثلیث پرست ہو چکی تھی پھر اس کا سب سے بڑا حامی وہ ہوا جو اپنے زمانہ میں سب سے بڑا علمبردار سیاست تھا۔

''ڈائیوک لیشن'' جو ۲۸۵ میں سلطنت روما کا امبراطور (شہناہ) ہوا۔ وہ بت پرست تھا اور تقاضا شہنشاہیت یہ تھا کہ اس کی بھی پرستش کی جائے لیکن عیسائیت کو ان دونوں سے انکار تھا۔ ڈائیوک لیشن نے طے کر لیا کہ وہ عیسائیت کو نیست و نابود[۳۴] کر دے گا۔ اس نے اپنی کوشش میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی لیکن جب عیسائیت ایسی سخت جان ثابت ہوئی کہ بیس سالہ سفاکانہ مظالم کے باوجود اس میں کوئی لچک نہ پیدا ہو سکی اور باوجودیکہ خود عیسائیوں میں نظریاتی اختلاف بہت کچھ تھا۔ جس کی بنا پر اس دور میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے لیکن اس کمزوری کے باوجود بت پرستانہ شاہنشاہیت کے مقابلہ میں کلیسا کے نظام نے شکست قبول نہیں کی بلکہ وہ اور زیادہ مستحکم ہو گیا۔ اس تلخ تجربہ کے بعد ڈوائیوک لیشن نے گوشہ نشینی کو غنیمت سمجھا۔ چنانچہ ۳۰۵ء میں ڈائیوک لیشن اور اس کا شریک سلطنت ''میکسی مین'' اس منصب عالی سے کنارہ کش ہو گئے۔

جانشینی کا نظام جو خود ڈائیوک لیشن'' نے قائم کیا تھا اس کی رو سے چھ شخص دعویدار تھے لیکن انجام کار قسطنطین نے سب کو ختم کر دیا اور پوری سلطنت اپنے زیر نگیں کر لی، قسطنطین نے اپنے پیش رو ڈائیوک لیشن کی ناکامی سے سبق لیا اور بقول ''زمانہ با تو نہ سازد تو باز مانہ بساز''

اس نے عیسائیت سے ساز باز کرلی۔[۳۵]

(۴)

قسطنطین اپنے متعدد حریفوں کو ختم کر چکا تھا مگر چند حریف ابھی باقی تھے۔ ان کو ختم کرنے کے لیے اندرون ملک اتحاد کی سخت ضرورت تھی۔ جس کا مدار اس پر تھا کہ عیسائی رہنما اس کے معاون و مددگار رہوں۔ اس زمانہ میں اس نے عیسائی رہنماؤں سے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ:

''سہ پہر کے وقت جب آفتاب نصف النہار سے ہٹ کر مغرب کی طرف ڈھل رہا تھا، میں نے آسمان کی طرف نظر کی۔ دفعتاً دیکھا کہ قرص آفتاب سے کچھ اُوپر ایک صلیب کی صورت بنی ہے۔ یہ صلیب نہایت روشن ہے اور نور کی کرنیں اس سے نکل رہی ہیں اور اس کے گرد لکھا ہے[۳۶]۔

''اس کی مدد سے فتح کر''[۳۷]

قسطنطین اس مشاہدہ کا مطلب پوری طرح نہیں سمجھ سکا۔ اس کو دو روز تک تردد رہا۔ دوسرا دن گزرنے کے بعد رات کو:

''جناب مسیح علیہ السلام خواب میں نظر آئے، ان کے ساتھ وہ نشان بھی تھا جو آسمان پر نورانی ہو کر چمکا تھا۔ آپ نے قسطنطین کو حکم دیا کہ اسی نشان کی نقل کرے اور اس کو دافع بلا سمجھ کر بطور تعویذ استعمال کیا کرے۔''[۳۸]

بہرحال ۳۰۶ء عیسائیت کی تاریخ میں بہت ہی مبارک سال تھا کہ شاہنشاہ روم قسطنطین نے نہ صرف عیسائیوں کو مذہبی آزادی دی بلکہ خود عیسائی مذہب قبول کرلیا جس کے اثر سے بہت سے بت پرست عیسائی ہوگئے اور بت پرست بڑی حد تک مغلوب ہوگئے۔ بلاشبہ بہت مبارک ہے وہ سیاست جو زیر سایہ روحانیت ہو مگر یہاں روحانیت زیر سایہ سیاست تھی چنانچہ جب بت پرستی پر عیسائی مذہب کو غلبہ ہوا تو اب عیسائیت کے مختلف فرقوں نے کلیسا کے امن و

عافیت میں خلل ڈالنا شروع کر دیا اور جس طرح پہلے بت پرستوں اور عیسائیوں کی باہمی خصومت سے سلطنت کے حفظ وامان میں خلل کا اندیشہ تھا اب وہی اندیشہ عیسائیوں کے باہمی اختلافات سے پیدا ہو گیا۔[۳۹]

(۵)

اب قسطنطین کے تدبر نے اس کو اس اقدام پر آمادہ کیا جس کے نتیجہ میں اس نے عیسائیت کی تاریخ میں غیر فانی عظمت حاصل کر لی۔ اس نے مختلف صورتوں سے اختلاف کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ اس کوشش کی آخری منزل عیسائی علماء کا وہ اجتماع تھا جو جولائی ۳۲۵ء میں ''نیقا'' مقام پر ہوا۔[۴۰]

جس میں ۳۱۸ ساقفہ نے شرکت کی جو حکومت کے خرچ پر بلائے گئے تھے اور ان کے قیام وغیرہ کا شاندار انتظام کیا گیا تھا۔[۴۱]

اس اجتماع میں ایک عقیدہ طے ہوا جس کا حاصل یہ تھا کہ یہ تین ہیں جن پر ایمان لانے کا نام عیسائیت ہے۔ خدا باپ پر، خداوند یسوع مسیح خدا کے فرزند پر اور روح القدس پر۔

اختلاف اب بھی ختم نہیں ہوا، فائدہ یہ ہوا کہ اکثریت نے عقیدہ تثلیث کو بنیادی حیثیت دے دی اور اس کے منکر کو کافر، مرتد، واجب القتل قرار دے دیا۔

قسطنطین نے ایک فرمان جاری کیا:

> ''جو باتیں حسب ضابطہ وقانون طے ہو گئیں، ان کا ماننا ضروری ہے، جس بات کو تین سوا ساقفہ نے اپنی رائے میں درست سمجھا تو اسی رائے کو خدا کا ارشاد سمجھنا چاہیے پس لازم ہے کہ جن لوگوں کو ''اریوس'' نے گمراہ کیا تھا وہ اب از خود مذہب قدسیہ جاثلیقیہ (کیتھولک) کی طرف رجوع کریں۔''[۴۲]

اس فرمان نے کیتھولک پادریوں کو یہاں تک قوت بخشی کہ انہوں نے دوسرے عیسائیوں کے ساتھ وہی کیا جو بت پرستی کے دور میں بت پرست ان کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ فرق یہ تھا کہ بت پرست عیسائیوں کو اپنی حکومت کا باغی اور مجرم سمجھ کر سزائیں دیتے تھے اور

برسراقتدار عیسائی فرقہ کا عقیدہ یہ تھا کہ اہل بدعت کی ارواح کو عذاب آخرت سے بچانے کے لیے دنیا میں اذیتیں پہنچانی ضروری ہیں۔ [۴۳]

(۶)

قسطنطین کا مذہب:

یورپ میں مذہب کی حیثیت اور اس کی قدر و منزلت بیان کرتے ہوئے قسطنطین کے مذہب پر بھی نظر ڈالی جائے جو عیسائیت کا مجدد اور مصلح اعظم تھا۔

اس دور اندیش مجدد و مصلح نے عیسائیت کا دامن ضرور سنبھالا مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ بت پرست کی حیثیت سے جو اس کو عظمت حاصل تھی اس میں بھی فرق نہ آنے دیا چنانچہ:

> ''اس نے عیسائیت کی اشاعت میں جبر سے کام نہیں لیا اور جیسا کہ وہ بت پرستوں کا پیشوا مانا جاتا یعنی کاہن کبیر ''پونتی نکس سیک سیمس'' اس منصب اور خطاب کو ترک نہیں کیا کیونکہ اس کو خطرہ تھا کہ اگر وہ اس کو ترک کردے گا تو بت پرست کسی اور کو کاہن کبیر بنا دیں گے جو اس کے اقتدار کے لیے خطرہ ثابت ہوسکتا ہے۔'' [۴۴]

اس مجدد اعظم کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ محبوب ترین عزیز کو قربان کردینا اس کے لیے آسان تھا مگر یہ گوارا نہیں تھا کہ اس کے اقتدار کے لیے خطرہ پیدا ہو۔ چنانچہ جس سال اس نے نیقاء کا تاریخی اجتماع کیا اس سے اگلے ہی سال اپنے ہونہار اور قابل بیٹے کرسپوس اور اپنی محبوبہ ملکہ فاستہ کو قتل کرادیا کہ ان کے متعلق اس کو سازش کا شبہ ہوگیا تھا۔ [۴۵]

اس موضوع پر مزید لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یورپ کا عام مذہب اگرچہ عیسائیت رہا مگر عیسائیت کے مختلف فرقوں میں اس کے علاوہ کلیسا اور قیصر کے پرستاروں میں جس طرح خونریزیاں ہوتی رہیں جن میں لاکھوں ہم مذہب ایک دوسرے کے ہاتھوں انتہائی سنگدلی اور وحشت و بربریت کے ساتھ قتل کیے گئے۔ سولی پر چڑھائے گئے، زندہ درگور کردیے گئے یا جلا دیے گئے۔ وہ تاریخ کی ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کو وہ بھی مانتے ہیں جو تاریخ مذاہب

سے زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے۔

مسٹر جے بی فرتھ فرماتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے بت پرستوں کے مظالم کی پوری سرگزشت میں ایک مثال بھی ایسے قتل عام کی نہیں ملتی جو فرانس میں ''مشنت بارتھولومیو'' کے دن اور جزیرہ صقلیہ میں عشاء مسیحی کی رسم کے موقع پر خود عیسائیوں کے ہاتھوں عیسائیوں کا ہوا۔ [۴۶]

یورپ اور ستم ایجاد سیاست:

جمہوریہ روما، جس کی بنیاد ولادت مسیح علیہ السلام سے پانچ سو نو سال [۴۷] پہلے ہوئی تھی۔ وہ یورپ کی سیاسی تاریخ کی پیشانی کا جھومر ہے جس پر یورپ کو ناز ہے۔ اس جمہوریہ کے اندرونی نظام کو مضبوط کرنے اور بیرونی حملوں سے تحفظ کے لیے بہت سے معرکے سر کرنے پڑے ان کا بیان طویل بھی ہے اور دور از کار بھی۔

آخری معرکہ کا نتیجہ یہ تھا کہ ولادت مسیح علیہ السلام سے ستاسی سال پہلے ''سولا'' کو ڈکٹیٹر مقرر کیا گیا۔ سولا نے فتح حاصل کرنے کے بعد دلجوئی کے بجائے مخالفین کا قتل عام شروع کر دیا۔ ہزاروں جانیں تلف ہوئیں۔ اس زمانہ سے ہر سیاسی اقتدار کے بعد قتل عام کا کھٹکا رہتا تھا۔ [۴۸]

ڈکٹیٹر شپ نے شاہنشاہیت کے لیے راہ ہموار کر دی۔ رومن قوم دیوتا پرست تھی شہنشاہوں نے ان دیوتاؤں میں اور اضافہ کر دیا۔ ہر شہنشاہ دیوتا مانا جانے لگا (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے) انہیں شہنشاہوں میں شہنشاہ آگسٹس تھا جس نے ۴۱ سال حکومت کی (۱۴ء میں اس کا انتقال ہوا)۔

انہی شاہنشاہوں کے دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مقدمہ چلایا گیا ججوں کے عدل و انصاف کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے ناکردہ گناہ، معصوم ومقدس کے لیے سولی کی سزا تجویز کر دی۔ فیصلہ تابع شہادت ہوتا ہے۔ اس کی ذمہ داری شاہدوں پر ڈالی جاسکتی ہے لیکن اس حادثہ سے تقریباً بیس سال بعد جب نیرو شہنشاہ روما کے دور حکومت میں پیروان عیسیٰ علیہ السلام کے مقدس اور سربرآوردہ اشخاص کو تہ تیغ کیا گیا [۴۹] تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس وقت کی سیاست ہی یہ تھی کہ جو بت پرستی اور شاہ پرستی

سے انکار کرے اس کو زندہ رہنے کا حق نہیں ہے۔

اس کے بعد جیسے جیسے عیسائیت پھیلتی رہی تو یاد ہو گیا۔ بڑا البتہ وہ تھا جو تثلیث پرست اور اسی بنا پر دیوتا پرستوں سے قریب تھا مگر ارباب اقتدار کی نظر میں وہ بھی مجرم تھا کیونکہ نہ وہ شہنشاہ کو دیوتا مانتا تھا نہ ان کے دیوتاؤں پر نذریں چڑھاتا تھا۔ لہٰذا:

''پہلے ان کو گرفتار کیا جاتا پھر ران کی رگ کاٹ کر لنگڑا کر دیا جاتا اور دائیں آنکھ گرم لوہے سے جلا دی جاتی اور اسی مجروح حالت میں ان کے گروہ مصر میں سنگ سماق کی کانوں پر یا فیناوس واقع فلسطین میں تانبے کی کانوں پر مشقت کے لیے بھیج دیے جاتے۔''[۵۰]

جے ڈبلیو چارلس لکھتے ہیں:

''ڈبو دینے یا سر کو تن سے جدا کرنے کی سزا جس کو ملتی تھی گویا اس پر بہت مہربانی کی جاتی تھی۔ کچھ ایسا جنون سوار تھا کہ مرنے کے بعد بھی قانون اپنا عمل کیا کرتا تھا۔ لاش کو کتوں کے سامنے ڈلوا دینا اس کی بوٹیاں کاٹ کر ریزہ ریزہ کر کے سمندر میں پھینکوا دینا یا جلا کر اس کی راکھ پھینکوا دینی غیر معمولی بات نہ سمجھی جاتی تھی۔''

وہ حاکم نہایت رحم دل سمجھا جاتا تھا جو مقتول کے عزیزوں کو اس کی لاش اُٹھانے دیتا تھا کہ وہ اس کو قبر میں دفن کر دیں۔

ایفراء نامی ایک عورت تھی، وہ عیسائی ہوگئی تو اس کو موت کی سزا دی گئی، اس کی ماں اور اس کے تین ملازموں نے اس کو دفن کر دیا۔ حاکم کو خبر ہوئی تو اس نے ان چاروں کو قبر میں بند کر دیا اور حکم دیا کہ قبر کے چاروں طرف آگ جلا کر لاش کے ساتھ ان چاروں کو زندہ جلا دیا جائے۔[۵۱]

یہ ستم شعار بت پرست یورپین اور ان کے جبر و قہر کا تختۂ مشق بننے والے بھی یورپین پھر یہ ستم شعاری صرف عیسائیوں کے ساتھ نہیں بلکہ ہر اس شخص کے ساتھ تھی جو ان کے دیوتاؤں کی پوجا پاٹ نہیں کرتا۔ چنانچہ کچھ لوگ مذہب مانو یہ کے پیرو ہو گئے تھے یہ مذہب ایران میں پیدا

ہوا تھا۔

"ڈائیوک لیشن" نے اس دین کے اکابر کی نسبت حکم دیا کہ وہ زندہ جلا دیے جائیں اور ان کے مقلدین اگر اس دین کو نہ چھوڑیں تو ان کی جائدادیں ضبط اور ان کو تہ تیغ کر دیا جائے۔[۵۲]

> "دلیل یہ تھی کہ یہ فرقہ دشمن کی ایجاد ہے مگر یہ دلیل جس طرح مانویہ کے مقابلہ میں استعمال کی گئی ایسے ہی نصرانیت کے مقابلہ میں بھی پیش ہوئی اور جب نصرانیت کو عروج ہوا تو نصرانیت نے بھی اس دلیل کو اہل بدعت کے مقابلہ میں جو خود عیسائیوں میں پیدا ہوئے تھے، استعمال کیا۔[۵۳]
>
> ایک فرمان جو شارع عام پر چسپاں کرایا گیا تھا ایک عیسائی نے اس کو نوچ لیا اس عیسائی کو اسی وقت گرفتار کر لیا گیا۔ پہلے شکنجہ میں کسا گیا پھر ایک آہنی سلاخ سے باندھ کر اس کو زندہ جلا دیا گیا۔[۵۴]
>
> فریجیا (علاقہ آرمینیا کی ایک بستی) کے باشندے عیسائی ہو گئے۔ فوج وہاں پہنچی تو انہوں نے ایک گرجا میں پناہ لی۔ فوج نے چاروں طرف سے گرجا کو گھیر کر آگ لگا دی جتنے آدمی گرجا میں تھے سب جل کر خاک ہو گئے۔[۵۵]

یہ بت پرستوں کی سیاست تھی۔ عیسائیوں کے مقابلہ میں قسطنطین اعظم کے دور تک یہ سیاست کارفرما رہی لیکن ۳۰۵ء میں قسطنطین نے عیسائیوں کو پناہ دے دی پھر خود بھی عیسائی ہو گیا تو بت پرستوں کی چیرہ دستی ختم ہو گئی لیکن خود عیسائی متفرق فرقوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے رقیب بن گئے اور بقول جان لی فرتھ ہر فرقہ نے دوسرے کے ساتھ وہی کیا جو بت پرستوں نے ان کے ساتھ کیا تھا۔[۵۶]

یہ سب واقعات اس دور کے ہیں جس کو یورپ کا روشن دور کہا جاتا ہے۔ چوتھی صدی عیسوی کے بعد وہ دور شروع ہوتا ہے جس کو تاریک دور کہا جاتا ہے۔ اس دور کے وحشت ناک

مظالم بیان کرنے اس لیے غیر ضروری ہیں کہ خود اس دور کو دور بربریت اور وحشت تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس دور کے واقعات [۵۷] کو نظر انداز کر دیجیے۔ سولہویں صدی کے واقعات پر نظر ڈالیے۔ اے ایچ جانسن لویوفرماتے ہیں:

''سینٹ بارتہولو یو کا قتل عام ۲۴ اگست ۱۵۷۲ء کو ہوا۔ مقتولین کی تعداد میں بے حد اختلاف ہے لیکن کم سے کم تخمینہ کے بموجب پیرس میں ایک ہزار اور دیگر مقامات میں دس ہزار آدمیوں کو تلوار کے گھاٹ اُتارا گیا۔'' [۵۸]

جان پی فرتھ فرماتے ہیں:

''یاد رکھنا چاہیے کہ بت پرستوں کے مظالم کی پوری سرگزشت میں ایک مثال بھی ایسے قتل عام کی نہیں ملتی جو فرانس میں سینٹ بارتہولو یو کے دن اور جزیرہ صقلیہ میں عشاء مسیحی کی رسم کے موقع پر خود عیسائیوں کے ہاتھوں عیسائیوں کا ہوا۔ [۵۹]

چوتھی خانہ جنگی (فرانس کی) اگست ۱۵۷۲ء تا جون ۱۵۷۳ء صرف چند شہروں تک محدود رہی۔ لارڈ شیل کے محاصرہ میں بیس ہزار سے زائد جانیں تلف ہوئیں جن میں ممتاز افسروں کی تعداد تین ہزار سے اُوپر تھی۔ [۶۰]

پیرس یونیورسٹی جو اپنے پینسٹھ کالجوں کی وجہ سے اچھا خاصہ شہر بن گئی تھی اور خانقاہوں کے ساتھ مل کر شہر اور مضافات کے ایک حصہ کی مالک ہو گئی تھی وہ کیتھولک فرقہ کا مرکز تھی۔ [۶۱] کیتھولک جماعت الحاد کی سرکوبی کا مصمم ارادہ کر چکی تھی اور واقعہ یہ ہے کہ ۱۵۶۲ء میں جو لوگ جور و ظلم کا شکار ہوئے ان کی تعداد سینٹ برتہولو یو کے قتل عام سے زیادہ تھی۔ نام الحاد کا تھا مگر واقعہ یہ ہے کہ مذہب کے نام پر سیاسی اغراض کام کر رہی تھیں۔ ایک وینسین شاہد لکھتا ہے:

امراء نے اصلاح کو حرص و آز کے لیے اختیار کیا۔ متوسط طبقہ نے کلیسا
کی جائداد کے لیے اور ادنیٰ طبقات نے بہشت کے لیے۔[۶۲]

مقدس مذہبی عدالت یعنی (ان کوی زیشین):

اس عدالت کی ایک مجلس اعلیٰ ہوتی تھی جس میں قانونی مشیر اور علماء دین (راہب اور اسقف) شریک ہوتے تھے۔ اس کا صدر بادشاہ کا مقرر کردہ ہوتا تھا، اس کے ماتحت اور بھی عدالتیں ہوتی تھیں جن کی حفاظت مسلح پولیس سے کی جاتی تھی۔ تحقیقات راز میں رکھی جاتی تھیں اشخاص کو ترغیب و تحریص دلائی جاتی تھی یا دھمکیاں دے کر مجبور کیا جاتا تھا کہ اپنے دشمن اپنے دوست بلکہ اپنے عزیز و اقارب پر بھی لعنت ملامت کرتے رہیں۔ اسی طرح ایک نظام جاسوسی قائم کیا گیا تھا۔ ملزمین کو اقرار جرم پر مجبور کرنے کے لیے سخت سے سخت تکلیفیں دی جاتی تھیں، بے ضرر اور نا قابل اعتراض الفاظ اور عبارتوں میں باریکیاں پیدا کر کے اور جس طرح ممکن ہوتا کھینچ تان کر کے الحاد کے معنی نکال لیے جاتے تھے جس پر مال اور جائیداد ضبط کر لی جاتی۔ کفارہ دلوانے کے لیے قید کر دیتے تھے اور آخری سزا یہ ہوتی تھی کہ مذہبی عدالت سے سزائے موت کا حکم سنا دیا جاتا تھا۔ مجرم کو سرکاری حکام کے حوالہ کر دیا جاتا تھا وہ اس کو نذر آتش کر دیتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ کچھ سال ایسے گزرے کہ کوئی رسم اس وقت تک مکمل تصور نہیں کی جاتی تھی جب تک مذہبی عدالت سے کسی کو سزائے موت نہ دی جائے۔[۶۳]

یہ مقدس عدالت ان کے لیے قائم کی گئی تھی جو رومن کیتھولک مذہب سے کسی مسئلہ میں اختلاف رکھتے تھے۔ یہ لوگ خارجی کہلاتے تھے اور انواع و اقسام کے مظالم ان کے ساتھ جائز رکھے جاتے تھے۔ اندلس کے ملک میں یہ عدالت پہلے قسطنطنیہ میں ۱۳۹۰ء میں قائم ہوئی تھی لیکن ۱۴۹۰ء میں فرڈینیڈ اور رازبلہ نے اسے دوبارہ قائم کیا اور ۱۴۸۱ میں تقریباً تین ہزار آدمی جلا دیے گئے اور سترہ ہزار کو مختلف سزائیں ملیں۔[۶۴]

ممنوعہ کتب پر سزائے موت:

فلپ نے نیدرلینڈز سے ایک قانون منظور کرا کر شائع کیا جس میں ممنوعہ کتب کی خرید و

فروخت اوران کے مطالعہ کرنے والے کی سزا موت قرار دی گئی اور اس قانون کی تجدید کی گئی کہ الزام دہندہ کو مجرم کی جائیداد کا چوتھائی حصہ دیا جائے گا۔[۶۵] آلوا (ایک فرمان روا) فخر کیا کرتا تھا کہ اس کی حکومت کے زمانہ میں اٹھارہ ہزار چھ سو آدمی قتل کیے گئے۔[۶۶]

دورِ ظلمت:

(از منہ وسطیٰ) ختم ہو کر دورترقی شروع ہوا۔ اس کا پہلا کارنامہ تھا۔ اُندلس میں مسلمانوں کا قتل عام۔ مسٹر جانسن کا بیان ہے:

> ''وعدے اور قدیم عہد و پیمان توڑ دیے گئے۔ قرآن شریف کے نسخے اور دوسری دینی کتابیں جمع کر کے نذر آتش کی گئیں۔ تبدیل مذہب کے لیے وحشت اور خوف کے جذبات سے کام لیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۵۰۰ء اور ۱۵۰۱ دو سال بغاوتوں کا سلسلہ قائم رہا۔ بالآخر بغاوت کو پورے پورے طور سے دبا دینے کے بعد یہ نادری حکم شائع ہوا کہ بدقسمت مسلمان یا تو دین مسیحی قبول کریں یا نکل جائیں۔''[۶۷]

یہ کتنے تھے؟ جو اس نادری حکم سے متاثر ہوئے۔ فرانسیسی مؤرخ موسیو لی بان کی تحقیق ہے۔ اُندلس میں تیس لاکھ عرب جان سے مارے گئے یا خارج کر دیے گئے۔[۶۸]

صلیبی لڑائیاں:

ان کی تفصیل بہت طویل ہے اور اس لیے غیر ضروری ہے کہ یہ لڑائیاں اس دور میں ہوئیں جس کو دور ظلمت مانا جاتا ہے۔ صرف ایک جھلک دکھانے کے لیے چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔ اے جے گرانٹ کا بیان ہے:

''۱۰۹۵ء میں پوپ اربن دوم نے ایک عظیم الشان مجلس کی۔ حاضرین کی تعداد اس قدر تھی کہ کسی ایک مکان میں ان سب کے لیے گنجائش نہیں نکل سکی۔ چند فروعی امور کے تصفیہ کے بعد پوپ نے مجمع کو مخاطب کیا اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی۔ اس نے معنی بدل کر انجیل کی ایک آیت پڑھی۔ اس قسم کی معنی آفرینیاں قرونِ وسطیٰ میں آئے دن ہوتی رہتی

تھیں۔ پادری نے آیت کا مطلب یہ بتایا ''جو اپنی صلیب نہیں اُٹھائے گا اور میرے ساتھ نہیں چلے گا وہ میرا پیرو نہیں ہے۔'' حاضرین میں اس سے ایک مجنونانہ جوش پیدا ہوگیا اور سب چلا اُٹھے، یہی خدا کی مرضی ہے، یہی خدا کی مرضی ہے سرخ صلیبیں اپنے سینوں پر لگا کر تمام لوگ اس مہم کے لیے تیار ہوگئے کیونکہ انہیں تائید آسمانی اور ہدایت خداوندی کا یقین ہوگیا تھا۔

اے جے گرانٹ فرماتے ہیں:

جو لوگ ابتداً اس جنگ میں شریک ہوئے ان کی نیک نیتی اور گرم جوشی میں کلام نہیں مگر آغاز تحریک کے بعد ہی اس خالص جذبہ مذہبی میں حرص، ہوا پرستی، خود غرضی، ظلم وستم، انتقام و منافرت اور قتال وخونریزی کے عفریت شامل ہوگئے۔ منافرت صرف مسلمانوں سے نہیں تھی بلکہ غریب یہودی بھی جو مغرب میں آباد تھے گرفتار مصائب ہوگئے۔ مالی نقصان کے علاوہ انہیں سخت جسمانی تکلیفیں بھی پہنچائی گئیں اور طرفہ تماشا یہ تھا کہ ان بدکرداریوں کے بانی وہ تھے جو اس سرزمین کو آزاد کرانے جارہے تھے جہاں مسیح نے تمام بنی آدم کے لیے اپنی جان دی (علیہ السلام) ص ۳۵۵ تقریباً دس لاکھ آدمی ایشیا کو چک پہنچے۔ یہاں انہوں نے کل باشندوں کے مقابل میں مسلمان ہوں یا عیسائی اس قسم کے وحشیانہ افعال شروع کردیے جن کی توجیہ بجز اس کے کچھ نہیں ہوسکتی کہ وہ بالکل اپنے حواس میں نہ تھے۔

''این کامنین'' شہنشاہ قسطنطنیہ کی لڑکی بیان کرتی ہیں کہ ان کا ایک شغل یہ تھا کہ جو بچہ ان کے سامنے آتا...... اس کی تکا بوٹی کر کے آگ میں جلا دیتے (تمدن عرب ص ۲۹۶)

ان کی تمام فوج کشیوں میں صلیبوں کے افعال بالکل رذیل ترین اور احمق ترین وحشیوں جیسے تھے۔ ان کا برتاؤ شرکاء جنگ کے ساتھ، دشمنوں کے ساتھ، بے قصور رعایا کے ساتھ سپاہیوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ یکساں تھا یعنی وہ سب کو بلا امتیاز لوٹتے اور قتل کرتے تھے (تمدن عرب ص ۲۹۷)

حضرت سلیمان (علیہ السلام) کی قدیم ہیکل میں اس قدر خون بہا تھا کہ اس میں لاشیں صحن میں تیرتی تھیں۔ صلیبیوں نے اس ابتدائی قتل عام کو ناکافی سمجھ کر ایک مجلس منعقد کی جس میں قرار پایا کہ کل باشندگان بیت المقدس، مسلمان، یہودی اور غیر مقلد عیسائی تہ تیغ کردیے

جائیں۔ان کی تعداد تقریباً ساٹھ ہزار تھی۔اس قتل عام کا بازار آٹھ روز تک گرم رہا۔عورتیں، بچے، بوڑھے سب مارے گئے۔کوئی متنفس جان بر نہ ہوا۔صلیبی لڑائیوں میں وحشت و بربریت کی مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو تمدن عرب از موسیو لیبان از ص ۲۹۵ تا ص ۳۰۶۔ ۱۵ جولائی ۱۰۹۹ء کو ایک زبردست دھاوا کیا گیا۔اس مہم میں کامیابی ہوئی۔مسیحیوں کے تمام افعال ان کے انتہائی مذہبی جوش اور دشمنوں سے منافرت پر مبنی تھے۔دشمن کو قتل کرنا خدا کی عبادت کے مساوی تھا۔پوپ کو حسب ذیل تحریر بھیجی گئی۔''خدا ہمارے عجز وانکسار سے رام ہو گیا اور ہمارے عجز والحاح کے آٹھویں روز اس نے شہر کو دشمنوں سمیت ہمارے حوالہ کر دیا اور اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ جو دشمن وہاں موجود تھے ان کے ساتھ ہم نے کیا سلوک کیا تو اس قدر کہنا کافی ہے کہ جب ہمارے سپاہی حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے معبد میں داخل ہوئے تو ان کے گھوڑوں کے گھٹنوں تک مسلمانوں کا خون تھا۔ص ۲۵۴ (اس کے بعد)

ایک زبردست مسلمان بادشاہ سریر آرائے سلطنت ہوا جس نے اسلامی سلطنتوں کو متحد کر کے زیر نگیں کر لیا تھا۔یہ سلطان صلاح الدین ایوبی تھا جس کی جرأت، فراخ دلی اور انسانیت کے افسانے آج تک مشہور ہیں۔ان افسانوں میں ہر چند مبالغہ سے کام لیا گیا ہے مگر حقیقت سے دور نہیں۔''بحرہ تائی بے ایاس'' کے ساحل پر ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ٹمپلر اور نائٹ حقیقی صلیب کا ایک ٹکڑا لے کر مردانہ وار آگے بڑھے مگر صلاح الدین ایک بلائے بے درماں تھا اور اس کی فوج بھی زیادہ تھی اس لیے انہیں (عیسائیوں کو) سخت ناکامی ہوئی۔صلاح الدین اس کے بعد یروشلم کی طرف متوجہ ہوا اور اسے فتح کر لیا۔۱۱۸۷ء مگر سلطان مفتوحین کے ساتھ نہایت انسانیت سے پیش آیا (ص ۳۵۹) پادریوں اور پوپوں کی یہ روش ہو گئی تھی کہ جب کسی جنگ میں وہ شریک ہوتے اور انہیں امداد اور تقویت کی ضرورت ہوتی تو وہ اس کو صلیبی جنگ قرار دے دیتے تھے۔(ص ۳۶۴)

یورپ اور جذبہ استعمار اقوام عالم پر جابرانہ تسلط کا شوق:

پانچویں صدی عیسوی سے پندرہویں صدی تک تقریباً ایک ہزار سال جن کو زمانہ وسطی کہا جاتا ہے۔اگرچہ مشرق کے لیے کامیابی اور ترقی کا دور تھا مگر یورپ ظلم و جہالت کے اس

آسیب میں مبتلا تھا جس نے زندگی کو موت کا درجہ دے رکھا تھا۔ جس کا بڑا سبب کلیسا کا وہ نظام تھا جس کا ایک ہاتھ اصحاب اقتدار[۶۹] سے پنجہ کشی میں مصروف رہتا تھا اور دوسرا ہاتھ عوام کو تھپکنے میں کہ وہ جہالت کی نیند[۷۰] سوتے رہیں۔ ان کا کروٹ لینا گردن زدنی جرم ہوتا تھا (جیسا کہ باب اوّل میں تفصیل گزر چکی ہے)۔

اس ہزار سال میں ہزاروں بلکہ لاکھوں انسان ایسے ہوئے کہ انہوں نے کچھ کروٹ لی تو مقدس مذہبی عدالت کے فیصلہ یا کسی مذہبی صاحب اقتدار کے حکم سے ان کی گردنیں اُڑا دی گئیں۔ زندہ آگ میں جھونک دیے گئے، شکنجہ میں کس دیے گئے یا گوشت پوست پھاڑنے اور نوچنے کے لیے ان کو درندوں کے سامنے ڈال دیا گیا اور ایسا بھی ہوا کہ ان کی پوری پوری آبادیاں برباد کر دی گئیں لیکن پندرہویں صدی کی بیداری ایسی تھی کہ کلیسا اس پر قابو نہ پا سکا۔

سرزمین یورپ کو اغیار سے پاک کرنے، تنگنائے وطن سے باہر قدم نکال کر نو آبادیاں قائم کرنے اور دوسری قوموں کو زیرنگیں کرنے کے جذبات اس بیداری کا نتیجہ تھے۔

شاہ پرتگال (ہنری)[۷۱] نے تقریباً ۱۴۳۰ء میں ساگریز میں عظیم الشان رصدگاہ تعمیر کرائی۔ تاروں کی رفتار سے قوموں کے عروج و زوال کے آثار معلوم کرنا اس کا اہم مقصد تھا۔ اس نے جس طرح علم الافلاک حاصل کیا اسی طرح جغرافیہ کے مطالعہ میں بھی اپنی زندگی صرف کی ساتھ ساتھ اپنی قوم کے منچلے اشخاص کو پروانے دے دیے کہ افریقہ کے مغربی سواحل، ساحل ہندوستان اور اس سے آگے جزائر شرق الہند، چین کی سرزمین تک تمام علاقے اپنے قبضہ میں کرلیں اور پرتگال کی شاہنشاہیت کے قلعے تعمیر کر دیں۔ اسی جذبہ اور ذوق وشوق کا نتیجہ تھا کہ بورنیو سنیٹو اور سیڈیرا میں نو آبادیاں قائم کی گئیں۔ آزدرس، راس الجزائر وغیرہ دریافت کیا گیا اور افریقہ کے مغربی سواحل میں گھسنا شروع کر دیا گیا۔

۱۴۴۲ء میں ''پوپ مارٹن پنجم'' سے معاہدہ کر کے طے کر لیا گیا کہ افریقہ کے مغربی سواحل پر پرتگالیوں کو بلاشرکت غیرے دریافت وجستجو پھر بودوباش اور تجارت کا حق ہوگا۔ ساحل سے متصل جو جزیرے ہیں وہ ہسپانیہ کے قبضہ میں رہیں گے[۷۲]۔

نئی دنیا:

اس سے تقریباً پچاس سال بعد دو پرتگالیوں نے دو ہندوستان دریافت کر لیے ۱۴۹۲ء میں کولمبس نے ایک سرزمین کو ہندوستان سمجھا وہاں پرتگال کا جھنڈا گاڑ دیا لیکن وہ دراصل سرزمین تھی مگر بہرحال پرانی دنیا والوں کے لیے نئی دنیا تھی۔ اس کو نئی دنیا یا سرخ ہندوستان کا نام دیا گیا جو بعد میں امریکہ ہو گیا۔[۳]

ساحل کے قریب جنگلات یا پہاڑوں میں رہنے والے قدرتی طور پر پسماندہ ہوتے ہیں۔ ان کا تمدن پست اور وحشیانہ ہوتا ہے۔ امریکہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھا چنانچہ ایسے قبائل بھی تھے جن کی پوشاک جانوروں کی کھال تھی اور ان کے زیور پروں کے ہار تھے۔[۴]

لیکن وسطی امریکہ، میکسیکو اور پیرو میں شہر اور قصبے آباد تھے جہاں پتھر کی عمارتیں تھیں۔ ان پر نقوش کندہ تھے اور پچی کاری کا کام تھا۔ وہاں عیش وعشرت کے سامان تعیش کے درجہ تک پہنچے ہوئے تھے۔[۵]

وہ بہت سی زبانیں بولتے تھے اندازاً چار سو اور کم سے کم ایک سو چھبیس زبانیں بولتے تھے۔

اہل یورپ کی یورش نئی دنیا پر اور اس کا مقصد:

نئی دنیا کا پتہ چلا تو یورپ کا ہر ایک ملک اس طرف لپکا اور جس کنارے جس کا جہاز پہنچ گیا وہاں اس نے اپنے ملک کا جھنڈا گاڑ دیا۔ پوپ الیگزانڈر ششم نے اپنے مشہور فرمان مورخہ ۳، ۴ مئی ۱۴۹۳ء میں بحراوقیانوس کو ایک شاندار خط سے تقسیم کیا جس کی جانب شرق کی تمام غیر عیسائی سلطنتوں کو پرتگال کو دے دیا اور جانب غرب کی دنیا کو اسپین کے لیے نامزد کر دیا۔[۶]

یہ یورش کیوں تھی، کسی اصلاح کے لیے؟ انسانیت وشرافت پھیلانے کے لیے؟ کوئی آسمانی پیغام پہنچانے کے لیے؟ دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے؟ ہرگز نہیں، بالکل نہیں یہ یورش کرنے والے ان سب کاموں سے نا آشنا تھے؟

"صوبوں کو تلوار کے زور سے حاصل کرنا، کسی سلطنت کے مال کو لوٹ کر آپس میں تقسیم کر لینا، کسی قدیم ہندوستانی خاندان کی فراہم شدہ دولت کو چھین لینا، یہی معمولی خواب تھا جس کو اسپین (یورپ) کا ہر باشندہ دیکھ کر محظوظ ہوتا تھا۔ [۷۷]

(ایلانسو نینو اور کرسٹابل گیرا۔ اگر چہ ان کی دریافتیں کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھیں مگر وہ موتیوں اور سونے کی اتنی مقدار اپنے گھر لے گئے کہ ان کے ہم وطن ایسی ہی مہمات میں شرکت کے لیے بے چین ہو گئے۔ [۷۸]

دولت کی ہوس بھی ان کے لیے ہمت افزا ثابت ہوئی۔ ابتدائی تحقیق کنندگان کے مذہب میں خدا اور طلا میں کوئی فرق نہیں تھا۔ [۷۹]

انگریز شرفاء کے لڑکے رضا کاروں کی طرح بھرتی ہوئے۔ سو آدمی ایک نو آبادی قائم کرنے کے لیے منتخب کیے گئے۔ ان کے نزدیک اگر چہ وہاں کوئی درخت یا جھاڑی نظر نہ آتی تھی لیکن سونا بافراط تھا اور یہ بھی کانوں میں پوشیدہ نہ تھا بلکہ سطح زمین پر بکھرا پڑا تھا۔ [۸۰]

استحصال بالجبر اور وحشت ناک سفاکی:

وحشی لوگ (امریکہ کے قدیم باشندے) اپنے مہمانوں (فرنگیوں) سے زیادہ خلیق تھے۔ ایک نوجوان ملاح جو تقریباً ڈوب چکا تھا وحشیوں کی خوش اخلاقی کے باعث جانبر ہوا لیکن ان مسافروں نے ایک بچہ کو اس کی ماں کی گود سے چھین لیا اور ایک نوجوان عورت کو بھگا لے جانے کا قصد کیا۔ [۸۱]

اب تک اس نواح کے دیسی لوگ فرنگیوں سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں پاتے تھے۔ لہٰذا ان کو جہاز دیکھنے کے لیے بلایا گیا۔ وہ خوشی خوشی آئے اور ان سے جہازوں کے تختے پر ہو گئے۔ فوراً ہی لنگر اُٹھا دیا گیا، بادبان کھول دیے گئے اور "سانٹو ڈومنگو" کی طرف چل دیے۔ شوہر اپنی بیویوں سے اور بچے اپنے ماں باپ سے جدا ہو گئے۔ [۸۲]

ہسپانیہ والے میدان میں رہتے رہتے گھبرا گئے تھے۔ انہوں نے ایک قصبہ پر قبضہ کرنا چاہا۔ قصبہ والوں نے مقابلہ کیا تو تمام قصبہ کو جلا کر خاک کر دیا اور دو ہزار پانسو ہندوستانیوں (امریکہ کے قدیم باشندوں) کو تہ تیغ کیا، جلا دیا یا دھوئیں سے دم گھونٹ دیا۔ [۸۳]

اب جاہ طلبوں کا وحشیانہ کوچ شروع ہوا۔ جن جن چیزوں کی ضرورت محسوس ہوئی وہ سب ساتھ لیں۔ قیدیوں کے لیے بیڑیاں اور بھٹی کے لیے ضروری سامان سب مہیا کر لیا تھا اور خونخوار کتے بھی دیسیوں کو ہلاک کرنے کے لیے ساتھ تھے۔ [۸۴]

اٹاہولپا (پیرو اور کیوٹو کا بادشاہ) جس کو دھوکہ دے کر بلایا گیا تھا۔ جب اس نے دیکھ لیا کہ وہ قید کر لیا گیا ہے تو اس نے ہسپانیوں سے کہا کہ جس کمرہ میں وہ قید ہے وہ اس کو سونے سے بھر سکتا ہے بشرطیکہ اس کو رہا کر دیا جائے۔ پرازو (حملہ آور حکمران) نے وعدہ کیا کہ وہ چھوڑ دیا جائے گا اگر اس قدر رفدیہ ادا کر دے۔ چنانچہ اس نے اعیان سلطنت کو حکم دیا اور دو چار روز کے اندر یہ کمرہ جو بائیس فٹ طویل اور سولہ فٹ عریض تھا، سونے کے برتنوں سے بھر دیا گیا۔ وعدہ پورا کرنے کے بعد بادشاہ نے رہائی کی درخواست کی لیکن مکار پرازو نے وعدہ پورا کرنے کے بجائے اس کی زندگی کا خاتمہ کرنا چاہا۔ چنانچہ اس نے اپنے دو تین ماتحتوں کو جج بنا کر مقدمہ پیش کرایا، نتیجہ ظاہر تھا، سزائے موت کا حکم دیا گیا۔ جب اس نے دیکھ لیا کہ موت سے چھٹکارا نہیں ہے تو یہ التجا کی کہ آگ سے رفتہ رفتہ جلانے کے بجائے تلوار سے اس کا سر کاٹ دیا جائے۔ اس کو یہ جواب دیا گیا کہ اگر وہ عیسائی ہو جائے تو اس کے ساتھ یہ نرمی روا رکھی جا سکتی ہے۔ چنانچہ وہ اس مصیبت سے بچنے کے لیے عیسائی ہو گیا اور اس کو تلوار کے ذریعہ موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ [۸۵]

اس میں شک نہیں کہ ہندوستانیوں (امریکہ کے قدیم باشندوں) اور اہل یورپ دونوں کو مساوی حق تھا کہ اس براعظم میں آباد ہوں اور زندگی بسر کریں اہل یورپ نے ہر طریقہ سے ہندوستانیوں کو دھوکا دیا۔ ان سے کذب و دروغ کے ساتھ کام لیا، ان کو لوٹا کھسوٹا، ان کو غلام بنایا اور نشہ کے ساتھ زہریلے سفوف پلائے۔ ''قران ٹی نیک'' نے ۱۶۹۲ء میں تمام قیدیوں کو جلا دیا۔ ولیم پین کے پوتے نے ۱۷۶۴ء میں ہندوستانیوں کی کھال کھینچنے پر انعامات مقرر کیے۔

ہندوستانی عورت کی کھال کھینچنے کے لیے پچاس شلنگ اور ہندوستانی لڑکے کی کھال کھینچنے کے لیے جس کی عمر دس سال سے کم ہو، ایک سو تیس شلنگ مقرر تھے۔ اہل یورپ کے لیے یہ ایک معمولی بات تھی کہ وہ اپنے قیدیوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ [٨٦]

انہوں نے تمام ہندوستانیوں کو صفحہ روزگار سے بالکل نیست و نابود کر دیا۔ [٨٧]

یہ اندازہ کرنا کہ شہر میکسیکو کے محاصرہ میں کتنے آدمی قتل و غارت ہوئے، مشکل ہے۔ کم از کم ایک لاکھ بیس ہزار اور زیادہ سے زیادہ دو لاکھ چالیس ہزار کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ [٨٨]

اے جے گرانٹ مصنف تاریخ یورپ کا ارشاد ہے:

> ”پرانی دنیا کا جو اثر نئی دنیا پر ہوا ایسا مضمون ہے جس کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے مگر تاریخ میں اس سے زیادہ دردناک حادثہ کوئی نہیں ہے۔ امریکہ میں بہت سی قومیں تھیں جن کے خاص خاص محاسن تھے ان میں سے بعض اعلیٰ درجہ کا تمدن رکھتی تھیں۔ مگر یہ سب کی سب تباہ ہو گئیں۔ یورپ کی تلوار اور بیماریوں نے لاکھوں کا خاتمہ کر دیا اور بقیۃ السیف ذلت و خواری کی زندگی بسر کرنے لگے۔ [٨٩]

دوسرا دریافت کنندہ واسکوڈی گاما:

کولمبس، اس کے رفقاء اور اس کے نقش قدم پر دوڑنے والے اہل یورپ اور ان کے خون ریز و وحشت آلود کارناموں کا مختصر تذکرہ یہ تھا جو سطور بالا میں پیش کیا گیا:

بطور مشتے نمونہ از خروارے

یادش بخیر۔ دوسرے پرتگالی ”واسکوڈی گاما“ تھے جو سفر کولمبس کی تاریخ سے تقریباً چھ سال بعد روانہ ہوئے اور ”راس امید“ کا چکر کاٹتے ہوئے ایک عرب [٩٠] ملاح کی مدد سے ١٤٩٨ء میں اصل ہندوستان کے ساحلی مقام ”کالی کٹ“ پہنچے۔ یہاں کے مہاراجہ ”زمورین“ نے اس پرتگالی امیر البحر کا بڑے اعزاز سے استقبال کیا اور اس کو اپنی مملکت میں تجارت کرنے کے حقوق عطا کر دیے۔ [٩١]

یہ سمندر اور ساحل جن کا پتہ یورپ کو آج چلا تھا، عرب نہ صرف اس سے واقف تھے بلکہ

نامعلوم[۹۲] زمانہ سے ان کے جہازوں کی جولا نگاہ یہی سمندر تھا اور اس کے ساحلی علاقے ان کی تجارت کا مرکز تھے۔[۹۳]

جنوبی ہند کے راجاؤں نے عربوں سے تجارتی تعلقات رکھنے کے لیے انہیں ہر قسم کی مراعات دے رکھی تھیں۔[۹۴] ان عربوں کا راجاؤں کے دربار میں خاص اقتدار تھا۔[۹۵]

''ہندوستان سونے کی چڑیا ہے'' اس شہر نے کولمبس کو سمندر کی موجوں میں تڑپایا اور وہ ہندوستان کی بجائے نئی دنیا (امریکہ) جا پہنچا۔ وہاں اس کو ہندوستان بے شک نہیں ملا لیکن سونے اور جواہرات کے انبار لوٹنے کے لیے اور لاکھوں انسان ظلم و ستم کی مشق کرنے کے لیے اس کے اہل وطن کو مل گئے۔ تمنائیں پوری ہو گئیں۔

سونے کی چڑیا پھر بھی نایاب رہی۔ واسکوڈے گاما اس کے خیاباں تک پہنچ گیا لیکن خالی ہاتھ واپس ہوا۔ کالی کٹ کے مہاراجہ نے اس کے اعزاز میں بہت کچھ کیا مگر اس کو اعزاز کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کو آزادانہ لوٹ مار کی ضرورت تھی جس سے وہ اپنے حرص و طمع کے تنور کو آتش فشاں کر سکتا اس کو اس کا موقع میسر نہ آیا۔

ایک اور نظارہ نے اس کی آنکھوں کو خون آلود کر دیا۔ وہی عرب جس کو یورپ سے نکالا جا رہا تھا جن کے قتل عام سے اُندلس میں خون کی ندیاں بہائی جا رہی تھیں اس سے زیادہ افسوسناک اور اشتعال انگیز منظر کیا ہو سکتا تھا کہ وہی عرب یہاں موجود تھے اور ایسے با اثر اور ایسے بارُسوخ کہ راجہ مہاراجہ بھی ان کا احترام کرتے تھے۔ تبلیغ اسلام کی ان کو عام اجازت تھی۔ بے شمار ہندو اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو چکے تھے اور طرفہ تماشا یہ تھا کہ تبدیلی مذہب کے بعد ان سے نہایت اچھا سلوک کیا جاتا تھا۔ ہندو راجہ اپنی نو مسلم رعایا پر کسی قسم کی سختی یا جبر نہیں کرتے تھے۔[۹۶] سمجھتے تھے کہ اچھا راستہ انہوں نے اختیار کیا۔

مالا بار کی پوری پچاس بندرگاہوں میں ان کا کاروبار پھیلا ہوا تھا اور عرب و مصر کے تاجروں نے ان سب بندرگاہوں کا اجارہ سا لے رکھا تھا۔[۹۷]

واسکوڈی گاما واپس پہنچا۔ پرتگال میں اس کا شاہانہ استقبال کیا گیا مگر ایک طرف بے شمار دولت کی تفصیل دوسری طرف واسکوڈی گاما کے خالی ہاتھ لوٹنے کی وجوہات اہل پرتگال کو

معلوم ہوئیں تو حرص وطمع اور غیض وغضب کے ملے جلے جذبات بھڑکنے لگے۔ شاہ پرتگال نے سربراہی منظور کی اور تیرہ جہازوں کا بیڑا فوجی جرنیل ''کاربل'' کی سرکردگی میں روانہ کر دیا۔ جازوں پر بارہ سو بحری سپاہی تھے جن پر سات آٹھ پادریوں کا سایہ تھا اور ان کو حکم دے دیا گیا تھا جو ان کا خیر مقدم کرنے کو تیار نہ ہو اس کو آتش وتیغ کے سپرد کر دیا جائے۔ [۹۸]

یہ بیڑا ۱۳ستمبر ۱۵۰۰ء کو کالی کٹ کے قریب لنگر انداز ہوا، واسکوڈی گاما جو یرغمالین اپنے ساتھ لے گیا تھا وہ شاہ زمورین کی خدمت میں واپس کیے۔ زمورین نے بڑے اعزاز سے اس کا خیر مقدم کیا اور اس کو ایک تجارت گاہ قائم کرنے کی اجازت دے دی۔ [۹۹]

اس اعزاز کے باوجود خاطر خواہ کامیابی اس کو میسر نہ آئی کہتے ہیں کہ کاربل کو تجارتی مال ہی نہ ملا۔ لوگوں نے اس کو تاجر نہیں بلکہ قزاق سمجھا تو اس نے اوّل مسلمانوں کے تجارتی جہازوں کو لوٹا کھسوٹا، ان کو آگ لگائی پھر شہر کالی کٹ پر خوب گولہ باری [۱۰۰] کی (جو شہرت تھی اس کو صحیح ثابت کر دیا)۔

اب شاہ پرتگال نئے عزم کے ساتھ کارفرما ہوا اس نے پاپائے روما سے ان تمام مشرقی ممالک کی سلطنت کا اجازت نامہ حاصل کر کے جن کا پتہ پرتگالی بیڑہ لگائے اور شہنشاہ تجارت و فتوحات و جہازرانی عرب و ہندوستان کا لقب اختیار کیا۔ اس شہنشاہ نے ادھورے کام کو پورا کرنے کے لیے پندرہ جہازوں کا ایک مسلح بیڑہ واسکوڈی گاما کی ناخدائی میں روانہ کر دیا جو ۱۵۰۲ء (یعنی جس سال اندلس سے عربوں کا اخراج مکمل ہوا) کالی کٹ پہنچا اور اس توہین کی تلافی کا مطالبہ کیا جو کاربل کے ساتھ روا رکھی گئی تھی اور جب انکار کیا گیا تو اس نے شہر کالی کٹ پر گولہ باری کی اور اس کو آگ لگا دی۔ [۱۰۱]

بہرطور ۱۵۰۰ء میں پرتگال والوں کی پہلی تجارتی کوٹھی کالی کٹ میں قائم ہوئی۔ ۱۵۰۶ء میں انہوں نے گوا پر قبضہ کر لیا۔ ۱۵۱۰ء میں کالی کٹ کو لوٹ کر تباہ کرتے ہوئے راجہ کے محل کو جلا دیا۔ ایک صدی کے اندر اندر ان کی کوٹھیاں کوڑیال بندر (منگلور) کوچین سیلون آرمز ڈیو۔ گوا اور ناگ پٹن (ناگور) ضلع مغربی ارکاٹ میں قائم ہوگئیں۔ [۱۰۲]

''البوقرق'' گوا کا دوسرا گورنر تھا۔ اس نے مجمع الجزائر ملایا کے بعد صوبجات تک قدم

بڑھا لیے اور اپنے تجارتی کاروبار کو سماٹرا، جاوا اور سیام تک پہنچا دیا۔[۱۰۳]

پرتگال اور ہسپانیہ کی روز افزوں دولت کو دیکھتے ہوئے یورپ کی تمام قومیں امریکہ اور ہندوستان پر ٹوٹ پڑیں۔ ڈین، ولندیز، انگریز، فرانسیسی اور جرمن اس تگ و دو میں شامل تھے۔ اس کے بعد لرزہ خیز مظالم کی ایک طویل داستان ہے جو ستم اہل یورپ نے امریکہ کے باشندگان قدیم پر کیے تھے ان سے کہیں زیادہ مظالم ساحل جنوبی ہند کے باشندوں پر کیے گئے۔[۱۰۴]

ان ستم شعار بندگان حرص و طمع کی نظر میں ہندو مسلمان کا کوئی فرق نہیں تھا۔ انہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں پر جو ظلم کیے ان کی ادنیٰ مثال یہ ہے۔ سیاح فریزر کہتا ہے:

> ''میں صبح ہی صبح اس مقام پر پہنچا جو پرتگالی پادریوں کا دارالقضاء کہلاتا ہے۔ اس دارالقضاء کو مقتل کہا جائے تو بالکل مناسب ہوگا۔ بازار کے بیچ میں ایک بہت بھاری اور بڑا انجن سولی کی طرح کھڑا کیا گیا تھا جس پر ایک چرخ لگا ہوا تھا۔ انجن پر پہنچنے کے لیے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں جس کو سزا دینی ہوتی تھی اس کو شہتیر پر چڑھا کر چرخ (کرین) کے ذریعہ اوپر کھینچ لیتے تھے پھر وہاں سے اس کو گرا دیتے تھے جس کے صدمہ سے اس کی ہڈیاں چور چور ہو جاتی تھیں، اس کے علاوہ پادری جس کو آگ میں جلانے کا حکم دیتے تھے اس کو ایک قسم کا لباس پہنا کر جلادوں کے حوالہ کیا جاتا تھا جو انہیں لے جا کر آگ میں زندہ ڈال دیتے تھے۔''

بازار میں سوائے سور کے اور کوئی گوشت فروخت کرنا ممنوع تھا، ہندو اور مسلمان دونوں اس ظلم کو سہہ رہے تھے۔[۱۰۵]

(کتاب تحفۃ المجاہدین میں پرتگالیوں کے ظلم و ستم کی پوری تاریخ دی گئی ہے)

سمندروں کا امن تباہ:

جو پیشہ ور اور کبھی سیاسی جنگ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے بھی پہلے (رومی ..

جمہوریت کے دور سے) یورپ کے سمندروں میں قزاقی کیا کرتے تھے[۱۰۶] اور اب ان کے اخلاف اور جانشین یہی خدمت پوری سنگدلی سے انجام دے رہے تھے۔ ''واسکوڈی گاما'' نے ان کو ہندوستان کا راستہ بتایا تو ان کے جہاز پوری سرگرمی سے بحر ہند، بحر عرب اور مشرق کے سمندروں میں تاخت وتاراج کرنے لگے۔ بقول پروفیسر باری:

> ''پرتگیزی اپنے ظلم وستم میں سمندر کے چنگیزی تھے۔ کالی کٹ کے باشندوں پر ظلم توڑنے کے علاوہ حاجیوں کے جہازوں کو لوٹتے اور زائروں کو قتل کرتے۔ گجرات کا بادشاہ بحری لڑائیوں میں انہیں شکست نہ دے سکا۔ پرتگیزیوں نے ہندوستان میں بے پناہ مظالم کیے۔ لاوارث بچوں کو جبراً عیسائی بنالیا جاتا تھا۔ ان مظالم کی وجہ سے گوا ایک نصرانی شہر بن گیا۔ ہندوستان کے ساحل پر پرتگیزوں نے قیامت برپا کررکھی تھی۔ غلط ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے آتشیں اسلحہ پانی پت کی پہلی جنگ میں استعمال کیا گیا۔ البوکریک (البوقرق) کالی کٹ میں نار وآتش سے کھیل چکا تھا۔''[۱۰۷]
>
> تاجروں کے جہازی قافلے ایک دوسرے کو لوٹ لینا تجارت خیال کرتے تھے۔[۱۰۸]

پرتگالی، انڈونیشیا کے شہر ملکا میں داخل ہوئے تین دن تک قتل وغارت کیا سارے شہر کو تاراج کردیا، مال ومتاع جس قدر ہاتھ لگا سب لے گئے۔[۱۰۹]

عربوں پر ماتم:

جائے ماتم ہے کہ وہ عرب جو بقول ''موسیولی بان'' بارود اور توپ کے موجد تھے[۱۱۰] ان پر ایسی غنودگی چھا گئی تھی کہ خود اپنی ایجاد سے وہ تہی دست تھے اور اس کے ذخیرے ان کے پاس تھے جو ان کا وجود صفحہ ہستی سے مٹا دینے پر تلے ہوئے تھے۔ یہ یورپ والے آتشیں اسلحہ کی بدولت ہی یہاں کے باشندوں پر فتح یاب ہوئے۔[۱۱۱]

الحاد اور لامذہبیت:

یہ درست ہے کہ سولہویں صدی میں یورپ خصوصاً فرانس بہت سخت خانہ جنگی میں مبتلا رہا۔ لاکھوں انسان قتل وغارت ہوئے مگر اس کا حقیقی سبب وہ بیداری تھی جس نے ایک طرف عوام کو اس سیاسی اور اقتصادی نظام سے بغاوت پر مشتعل کیا جس نے نیچے طبقے کے انسانوں کو ذلیل جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل زندگی پر مجبور کر رکھا تھا۔ دوسری طرف کلیسا کے ان فرسودہ عقائد سے مخالفت اور نفرت تھی جنہوں نے دماغوں کو ایسا منجمد کر دیا تھا کہ اصلاح کو بھی بدعت اور کفر وارتداد سمجھا جاتا تھا۔

''مارٹن لوتھر'' متوفی ١٥٤٦ء بانی فرقہ پروٹسٹنٹ۔ اس کے شاگرد رشید ''جان کالون'' متوفی ١٥٦٤ء بانی فرقہ کانونسٹ کی کوشش اس جمود کے خلاف تھیں جنہوں نے رومن کیتھولک کے مقابلہ پر مجالس مباحثہ ہی گرم نہیں کیں بلکہ وہ میدانِ کارگزار گرم کیے جن کو ہزاروں لاکھوں انسانوں کے تازہ خون کے فوارے بھی سرد نہ کر سکے۔

کشت وخون کے اس طوفان میں اس جماعت نے جنم لیا جس کا مذہب تھا۔ مذہب سے بیزاری، کفر، الحاد، انکار خدا۔ کلیسا نے اس کو وحشیانہ جبر وتشدد سے دبانا چاہا۔ اس کو جہنم رسید کرنے کے لیے بہت سے آگ کے جہنم تیار کیے گئے۔ اس جماعت کو اس میں جھونکا گیا مگر جتنا اس کو دبایا گیا یہ جماعت اتنی ہی اُبھری۔ اس کی قربانیاں اگرچہ خدا پرستی اور روحانیت کے لحاظ سے بے سود تھیں کیونکہ یہ قربانیاں نہ خدا پرستی کے لیے تھیں نہ روحانیت کے لیے بلکہ مادہ پرستی اور تردید روحانیت کے لیے تھیں مگر قربانیاں پھر بھی بے نتیجہ نہ رہیں۔ ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ انکار خدا اور مادہ پرستی ہی کو حقیقت سمجھا گیا۔ مذہب کا مذاق بنایا جانے لگا۔ دہریت کو روشن خیالی قرار دیا گیا اور ترقی پسندوں کا یہی فیشن ہو گیا۔

ترکوں کا زوال:

پندرہویں اور سولہویں صدی میں یورپین حکومتوں کی آپس کی رقابت اور کشمکش سے ترک فائدہ اُٹھاتے رہے۔ اس میں ان کی قوت کا راز مضمر تھا لیکن سترہویں صدی میں کچھ ترکی

سلطنت کی اندرونی خرابیوں نے اس کو یورپ کا مرد بیمار بنا دیا اور زیادہ تر یورپین حکومتوں کی رقابت نے یورپ کی حکومتیں اگرچہ آپس میں دست وگریباں تھیں لیکن ترکوں کے خلاف ان کا نقطہ نظر اوران کا عمل واحد تھا کہ اس مرد بیمار کا جنازہ نکال دیا جائے۔ وجہ یہ تھی کہ ترکی سلطنت کا زیادہ حصہ ایشیا میں تھا۔ اس وجہ سے وہ ایک ایشیائی مملکت سمجھی جاتی تھی کسی ایشیائی مملکت کا تسلط یورپ میں اہل یورپ کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ترکی جس کے جھنڈے سولہویں صدی کے شروع میں مراکو کے کوہ اطلس سے لے کر دہانہ دریائے فرات تک منبع دریائے نیل سے لے کر ورسٹا کے دروازوں تک اور عدن سے لے کر کوہ قاف کی چوٹیوں تک لہراتے تھے۔ [۱۱۲]

جس کی بحری قوت پورے یورپ پر بھاری تھی۔ ۱۵۷۱ء میں اس بحری بیڑے کو وینس کے مقابلہ میں لیپنٹو میں شکست ہوئی۔ [۱۱۳]

اوراس کا عروج تنزل سے بدل گیا۔ سترہویں صدی کے اواخر (۱۶۸۲ء) میں پورا ہنگری سلطنت عثمانیہ سے نکل گیا جس کا رقبہ ایک لاکھ سترہ ہزار چھ سو مربع میل اور آبادی تقریباً دو کروڑ تھی۔ [۱۱۴]

پھر صدی کے ختم ہونے تک پڈولیہ اور ٹرانسولیہ سے بھی ترکی اقتدار کا خاتمہ ہوگیا۔ [۱۱۵]

اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں یورپ میں ایک بھونچال آیا۔ اس کا مرکز اگرچہ فرانس تھا مگر یورپ کی ساری زمین اس سے دہل گئی۔ اس کے جھٹکے سمندر پار مصر تک پہنچے، یہ بھونچال تھا نپولین بوناپارٹ کا وجود اوراس کا عروج۔ انیسویں صدی کا آٹھواں حصہ بھی ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ یہ فاتح اعظم خود انقلاب کا شکار ہوگیا۔ برطانوی فوجوں نے اس کو گرفتار کر کے ''سینٹ ہلنا'' پہنچا دیا۔ جہاں ۱۸۱۵ء میں وہ اس جہاں سے رخصت ہوگیا۔

بوناپارٹ ختم ہوگیا مگر انقلاب آفریں اضطراب ختم نہیں ہوا وہ کروٹیں بدلتا ہوا کمیونزم کے دہانہ پر پہنچ گیا۔ انہیں کروٹوں میں ''منگلس'' نے جنم لیا جس نے انقلاب کا نقشہ تیار کیا جس میں لینن نے کامیابی کا رنگ بھرا۔

یورپ کے اندرونی سیاست کے پیچ وخم اور کش مکش میں عجیب بات یہ تھی کہ اگرچہ وہ خود

ایک بحران میں مبتلا تھا مگر اس بحران نے استعمار اور دوسری قوموں سے استحصال کے عمل میں فرق نہیں آنے دیا وہ دن بدن بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ بحران زدہ یورپ سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے پوری دنیا پر چھا گیا۔

ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے تجارت کے ساتھ حکومت کا لبادہ بھی اوڑھ لیا۔ وسط صدی (۱۸۵۷ء) میں جنگ پلاسی فیصلہ کن تھی جس نے بنگال اور بہار کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی گود میں ڈال دیا۔

میسور نے ایک بہادر فرزند پیدا کیا۔ ''سلطان ٹیپو'' جو برطانیہ عظمیٰ کے لیے دوسرا نپولین تھا مگر فرق یہ تھا کہ نپولین کو شکست ہوئی تو برطانیہ عظمیٰ کے کمانڈر یہ نہیں کہہ سکے کہ فرانس ہمارا ہے فرانس اہل فرانس کا رہا۔ صرف وہ چٹان ہٹ گئی جس نے کروٹیں لیتے ہوئے انقلاب کا راستہ روک دیا تھا۔

لیکن جب میسور کے اس شیر ببر سلطان ٹیپو کو شہید کر دیا گیا جس کا مقولہ یہ تھا[۱۱۶] کہ گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے۔'' تو برطانیہ جرنیل ''ہارس'' کا نعرہ یہ تھا کہ ''آج ہندوستان ہمارا ہے''۔[۱۱۷]

یہ تھا یورپ اور اس کی تاریخ کا ایک ورق۔ غور سے دیکھئے اور خوردبین لے کر دیکھئے کہیں انسانیت، شرافت اور روحانیت کا کوئی نشان نظر آتا ہے؟

تحریک شیخ الہند کی علت:

پھر غور فرمایئے وہ انسان جس نے انسانیت کو خیر باد نہ کہا ہو، جس کے دل میں نوع انسان کا درد ہو جو حق کو پسند کرتا ہو، انصاف کا حامی ہو، شرافت کی قدر کرتا ہو، رحم سے ناآشنا نہ ہو اس کا جذبہ ایسے ملک اور ایسی قوم کے متعلق کیا ہوگا۔ یہی جذبہ تحریک شیخ الہند کی علت اور اصل بنیاد ہے۔ مجھے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے استفادہ کی سعادت نصیب نہیں ہوئی لیکن حضرات اساتذہ کے حلقہ میں حضرت شیخ الہند کا یہ مقولہ مشہور تھا کہ فرنگی سے نفرت جزو ایمان ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

حضرات علماء کا احساس:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''معرفت خدا عز وجل برآں کس حرام است کو خود را۔ از کافر فرنگ بہتر داند (مکتوب ص نمبر ۲۶۱ ص ۳۰۵ نولکشوری)

ترجمہ: ''خدا شناسی اس شخص پر حرام ہے (اس کو کبھی میسر نہیں ہو سکتی) جو اپنے آپ کو ''کافر فرنگ'' سے بہتر جانے۔''

حضرت اولیاء اللہ کا اصول یہ ہے اپنے سے بدظن رہو دوسروں سے حسن ظن رکھو۔ مجدد صاحب کے اس فقرہ میں اسی اصول کی تشریح ہے کہ ایک خدا پرست خدا شناس عارف کو اپنے نفس سے یہاں تک بدظن رہنا چاہیے کہ اپنے آپ کو کسی سے حتیٰ کہ کافر فرنگ سے بھی بہتر نہ سمجھے جب تک خود پسندی کا غرور اس درجہ پامال نہیں ہوگا خدا شناسی میسر نہیں آئے گی۔

حضرت مجدد صاحب نے اپنے انداز میں اپنے ذہن کے مطابق یہ فقرہ تحریر فرما دیا مگر اس کا بین السطور یہ ہے کہ سب سے بدتر کافر فرنگ ہے اور یہ کہ اس کا بدترین ہونا اتنا معروف اور مشہور ہے کہ اس کی بدتری کو مثال میں پیش کیا جاتا ہے جس طرح بہادر کو شیر کہہ دیا جاتا ہے اور سخی کو حاتم، تو اگر کسی کو بدتر کافر کہنا ہو تو اس کے لیے لفظ کافر فرنگ کافی ہے۔

یہ بات کس دور کی ہے:

حضرت مجدد الف ثانی کا اسم گرامی ''احمد'' ہے۔ ولادت ۱۴ شوال ۹۷۱ھ اپریل ۱۵۶۴ء وفات ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ نومبر ۱۶۲۵ء۔

مختصر یہ کہ مغل اعظم شہنشاہ اکبر (متوفی ۱۰۱۴ھ) کی سلطنت عروج پر تھی۔ جب مجدد صاحب (مجدد الف ثانی رحمہ اللہ) کی اصلاحی خدمات کا سلسلہ شروع ہوا جو جہانگیر کی وفات (۱۰۳۷ھ/ ۱۶۲۷ء) سے تین سال پہلے تک رہا۔

مجدد صاحب رحمۃ اللہ کی پیدائش سے تقریباً چھیاسٹھ سال پہلے (۱۴۹۸ء میں) ''واسکوڈی گاما'' ہندوستان پہنچ چکا تھا۔ اس کی یہ پہنچ بحری قزاقوں کے لیے خوشخبری تھی۔ چنانچہ

ان کے بیڑے ساحلی علاقوں پر منڈلانے لگے اور جہاں ان کو موقع ملا نوآبادی قائم کر دی۔ گوا رومن کوچین ہگلی، چاٹگام وغیرہ میں ان کی آبادیاں ہوگئی تھیں۔ گولہ باری اور آتش فشانی کی جس دھوم دھام سے یہ آبادیاں قائم ہوئیں اور یورپ والوں کے پاؤں یہاں جمے۔ اس کا کچھ تذکرہ چند صفحات پر پہلے گزر چکا ہے۔

عام احساس نہیں تھا:

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ کالی کٹ، گوا وغیرہ میں جو مظالم اہل یورپ نے کیے تھے ہندوستان کے باشندوں کو ان کی خبر نہیں تھی، خبر ضرور تھی چنانچہ کافر فرنگ کا بدترین کافر ہونا عرف عام بن چکا تھا مگر اس کا احساس نہیں تھا کہ جس کی ابتدا یہ ہو اس کی انتہا کیا ہوگی کیونکہ:

> ''ہندوستان ایک ملک نہیں بلکہ ایک برصغیر تھا جو شمالی اور جنوبی ہند پر منقسم تھا پھر جنوبی ہند میں آٹھ سلطنتیں تھیں[۱۱۸]۔ بنگال ایک الگ خطہ تھا۔[۱۱۹]

بنگال سے کابل تک کا علاقہ اگرچہ مرکز دہلی سے وابستہ تھا مگر خود دہلی کی حالت غیر یقینی تھی۔

واسکوڈی گاما جب کالی کٹ پہنچا تو دہلی کا فرمانروا سلطان سکندر لودھی تھا۔ سکندر لودھی نے ۱۵۱۷ء میں وفات پائی اور اس کا بیٹا ابراہیم تخت نشین ہوا۔ وہ ایک کمزور حکمران تھا۔ اس لیے اس کے عہد میں ملک کا نظام کمزور ہوگیا۔ آخر کابل سے بابر آیا اور اس نے ابراہیم کے ساتھ لودھی خاندان کے اقتدار کو بھی صفحہ سیاست سے نابود کر دیا۔ (۹۳۳ھ/۱۵۲۶ء)

لودھی خاندان کا اقتدار ختم ہوا مگر اس کی قوم پٹھان کا وجود ختم نہیں ہوا بلکہ اس وجود میں ایک حرارت پیدا ہوگئی وہ تھی مغلوں کی رقابت۔

بابر کی زندگی نے وفا نہیں کی وہ صرف چار سال افغانستان و ہندوستان کا شہنشاہ رہا کہ پیغام اجل آ پہنچا (۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء ۹۳۷ھ)

اس کا بیٹا نصیر الدین ہمایوں جانشین ہوا وہ بہت بہادر اور باہمت تھا مگر شیر شاہ سوری کے جلال کا مقابلہ نہیں کر سکا اور ایران جا کر پناہ لی اور جب تک شیر شاہ کے بعد اس کا جانشین بھی ختم

نہیں ہو گیا وہ دہلی نہیں پہنچ سکا۔ تقریباً پچیس سال اسی میں بیت گئے۔ آخر ۱۵۵۵ء ۹۶۳ء میں ایرانی فوج کی مدد سے ہمایوں نے پھر تخت دہلی واپس لے لیا مگر تخت اس کے قدموں کے نیچے تھا اور موت سر پر۔ پورا سال بھی نہیں چھ مہینے ہوئے تھے وہ تاروں کی رفتار دیکھنے کے لیے منڈل پر چڑھا اُترتے ہوئے پیر پھسلا اور وہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

اب اکبر کا دور شروع ہوا جو اس صدی کے بعد بھی پانچ سال ۱۶۰۵ء (۱۰۱۴ھ) تک باقی رہا۔

بہرحال خطرات فرنگ خاطر میں نہ لاسکنے کا ایک سبب یہ انقسام وانتشار تھا یعنی جنوبی ہند منقسم تھا اور شمالی ہند منتشر اور غیر مطمئن۔

اکبر کے دور میں یعنی واسکوڈی گاما کے ہندوستان پہنچنے سے تقریباً ساٹھ سال بعد شمالی ہند کی یہ حالت نہیں رہی۔ اکبر نے سلطنت مغلیہ کو اتنا مستحکم کر دیا کہ تقریباً ڈھائی سو برس تک اس کی عظمت کے پرچم ہندوستان میں لہراتے رہے مگر

(۱) اکبر ہندوستانی بن چکا تھا۔ راجگانِ ہند کے رجحانات اس کا مزاج بن گئے تھے۔ راجگانِ ہند رام کے پرستار تھے ان کو راون کے پرستاروں (جنوب کے ہندوؤں) سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ممکن ہے وہ ان کی تباہی سے خوش ہوتے ہوں۔ اکبر کا بھی یہی مزاج تھا چنانچہ وہ ان کی آؤ بھگت کر رہا تھا جو کالی کٹ، گوا اور دمن وغیرہ میں چنگیز اور ہلاکو بن رہے تھے۔ (تفصیل چند سطر بعد)۔

(۲) اس میں کیا شک ہے اکبر بہت بڑا زمانہ شناس، مردم شناس، دوراندیش اور بہت بڑا مدبر تھا مگر اس کی شناسائی اور دوراندیشی مغل شاہنشاہیت کو مضبوط کرنے کے لیے تھی اور بس۔

وہ دین الٰہی کا موجد تھا۔ اس نے امراء دولت کے لیے سجدہ کرنا لازم کر دیا تھا اور عوام کو اپنے درشن کرایا کرتا تھا تاکہ اس کی تعظیم اور اس سے وفاداری دلوں کی گہرائیوں تک اُتر جائے۔ مگر نوع انسان کی ہمدردی سینہ مجدد جس کا لالہ زار تھا۔ اکبر اس کو اپنی سیاست پر قربان کر چکا تھا اس کا مذہب سیاست تھا یعنی شاہنشاہیت، گجرات میں کچھ خلفشار ہوا، اکبر پہنچا، بندرگاہ

سورت کا محاصرہ کرلیا۔ سورت کی مدد پر پرتگیزی تھے۔ انہوں نے پیغام صلح بھیجا، اکبر نے پیغام منظور کرلیا۔ [۱۲۰]

پھر جنوبی ہند کے انہیں تباہ کاروں کو اپنے یہاں مدعو کیا۔ یہ تباہ کار اکبر کی نظر میں مرتاض اور عبادت گزار تھے۔ انہوں نے انجیل مقدس پیش کی۔ ثالث ثلاثہ کے متعلق دلائل پیش کیے۔ نصرانیت کی حقانیت ثابت کی۔ ابوالفضل کو حکم دیا کہ انجیل مقدس کا ترجمہ ان پادریوں سے پوچھ پوچھ کر کرو۔

اکبر کے مشہور وقائع نگار ملا عبدالقادر تحریر فرماتے ہیں:

"دانایان مرتاض ملک افرنجہ کہ ایشان را پادھری
و مجتہد ایشاراں پاپامی گویند انجیل آوردہ بر"
ثالث ثلاثہ دلائل گذرانیدہ وحقیقت نصرانیت ثابت کردہ [۱۲۱]

یہی زمانہ تھا کہ انہیں دانایان مرتاض کی قوم کے بحری سورما حاجیوں کے جہازوں کو لوٹا کرتے تھے۔ مسلمانوں سے ان کو سخت دشمنی تھی۔ ابھی ایک صدی نہیں گزری تھی کہ اندلس میں مسلمانوں کا قتل عام کر چکے تھے۔ اب بھی بقول بعض مورخین وہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے۔

اکبر نے سمندر دیکھا۔ سورت میں سمندری قزاقوں سے اس کا واسطہ پڑا مگر اس کو بحری بیڑہ بنانے کا خیال نہیں آیا کیونکہ ان قزاقوں سے اس کی شہنشاہیت کو خطرہ نہیں تھا۔ سورت میں جو کچھ ہوا وہ اس کی نظر میں عارضی معاملہ تھا۔ یہ تھی اس کی دوراندیشی۔ بہرحال وجوہات کچھ بھی ہوں کافر فرنگ کے خطرات کا احساس نہ ارباب حکومت کو تھا نہ وفادارانِ حکومت کو۔ یہ کچھ سینہ مجدد ؒ ہی کا تاثر تھا کہ کافر فرنگ کو بدترین کافر سمجھتے تھے۔

ہم نے بہت سے صفحات رنگین کیے کہ سفید فام یورپ کی خوں ریز تاریخ سیاہ کی ایک جھلک پیش کر دیں۔ معلوم ہوتا ہے ضمیر مجدد ہم سے زیادہ اس تاریخ سے واقف تھا (رحمہ اللہ) کیوں نہ ہو۔ وہ اگرچہ حج کو بھی نہ جاسکا۔ [۱۲۲] مگر اس کے حلقہ ارادت میں ہندی اور غیر ہندی سب ہی شامل تھے۔

حضرت مجددؒ کے فقرہ میں لفظ ''انگریز'' نہیں ہے لفظ فرنگ ہے۔ انگریز تو اس وقت تک آئے بھی نہ تھے۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں کی بھاگ دوڑ تو بعد میں (سولہویں صدی کے ختم اور سترہویں صدی کے آغاز میں) شروع ہوئی۔ پرتگیز، ولندیز (اہل ہالینڈ) ڈینز (اہل ڈنمارک) پہلے آچکے تھے اور سواحل ہند پر اپنی آمد کے جلوے دکھا چکے تھے۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ کے دور آخر ۱۶۲۵ء تک یہی قومیں نمایاں تھیں۔

حضرت مجددؒ صاحب کا فقرہ یورپ کی کسی خاص قوم سے نہیں بلکہ پورے یورپ سے تلخی اور ترشی ظاہر کرتا ہے۔

جنگہائے صلیبی[۱۲۳] میں پورے یورپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور مقابلہ میں اگرچہ ایک مسلمان فیلڈ مارشل صلاح الدین ایوبی تھا مگر اس کا دفاع صرف مسلمانوں کی طرف سے نہیں بلکہ پورے مشرق کی طرف سے تھا۔

اکبر کی نظر صرف اپنی شاہنشاہیت پر تھی لیکن حضرت مجدد صاحب کا سینہ پوری نوع انسان کے لیے کھلا ہوا تھا۔ ان کو گوارا نہیں تھا کہ ایشیا جو انسانیت، شرافت اور اخلاق کا گہوارہ رہا ہے آج بھی اس کے گلشن میں یہی پھول کھل رہے ہیں۔ اس پر اس یورپ کا تسلط ہو جہاں شرافت اور اعلیٰ اخلاق کھوٹا سکہ ہیں جن کی یورپ کے بازار میں کوئی قیمت نہیں۔

حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ کا یہی جذبہ یعنی مشرق سے مغرب کا دفاع ان کا مقدس ترکہ تھا جس کو ان علماء نے اپنایا جو حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ کے جانشین ہوئے۔ انیسویں صدی عیسوی اور تیرہویں صدی ہجری کے آخری سالوں میں یہ جانشینی شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہ اور ان کے رفقاء کے حصہ میں آئی تھی۔ رحمہم اللہ

معیار جانشینی کیا تھا؟ یہ احساس کہ صرف ہندوستان نہیں بلکہ مشرق نشانہ ستم و جفا ہے اور صرف انگریز نہیں بلکہ پورا یورپ ستمگر و جفا کار ہے۔ پورا یورپ حملہ آور اور ایشیا و افریقہ یورش زدہ ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی اور اقتصادی اصول:

اس کے باوجود کہ سینہ اکبر کو قلب مجدد کا سوز و گداز عطا نہیں ہوا تھا۔ اس کے سامنے

صرف مغل شاہنشاہیت تھی۔ اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ متفرق فرقوں کے میل ملاپ اور باہمی اتحاد و یگانگت کی بنیادوں پر شاہنشاہیت کی تعمیر کرنا چاہتا تھا اور اگرچہ اس کے غیر معمولی غلو نے اس کے قدموں میں وہ لغزش پیدا کر دی جس پر حضرات علماء کو اعتراض رہا مگر جہاں تک میل ملاپ اور یکجہتی بلکہ جہاں تک ملکی معاملات میں جذباتی ہم آہنگی و اتحاد کا تعلق ہے اکبر ایسا کامیاب رہا کہ اس نے اسی ہم آہنگی اور یکجہتی کو سلطنت مغلیہ کا طرہ امتیاز بنا دیا۔

اقدامی جنگ ہو یا دفاعی بازار تجارت ہو یا کارگاہ صنعت و حرفت، تمدن کا مسئلہ ہو یا باہمی معاشرت کا مغل شاہنشاہیت کے دور میں ہندو اور مسلمان آپس میں ہمکنار و ہم آغوش نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اس زمانہ کا امن و امان خوشحالی، سکون اور اطمینان بے نظیر ہے۔

عروج ہندوستان کے اس دور میں اگرچہ یورپین نو واردین (اور مجدد صاحب کے الفاظ میں) کافران فرنگ کی حرکتیں بڑھتی رہی ہیں اور ان میں جارحیت پیدا ہوتی رہی مگر ان کی گوشمالی کرنے والے ہاتھ بھی بہت مضبوط تھے۔ ملک کی خوشحالی اور قابل اعتماد دفاعی طاقت یہ دو وثیقے ایسے تھے کہ حضرات علماء نے ان پر اعتماد کیا اور اہل یورپ کے دفاع کے لیے اپنی طرف سے کوئی پروگرام نہیں بنایا لیکن جیسے ہی ملک کی قوت دفاع میں کمزوری محسوس ہونے لگی حضرات علماء کی توجہات منصوبہ دفاع کی تیاری میں مصروف ہوگئیں۔

سلطان محی الدین اورنگ زیبؒ عالمگیر کے متعلق آپ کی رائے کچھ بھی ہو مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی شخصیت ایک حد فاصل تھی۔ عروج کی انتہا اور زوال کی ابتداء کے درمیان سینکڑوں ہزاروں سال بعد اور ممکن ہے تاریخ میں پہلی بار ہندوستان کو یہ فخر حاصل ہوا تھا کہ کابل اور قندھار سے آسام تک تبت اور نیپال سے بندرگاہ سورت کھمبات اور مالا بار تک اس کا سیاسی مرکز ایک تھا اور یہ سلطان عالمگیر کی طویل جدوجہد کا نتیجہ تھا مگر افسوس اس کے جانشین اعلیٰ صلاحیت سے محروم تھے۔ عالمگیرؒ کی وفات فروری ۱۷۰۷ء (۲ ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ یوم جمعہ) کے بعد وہ قیامت برپا ہوئی کہ شیرازہ ملک کا ایک ایک ورق جدا ہو گیا۔ تخت دہلی کا تاجدار اگرچہ ڈیڑھ سو برس (۱۸۵۷ء) تک کوئی مغل شاہزادہ ہی ہوتا رہا مگر طاقت فنا ہو چکی تھی اور نظام سلطنت قالب بے جان بن گیا تھا۔

ڈیڑھ سو برس کی تاریخ نہایت آشفتہ اور افسوسناک ہے۔ آشفتگی کا انداز ہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف پچاس سال کے عرصہ میں (۱۷۰۷ء تا ۱۷۵۷ء) تخت دہلی پر دس تاجدار بٹھائے گئے اور اُتارے گئے۔ ان میں صرف چار اپنی موت سے مرے باقی کے سر قلم کیے گئے یا تخت سے اُتار کر آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی۔ جیل خانہ کی سلاخوں کے پیچھے فرشتہ موت نے ان کا استقبال کیا۔[۱۲۴]

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ جن کا نام زیب عنوان ہے سلطان عالمگیر کی وفات سے چار سال پہلے پیدا ہوئے۔ (۴ شوال ۱۱۱۴ھ یوم چہار شنبہ ۱۰ فروری ۱۷۰۳ء) تخت دہلی پر یہ خونی ڈرامے اگر چہ آپ کی نوعمری میں ہورہے تھے مگر قدرت نے آپ کی فطرت کو حساس بنایا تھا۔ قلب کو درد عطا ہوا تھا اور آنکھوں کو بصیرت۔ آپ کے لیے ہر ایک حادثہ درس عبرت تھا۔ یہی احساس اور درد تھا کہ ابھی عمر شریف کی تین دہائیاں بھی پوری نہیں ہوئی تھیں کہ آپ نے ایسے سفر کا ارادہ کر لیا جو آپ کے لیے شفاء روح بھی ہو اور تسکین درد بھی۔ جہاں آپ پورے عالم اسلام کے لوگوں سے مل سکیں اور وہاں کے حالات معلوم کر سکیں۔ ۱۱۴۳ھ ۱۷۳۰ء میں آپ حجاز تشریف لے گئے۔ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں دو سال قیام فرمایا۔ وہاں دو سال قیام کر کے علمی اور روحانی مشاغل کے ساتھ بڑا کام یہ کیا کہ یورپ، افریقہ اور ایشیا کے زائرین سے ان ممالک کے متعلق پوری معلومات حاصل کیں۔ ترکی حکومت کو اگر چہ سماجی خرابیوں کا گھن لگا چکا تھا مگر پھر بھی وہ اس زمانہ میں ایشیا کی سب سے بڑی حکومت تھی جو یورپ کے بھی ایک حصہ پر قابض تھی اور پورے یورپ پر اپنا اثر رکھتی تھی۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس سب سے بڑی حکومت کے اندرونی حالات کا بھی گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ آپ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

> ”احوال ہند بر ما مخفی نیست کہ خود مولد و منشاء فقیر است۔ بلاد عرب نیز دیدم واحوال مردم ولایت از ثقات اینجا شنیدم“[۱۲۵]

> ترجمہ: ”ہندوستان کے حالات ہم پر پوشیدہ نہیں ہیں کیونکہ وہ خود اپنا وطن ہے جہاں ہم پلے بڑھے اور جوان ہوئے ہیں۔ عرب کے ملک

بھی دیکھ لیے ہیں اور ولایت (یعنی یورپ کے وہ صوبے ترکی مملکت میں داخل تھے) ان ولایت والوں کے حالات بھی ہم نے وہاں کے ثقہ اور معتمد لوگوں سے سن لیے ہیں۔"

اپنے وطن اور دوسرے ممالک کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد آپ کے غور و فکر اور آپ کے ذہن رسا نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ تمام خرابیاں جو دن بدن بربادی اور تباہی کی طرف لے جا رہی ہیں ان کا اصل باعث وہ نظام ہے جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ پر چھایا ہوا ہے جس کی بنیاد ملوکیت اور شاہ پرستی پر ہے جس میں کسی وقت کوئی فائدہ تھا تو اب وہ نہیں رہا ہے وہ اپنی افادیت ختم کر چکا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلا کام ہے "فک کل نظام" یعنی ہر ایک نظام کو شکست کر دینا اور اس میں انقلاب برپا کرنا[126]۔ آپ مکہ معظّمہ میں تھے وہیں آپ نے ضمیر کی یہ آواز سنی[127]۔

پروگرام کے اس پہلے حصے کو کامیاب کرنے کے لیے ضروری تھا کہ حالات کا تجزیہ کر کے خرابیوں کی نشاندہی کی جائے۔ بڑے بڑے جاگیردار امراء، نواب اور بادشاہ جو اس نظام کے سربراہ ہیں ان کے سامنے کھلے طور پر ان خرابیوں کو واضح کیا جائے اور ان کے نتائج بد سے ان کو آگاہ کیا جائے۔

آپ کی تصانیف خصوصاً تفہیمات الٰہیہ میں وہ مضامین موجود ہیں جن میں آپ نے سربراہوں کو مخاطب کر کے خرابیاں شمار کرائی ہیں اور کتاب وسنت کی روشنی میں ان کے نتائج سے آگاہ کیا ہے لیکن کسی قلعہ کو ڈھا دینا کسی تعمیر کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ تخریب اسی وقت قابل قدر ہو سکتی ہے جب مقصد تعمیر ہو لیکن تعمیر بنیادوں پر ہو۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی تصانیف (خصوصاً حجۃ اللہ البالغۃ) میں جہاں حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے خرابیاں بیان کی ہیں وہیں ان نظریات اور اصول کی بھی تلقین کر دی ہے جو آئندہ تعمیر کے لیے بنیاد ہونے چاہئیں۔ ہماری بحث قطعاً لاحاصل رہے گی۔ اگر وہ اصول اور نظریات بیان نہ کیے جائیں لہٰذا آپ پہلے نظریات ملاحظہ فرمائیں۔[128]

اقتصادی اصول:

(۱) دولت کی اصل بنیاد محنت ہے۔

مزدور اور کاشت کار قوت کا سبب ہیں۔ باہمی تعاون، مدنیت (شہریت) کی روح رواں ہے۔ جب تک کوئی شخص ملک اور قوم کے لیے کام نہ کرے ملک کی دولت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔[۱۲۹]

(۲) جواء سٹہ اور عیاشی کے اڈے ختم کیے جائیں جن کی موجودگی میں تقسیم دولت کا صحیح نظام قائم نہیں ہوسکتا اور بغیر اس کے کہ قوم اور ملک کی دولت میں اضافہ ہو۔ دولت بہت سی جیبوں سے نکل کر ایک طرف سمٹ آتی ہے۔[۱۳۰]

(۳) مزدور، کاشت کار اور جو لوگ ملک اور قوم کے لیے دماغی کام کریں۔ دولت کے اصل مستحق ہیں۔ ان کی ترقی اور خوشحالی ملک اور قوم کی ترقی اور خوشحالی ہے جو نظام ان قوتوں کو دبائے وہ ملک کے لیے خطرہ ہے اس کو ختم ہو جانا چاہیے۔[۱۳۱]

(۴) جو سماج محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کرے مزدوروں اور کاشت کاروں پر بھاری ٹیکس لگائے قوم کا دشمن ہے اس کو ختم ہو جانا چاہیے۔[۱۳۲]

(۵) ضرورتمند مزدور کی رضامندی قابل اعتبار نہیں۔ جب تک اس کی محنت کی وہ قیمت ادا نہ کی جائے جو امداد باہمی کے اصول پر لازم ہوتی ہے۔[۱۳۳]

(۶) جو پیداوار اور آمدن تعاون باہمی کے اصول پر نہ ہو وہ خلاف قانون ہے۔[۱۳۴]

(۷) کام کے اوقات محدود کیے جائیں۔ مزدوروں کو اتنا وقت ضرور ملنا چاہیے کہ وہ اخلاقی اور روحانی اصلاح کر سکیں اور ان کے اندر مستقبل کے متعلق غور وفکر کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔[۱۳۵]

(۸) تعاون باہمی کا بہت بڑا ذریعہ تجارت ہے لہٰذا اس کو تعاون کے اصول پر ہی جاری رہنا چاہیے۔ پس جس طرح تاجروں کے لیے جائز نہیں کہ وہ بلیک مارکیٹ یا غلط قسم کی کمپی ٹیشن سے روح تعاون کو نقصان پہنچائیں ایسے ہی حکومت کے لیے درست نہیں کہ بھاری ٹیکس لگا کر تجارت کے فروغ و ترقی میں رکاوٹ پیدا کرے یا رخنہ ڈالے۔[۱۳۶]

(۹) وہ کاروبار جو دولت کی گردش کو کسی خاص طبقہ میں منحصر کردے ملک کے لیے تباہ کن ہے [۱۳۷]۔

(۱۰) وہ شاہانہ نظام زندگی جس میں چند اشخاص یا چند خاندانوں کے عیش وعشرت کے سبب سے دولت کی صحیح تقسیم میں خلل واقع ہو اس کا مستحق ہے کہ اس کو جلد از جلد ختم کر کے عوام کی مصیبت ختم کی جائے اور ان کو مساویانہ نظام زندگی کا موقع دیا جائے [۱۳۸]۔

سیاسیات اور نظام حکومت کے بنیادی اصول:

(۱۱) زمین کا مالک حقیقی اللہ (اور ظاہری نظام کے لحاظ سے اسٹیٹ) ہے۔ باشندگانِ ملک کی حیثیت وہ ہے جو کسی مسافر خانہ میں ٹھہرنے والوں کی۔ ملکیت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حق انتفاع میں دوسرے کی دخل اندازی قانوناً ممنوع ہو [۱۳۹]۔

(۱۲) سارے انسان برابر ہیں کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے آپ کو مالک ملک، ملک الناس، مالک قوم یا انسانوں کی گردنوں کا مالک تصور کرے نہ کسی کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی صاحب اقتدار کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرے [۱۴۰]۔

(۱۳) اسٹیٹ کے سربراہ کی وہ حیثیت ہے جو کسی وقف کے متولی کی۔ وقف کا متولی اگر ضرورت مند ہو تو اتنا وظیفہ لے سکتا ہے کہ عام باشندہ ملک کی طرح زندگی گزار سکے [۱۴۱]۔

بنیادی حقوق:

حجۃ البالغۃ اور البدور البازغۃ وغیرہ تصانیف میں ارتفاقات (مفادات عامہ) کے عنوان سے بہت مفصل بحث کی ہے ان کا ماحصل یہ ہے کہ:

(۱۴) روٹی، کپڑا، مکان اور ایسی استطاعت کہ نکاح کر سکے اور بچوں کی تعلیم وتربیت کر سکے بلالحاظ مذہب ونسل ہر ایک انسان کا پیدائشی حق ہے۔

(۱۵) اسی طرح مذہب، نسل یا رنگ کے کسی تفاوت کے بغیر عام باشندگان ملک کے معاملات میں یکسانیت کے ساتھ عدل وانصاف ان کے جان ومال کی حفاظت، ان کی عزت و ناموس کی حفاظت، حق ملکیت میں آزادی، حقوق شہریت میں یکسانیت ہر باشندہ ملک کا بنیادی

حق ہے۔

(۱۶) زبان اور تہذیب کو زندہ رکھنا ہر ایک فرقہ کا بنیادی حق ہے۔

بین الاقوامی تحفظات:

(۱۷) ان حقوق کو حاصل کرنے کی شکل یہ ہے کہ خود مختار علاقے بنائے جائیں۔ یہ خودمختار اکائیاں اپنے معاملات میں آزاد ہوں گی۔ ہر ایک یونٹ میں اتنی طاقت ضرور ہونی چاہیے کہ اپنے جیسے یونٹ کے اقدام کا مقابلہ کر سکے۔ یہ تمام اکائیاں ایک ایسے بین الاقوامی نظام (بلاک) میں منسلک ہوں جو فوجی طاقت کے لحاظ سے اقتدار اعلیٰ کا مالک ہو، اس کو یہ حق نہیں ہوگا کہ کسی مخصوص مذہب یا مخصوص تہذیب کے کسی یونٹ پر حملہ کر سکے۔

مذہبیات:

(۱۸) (الف) دین اور سچائی کی اصل بنیاد ایک ہے۔ اس کے پیش کرنے والے ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

(ب) داعیان صداقت ہر ملک اور ہر قوم میں گزرے ہیں۔ ان سب کا احترام ضروری ہے۔

(ج) سچائی اور دین کے بنیادی اصول تمام فرقوں میں تقریباً تسلیم شدہ ہیں۔ مثلاً اپنے پروردگار کی عبادت، اس کے لیے نذر و نیاز، صدقہ و خیرات، روزہ وغیرہ یہ سب کام سب کے نزدیک اچھے ہیں البتہ عملی صورتوں میں اختلاف ہے۔

(د) ساری دنیا کے سماجی اصول اور ان کا منشا و مقصد ایک ہے مثلاً ہر ایک مذہب اور فرقہ جنسی انارکی ناپسند اور اخلاقی جرم قرار دیتا ہے۔ جنسی تعلقات کے لیے مرد اور عورت میں ایک معاہدہ، ہر ایک فرقہ میں ضروری ہے البتہ معاہدہ کی صورتیں مختلف ہیں ایسے ہی ہر ایک فرقہ اپنے مردہ کو نظروں سے غائب کر دینا ضروری سمجھتا ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ زمین میں دفن کر کے نظروں سے اوجھل کیا جائے یا جلا کر۔[۱۴۲]

(۱۹) جہاد ایک مقدس فرض ہے مگر اس کے معنی یہ ہیں کہ مقدس اصول کے لیے انسان اپنے اندر جذبہ فدائیت پیدا کرے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی ہستی اس اصول کے لیے فنا کر دے۔[۱۴۳]

توجہ طلب امور:

(۱) آپ نظریات ملاحظہ فرما چکے، بے موقع نہ ہوگا اگر آپ یہ بھی خیال فرمائیں اور پسند کریں تو آپ اس پر فخر بھی کر سکتے ہیں کہ یہ نظریات اس وقت مرتب ہوئے (۱۷۳۱ء) کہ انقلاب فرانس (۱۷۸۹ء) جس کو انقلاب پسندان عالم کے لیے نشان راہ کہا جاتا ہے۔ نصف صدی بعد آنے والا تھا اور کمیونزم کے معلم اوّل کارل مارکس اور اس کے نفس ناطقہ اور رفیق عزیز ''اینگلس'' کی پیدائش میں پوری ایک صدی اور یورپ میں مشینوں اور کلوں کے جاری ہونے میں ابھی تقریباً چالیس سال باقی تھے۔

(۲) نظریات اور اصول پر دوبارہ نظر ڈالیے۔ کیا یہ صرف ہندوستان کے لیے ہیں اور جو سیاسی عمارت ان نظریات اور اصول کی بنیاد پر تعمیر ہو کیا اس کے حدود اربعہ ہمالیہ اور راس کماری اور بحر ہند کی حدود میں محدود رہیں گے یا وہ ہمالیہ کی چوٹیوں سے بھی جست کر کے آگے پہنچیں گے اور دوسری طرف سمندر پار کے ممالک کو بھی اپنے احاطے میں لے لیں گے۔

(۳) حضرت مجدد رحمہ اللہ کے الفاظ بھی دہرایے۔

کیا کافر فرنگ کے اثرات کو روکنے اور ایشیا کو تسلط یورپ سے محفوظ رکھنے کی کوئی صورت اس سے بہتر ہوسکتی تھی کہ پورا ایشیا نہیں ایشیا کے دو چار ملک اپنی سیاست کو ان نظریات پر ڈھال لیتے۔

(۴) ہندوستان اگر اپنے قابل فخر سپوت کے نظریات بالا کو اپنا لیتا تو غور فرمایئے کیا کیمونزم اور سوشلزم یا کوئی بھی ازم کامیاب ہوسکتا تھا اور آج قیادت عالم کا جھنڈا کس کے ہاتھ میں ہوتا۔

(۵) اس طوائف الملوکی کے دور میں بہت آسان تھا کہ جنگجو سرداروں کی طرح شاہ صاحب بھی تلوار ہاتھ میں لیتے اور فوج بھرتی کر کے کسی علاقہ پر قبضہ کر لیتے مگر کیا اس سے ہمدردی نوع انسان کا تقاضا پورا ہو جاتا؟

انقلاب کا طریقہ:

حضرت شاہ صاحب عدم تشدد اور اہنسا کے قائل نہیں تھے۔ وہ فوجی قوت سے انقلاب کے حامی تھے۔ مگر وہ فوجی قوت جس کی تربیت جہاد کے اصول پر ہوئی ہو جس کی حقیقت دشمن کشی اور غارت گری نہیں بلکہ اس کی حقیقت ہے محنت، جفاکشی، صبر واستقبال، ایثار اور قربانی یعنی اپنی ذات اور ذاتی مفادات کو ختم کر کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لینا پھر اس مقصد کے لیے اپنی ہر چیز حتیٰ کہ اپنی زندگی کو بھی داؤ پر لگا دینا۔

یا تن رسد بجاناں

یا جان زتن برآید

ایسا جہاد پیشہ ور سپاہیوں کی فوجوں سے نہیں ہوتا بلکہ ان رضا کاروں کے ذریعہ ہوسکتا ہے جن کی تربیت خاص طور پر کی گئی ہو جو نصب العین کو سمجھیں۔ نظریات کو اپنے جذبات بنالیں اور اصول کے سانچہ میں ان جذبات کو ڈھال لیں۔ پھر ان کو کامیاب بنا لینے کے لیے اپنے آپ کو تج دینا ان کی زندگی کا آخری اور محبوب ترین مقصود ہو جائے۔

یہ تربیت کس طرح ہو، تربیت دینے والے کون ہوں، مرکز کہاں ہو؟ شاہ صاحبؒ نے جس طرح نظریات مرتب فرمائے ان کے لیے ٹریننگ کے سنٹر بھی قائم فرما دیے۔ ان مرکزوں کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک اور شاندار ماضی جلد دوم میں ان کی تفصیل ملاحظہ فرمائے:

پس و پیش کے حالات:

جن عناصر نے تخت دہلی کو بازی گاہ عروج وزوال بنا رکھا تھا جہاں پچاس سال میں تخت اور تختہ کے دس تماشے ہو چکے تھے۔ وہ پوری دہلی بلکہ اس وقت کی پوری مملکت پر چھائے ہوئے تھے۔ کسی آواز کو بلند ہونے کا حق نہیں تھا اگر وہ ان کی مرضی کے مطابق نہ ہو عوام کی بیداری کے لیے پیغام فنا تھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے قرآن پاک کا ترجمہ اس وقت کی دفتری زبان

فارسی میں کیا تو مولوی نما جاہ پرست مشتعل ہو گئے کہ جب دفتروں کے محرر بھی قرآن شریف کا مطلب سمجھنے لگیں گے تو اقتدار علماء کا سائبان تننے والا کون ہوگا ہماری عزت وعظمت خاک میں مل جائے گی۔ اسی غضب اور طیش میں انہوں نے حضرت شاہ صاحب پر قاتلانہ حملہ کرایا جس کی مدافعت قدرت کے اس غیبی ہاتھ نے کی جو تاریخ عالم میں عظمت پانے والوں کی حفاظت ہر ایسے موقع پر کیا کرتا ہے [۱۴۴]۔

(۲) تخت دہلی کے لال قلعہ میں جو تاج پوشی اور گردن تراشی کے تماشے ہو رہے تھے وہ خود ایسے ہیجان انگیز تھے کہ صحیح اصول پر کوئی کام اور جدوجہد تو درکنار، سنجیدگی اور اطمینان سے صحیح خطوط پر سوچنا اور رائے قائم کرنا بھی دشوار تھا۔ اس اندرونی برہم زنی اور پراگندگی سے زیادہ وحشت انگیز اور لرزہ خیز وہ شعبدے تھے جو سیاست کے خون بار میدان میں مسلسل ہوتے رہے۔ مثلاً

(۱) مرہٹے، جو سلطان عالمگیرؒ کے دور میں جنوبی ہند میں بھی شکست خوردہ تھے۔ عالمگیر کی وفات (۱۷۰۷ء) کے بعد انہوں نے بڑھنا شروع کیا اور ابھی تیس سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے۔ ۱۱۴۹ھ، ۱۷۳۶ء میں دہلی میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ چند روز قیام کیا۔ بادشاہ سے اپنی مرضی کے مطابق معاہدہ کیا اور بامراد واپس ہو گئے [۱۴۵]۔

(۲) تقریباً ایک سال بعد نادر شاہ کا مشہور حملہ ہوا جس نے ذی قعدہ ۱۱۵۱ھ فروری ۱۷۳۸ء میں دہلی میں قتل عام کیا یعنی ہندوستان کی شہ رگ کا خون چوس لیا۔ چند گھنٹوں میں یعنی صبح سے دوپہر تک شہر دہلی مردہ لاشوں سے پٹ گیا۔ مقتولین کی تعداد آٹھ ہزار سے ڈیڑھ لاکھ تک بیان کی گئی ہے۔ بائیس کروڑ روپیہ نقد خزانہ شاہی سے اور تقریباً نوے کروڑ کے جواہرات اور تخت طاؤس وغیرہ شاہی محلات اور قلعہ سے لوٹے گئے [۱۴۷]۔

(۳) حملہ نادری سے دس سال بعد ۱۱۶۱ھ، ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی کا وہ معرکہ ہوا جو ''معرکہ پانی پت'' کے نام سے مشہور ہے۔

(۴) ۹ مئی ۱۷۵۲ء (رجب ۱۱۶۶ء) کو سورج مل جاٹ نے پرانی دہلی کو لوٹا۔ ہر چند اس منصف چہار گلزار شجاعی کا بیان ہے کہ جب جاٹوں نے لوٹنا شروع کیا تو دہلی کے

باشندے گھبراہٹ اور پریشانی میں گھروں سے نکل کھڑے ہوئے، وہ دربدر گلی گلی مارے پھرتے تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی ٹوٹا ہوا جہاز ظالم موجوں کے رحم و کرم پر ہو۔ ہر شخص پاگلوں کی طرح پریشان حال اور گھبرایا ہوا نظر آتا تھا[۱۴۸]۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی وفات اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی جانشینی:

۱۱۷۶ھ (۱۷۶۳ء) شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ اس دنیا سے رخصت ہوئے ان کے سترہ سالہ فرزند شاہ عبدالعزیز ان کے خلف رشید بھی تھے اور خلیفہ ارشد بھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی سیاسی خدمات کی آخری منزل ان کے خلف اور خلیفہ ارشد کے سفر کی پہلی منزل تھی۔

گردوپیش کے حالات نے اس جانشین کی نوعمری کا کوئی لحاظ نہیں کیا بلکہ ان کی شدت دن بدن زیادہ ہوتی رہی۔ مئی ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی سراج الدولہ کے خون سے ہندوستان کے برخلاف ایسٹ انڈیا کمپنی کے حق میں فتح و کامرانی کا فیصلہ لکھ چکی تھی۔ مشرق میں کمپنی کا عروج روزافزوں تھا اور دہلی مرہٹوں کا جولان گاہ بنا ہوا تھا۔

مرہٹوں کے کمانڈر رگھوناتھ راؤ اور ملہار راؤ دہلی پہنچے۔ بادشاہ دہلی عالمگیر ثانی اور ان کے وزیراعظم نجیب الدولہ محصور ہو گئے۔ ستائیس روز تک توپوں کے گولے دہلی پر برستے رہے۔ بالآخر راجہ ہلکر کو بادشاہ نے بہت سی رشوت دی تب محاصرہ سے نجات ہوئی[۱۴۹]۔

اس زمانہ میں جو شب و روز تبدیلیاں ہو رہی تھیں ان کا ذکر طویل بھی ہے اور موضوع سے غیر متعلق بھی۔ مختصر یہ کہ نوبت یہ آئی کہ ۱۷۸۲ء میں مرہٹوں کے پیشوا مادھو نرائن مغل بادشاہ کے امیر الامرا اور مادھو جی سیندھیا نائب امیر الامراء مقرر کیے گئے۔ اب سلطنت مغلیہ کے محافظ مرہٹے تھے۔

اٹھارہویں صدی ختم ہو رہی تھی، انیسویں صدی کا آغاز اس طرح ہوا کہ لارڈ لیک انگریزی فوجوں کو لے کر دہلی کی طرف بڑھا، سیندھیا کی فوجیں جو شاہی اقتدار کی محافظ تھیں سینہ سپر ہوئیں مگر انگریز کی فوجی طاقت مرہٹوں کی قوت ایثار سے بڑھی ہوئی تھی۔ مجبوراً شکست خوردہ دہلی نے انگریزوں کا استقبال کیا۔ لارڈ لیک نے ۱۸۰۳ء میں دہلی پر تسلط کر کے شاہ عالم بادشاہ سے ایک معاہدہ کر لیا اور طے یہ ہو گیا[۱۵۰] خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم کمپنی

بہادر کا[۱۵۱]

یہ صرف دارالسلطنت دہلی کی داستان تھی، دہلی کے علاوہ ہندوستان کا ہر مرکزی مقام اسی طرح کے حالات سے دوچار تھا۔

یہ پرآشوب دور جس کے ہر پہلو میں خوں چکا انقلاب اُمنڈ رہا تھا اس کے کچھ اشارات اس لیے پیش کیے گئے کہ ہمیں تعجب نہ ہونا چاہیے، اگر ہم حضرت شاہ ولی اللہ کی وفات کے بعد پچاس برس تک کوئی ایسی فوج نہ دیکھیں جس کی تربیت شاہ صاحبؒ کے اصول اور نظریات پر ہوئی ہو۔

پریس کی طاقت سے محرومی:

مارکس، اینگلس اور لینن کی خوش نصیبی تھی کہ ان کو پریس کی طاقت میسر تھی جس سے انہوں نے پوری طرح کام لیا اور تھوڑے عرصہ میں لاکھوں کروڑوں انسانوں تک اپنے خیالات پہنچا دیے مگر شاہ ولی اللہ صاحب کا انقلابی فکر پریس کی طاقت سے محروم تھا۔ انشاء و صحافت کی جس طاقت سے آپ پریس کے ذریعہ پورے ہندوستان کو متاثر کر سکتے تھے وہ صرف قلمی کتابوں میں محدود ہو کر رہ گئی۔ اس وقت نشر و اشاعت کا ذریعہ تقریریں تھیں یا تعلیم و تربیت کے وہ حلقے جو حضرت شاہ صاحبؒ نے قائم فرما دیے تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان حلقوں سے کام لیا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ''فک کل نظام'' یعنی ہمہ گیر انقلاب کا تصور جو شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی وفات تک چند دماغوں کی مخصوص امانت تھا، شاہ عبدالعزیز کے دور میں وہ ملک کا خصوصاً مسلمانوں کا عام جذبہ بن چکا تھا اور ہزاروں نوجوان اس کے لیے زندگیاں وقف کر چکے تھے۔

حضرت سیّد احمد شہیدؒ اور (حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے پوتے) حضرت مولانا شاہ اسماعیل صاحب شہید رحمہ اللہ نے انہیں نوجوانوں کو منظم کیا۔ ۱۲۴۱ھ، ۱۸۲۶ء میں جو فوج راجستھان اور سندھ ہوتے ہوئے آزاد قبائل کا رُخ کر رہی تھی وہ انہیں نوجوانوں کی فوج تھی[۱۵۲]

آزاد علاقہ میں حکومت کا قیام:

۱۲ جمادی الاخری ۱۲۴۲ھ/۱۰ جنوری ۱۸۲۷ء کو تحصیل ''چارسدہ میں'' [۱۵۳] ایک حکومت قائم کی گئی۔ سیّد احمد شہیدؒ اس کے سربراہ اور امیر بنائے گئے۔ حکومت قائم کرنے والی جماعت وہی تھی جو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے اصول پر تربیت یافتہ تھی۔ انہیں اصول پر عوام کی تربیت حکومت کا اہم ترین مقصد ہے۔ چنانچہ انتظامیہ اور عدلیہ کے ساتھ محکمہ احتساب بھی قائم کیا گیا جو اخلاقی اصلاحات کو نافذ اور غلط کاروں کو تادیب کرتا ہے۔ ان تربیت یافتہ مجاہدین (رنگروٹوں) کا رنگ کیا تھا ان کے اخلاق کیسے تھے۔ ان کی حکومت کا طور وطریق کس شان کا تھا اس کی پوری تصویر آپ غلام رسول صاحب مہر کی مرتب کردہ تصانیف میں ملاحظہ فرمائیے۔ مختصر تصویر شاندار ماضی جلد دوم میں پیش کردی گئی ہے۔ (ص ۱۷۳ تا ص ۱۹۶)

اس حکومت کی مقبولیت اور عوام کے رجحانات کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ابھی چند ہفتے گزرے تھے کہ ''سیدو'' کے میدانِ جنگ میں سیّد صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ تقریباً ایک لاکھ کا ہجوم تھا۔ [۱۵۴]

شکست اور وجہ شکست:

مگر یہ ہجوم جو اتنی تیزی سے بڑھا تھا وہ غیر تربیت یافتہ تھا۔ اس کے بے پناہ جذبات کا کوئی خاص نصب العین نہیں تھا۔ ظاہر ہے خاص نصب العین رکھنے والی جماعت سے نبھاؤ مشکل تھا۔ ادھر مخالف طاقتیں جن کے ذرائع ہر ایک لحاظ سے زیادہ تھے۔ توڑ پر لگی ہوئی تھیں چنانچہ جیسے ہی سیّد صاحب رحمہ اللہ نے اپنے نصب العین کے بموجب اخلاقی اور سماجی اصلاح کی طرف قدم بڑھایا مخالف طاقتوں نے ان اصلاحات کو ''وہابیت'' کا نفرت انگیز عنوان دے کر عوام کو مجاہدین کی پوری جماعت سے برگشتہ کردیا۔ پورے علاقہ میں حکومت کا نظام تھا جگہ جگہ اس کے ذمہ دار افسر تھے، عوام نے ہر مقام کے ذمہ داروں کو شہید کردیا۔ سیّد صاحبؒ اور ان کے رفقاء نے (جن میں سب سے نمایاں مولانا اسماعیلؒ تھے) پھر طاقت فراہم کی تو سکھوں کی فوجوں سے مقابلہ ہوگیا، نتیجہ شکست تھا۔ ''بالاکوٹ'' کے مقام پر بہت سے مجاہدین اور یہ

دونوں بزرگ میدانِ جنگ میں شہید کر دیے گئے [۱۵۵]۔

۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ/ ۶ مئی ۱۸۳۱ء بروز جمعہ یہ حادثہ پیش آیا [۱۵۶]۔

دوبارہ تنظیم:

یہ سربراہ شہید ہو گئے مگر بقول ڈاکٹر ہنٹر:

''یہ تحریک کسی رہنما کی موت و حیات سے بالکل مستغنی ہو گئی تھی۔ خود سیّد صاحب کی وفات کو بھی ان کے پر جوش حامیوں نے اپنے مسلک کی اشاعت کے لیے ایک مستقل ذریعہ بنالیا تھا [۱۵۷]۔''

تحریک سے متعلق کتابیں ملاحظہ فرمائیے۔ اس تحریک کے جاری رہنے کا ایک اور راز منکشف ہوگا۔

اس تحریک میں کام کرنے والوں کو آپ رنگروٹ کہیں یا مجاہدین، ان میں جہاد کی حقیقی روح یعنی راہ حق میں فنا ہونے کا شوق ہر طرح سرایت کر چکا تھا۔ سربراہ کی موت ان کو مایوس کر دیتی ہے جن کا نصب العین حصول منصب اور اقتدار ہو لیکن جو سرفروش راہ حق میں فنا ہونے کے لیے کفن بردوش آیا ہے تا کہ جان آفرین کو جانِ عزیز کا گرانمایہ ہدیہ پیش کر دے سربراہ کی شہادت اس کے لیے نوائے نامرادی نہیں بلکہ نوید کامیابی ہوتی ہے۔ اس کا یقین یہ ہوتا ہے کہ موت فنا نہیں بلکہ شاہراہِ حیات ابدی کا وہ پل ہے جو اس کو محبوب حقیقی تک پہنچا دیتا ہے۔

یستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوف علیھم ولاھم یحزنون.

''جو لوگ راہِ خدا میں قتل کر دیے گئے ان کے متعلق یہ تصور ہرگز نہ کرو کہ وہ مر گئے۔ نہیں وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے حضور اپنی روزی پا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں جو کچھ عطا فرمایا ہے اس پر وہ خوش ہیں (ایسے خوش کہ پھولے نہیں سماتے) اور ان کو جو ان کے پیچھے رہ گئے ہیں اور اب تک ان کے پاس نہیں پہنچے ہیں انہیں بشارت دے رہے ہیں کہ انہیں نہ کسی طرح کا کھٹکا ہوگا نہ غم۔ انہیں اس

نعمت اور اس فضل و احسان کی بشارت دے رہے ہیں جو اللہ کی طرف سے ان کو عطا ہوگا۔"

جس مرد باخدا کے جذبات قرآن حکیم کی تعلیم کے سانچہ میں ڈھل چکے ہوں اس کے لیے کب ممکن ہے کہ کسی ہوش ربا، وحشت انگیز اور مایوس کن معرکہ کے بعد میدانِ شہادت سے منہ موڑ کر تنگنائے وطن کے گلی کوچوں کی راہ لے۔ وہ اگر میدان سے ہٹے گا تو صرف پلٹنے کے لیے اور اس لیے کہ تیار ہو کہ دوبارہ حملہ کرے اور بازار شہادت کو دوبارہ گرم کرے۔ چنانچہ معرکہ بالاکوٹ کی ہزیمت نے اگرچہ مجاہدین کی اجتماعیت کو کچھ عرصہ کے لیے انتشار سے بدل دیا مگر وہ ان کے عزائم میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکے۔ بڑی جماعت یقیناً منتشر ہوگئی مگر چھوٹی چھوٹی جماعتیں جو اس انتشار کے بعد بنیں (یعنی جتنے مجاہدین جہاں اکٹھے ہو گئے انہوں نے اپنی جماعت بنالی) انہوں نے اپنے اپنے مقام پر علم جہاد بلند کر دیا۔ آج کل کی زبان میں اس کی واضح تعبیر غالباً یہ ہوگی کہ ان چھوٹے چھوٹے گروپوں نے گوریلا جنگ شروع کر دی۔ حضرت مولانا سیّد نصیر الدین دہلوی رحمہ اللہ کے پہنچنے تک یہی سلسلہ رہا۔

حضرت مولانا سیّد نصیر الدین صاحب دہلوی خانوادہ شاہ ولی اللہ کے ایک نونہال تھے۔ عنفوانِ شباب سے ہی دل میں ایک درد تھا جس کا اظہار اس سے ہوتا ہے کہ (۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۵ء) میں جب سیّد صاحب کا قافلہ سفر جہاد کی تیاری کر رہا تھا تو حضرت شاہ اسحاق صاحب وعظ فرماتے تھے اور مولانا نصیر الدین صاحب مدرسہ کے دروازہ پر فراہمی زراعانت میں مصروف رہتے تھے[158]۔

آپ نے ذی الحجہ ۱۲۵۰ھ/ ۲ اپریل ۱۸۳۵ء کو جہاد فی سبیل اللہ کے مقصد عظیم کے لیے وطن عزیز دہلی سے ہجرت کی۔ ریواڑی، جے پور، ٹونک، اجمیر، جودھپور وغیرہ قیام کرتے ہوئے تحریک کے قدیم آشناؤں میں روح جہاد اور نا آشناؤں کو تحریک سے آشنا کرتے ہوئے آپ جیسے ہی آزاد مرکز "ستھانہ" پہنچے۔ جماعت مجاہدین نے آپ کو اپنا امیر بنا لیا۔ جذبہ صادق اور مکارم اخلاق کا اثر تھا کہ آپ عوام میں بھی بہت جلد مقبول اور ہر دلعزیز ہو گئے لیکن آپ کی زندگی نے وفا نہیں کی۔

دہلی سے ستھانہ تک سفر میں تقریباً چار سال صرف ہو گئے۔ ۱۸۳۹ء کے اواخر یا ۱۸۴۰ء کے آغاز میں آپ ستھانہ پہنچے اور ابھی پورا سال نہیں گزرا تھا کہ آپ نے دعوتِ اجل کو لبیک کہہ دیا۔ رحمہ اللہ ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء۔

اس طویل سفر میں جو مصلحتاً غیر معروف راستہ سے ہوا تھا، دعوت جہاد کے علاوہ جگہ جگہ مخالف طاقتوں سے جہاد کی نوبت بھی آئی۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ انگریزوں نے غزنی فتح کرنے کے بعد کابل پر قبضہ کرنے کے لیے اقدام کیا تھا مگر اہل افغانستان نے ہر ایک فوجی کی مدارت بندوق کی گولی سے کی یہاں تک کہ پوری فوج میں صرف ایک شخص ''ڈاکٹر ڈرائیڈن'' زندہ وسلامت جلال آباد پہنچا اور اس کے ذریعہ پوری دنیا اس المناک ڈرامہ کی تفصیل سے واقف ہوئی۔

سکھوں سے مقابلہ:

بہت ہی تکلیف دہ اور دلخراش سانحہ ہے کہ حضرت سیّد صاحب کے مقابلہ پر سکھ آ گئے۔ حالانکہ سیّد صاحب واضح طور پر اعلان کر چکے تھے اور بعض فرمانرواؤں (مہاراجوں) اور سکھ حکومت کے ذمہ داروں کو جو خطوط لکھے تھے ان میں بار بار یہ مضمون دہرا چکے تھے۔

> ''خدا گواہ ہے، ہمارا منشا نہ دولت جمع کرنا ہے نہ اپنی حکومت قائم کرنا۔ ہمارا منشا یہ ہے کہ یہ بعید الوطن بیگانے جو تاجر بن کر آئے تھے اور اب ''ملوک زمین وزماں'' بن گئے ہیں ان کو وطن سے نکال دیں[159]۔

سرکاری طور پر ایک خط خاص ایلچی کے ہاتھ رنجیت سنگھ کو بھیجا کہ:

> ''ہم لوگ نہ تیرے ملک و مال کے طالب ہیں نہ تیری جان اور عزت کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں نہ لڑنے کے خواہاں ہیں۔ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا ساتھ دے اور ہمارا رفیق بن جا۔ دشمنوں کے خلاف جہاد کر کے ہم ملک تیرے حوالے کر دیں گے۔ یہ دعوت منظور نہ کی تو لڑائی کے سوا کوئی چارہ نہیں۔''[160]

مقصد تحریک:

بیگانگان بعید الوطن، یورپ کے تمام ہی فرماں رواں تھے لیکن اس وقت انگریز ہندوستان پر چھا رہے تھے۔ لہٰذا بیگانانِ بعید الوطن انگریز ہی تھے اور دعوت تحریک کا مقصد تھا اہل ہند کا جہاد بلا واسطہ انگریز کے مقابلہ میں اور بالواسطہ اہل فرنگ یعنی پورے یورپ کے مقابلہ میں۔

علماء صادق پور:

حضرت مولانا سیّد نصیر الدین صاحب دہلوی رحمہ اللہ دنیا سے رخصت ہوئے تو پھر انتشار و اضمحلال نے جماعت کا رخ کیا مگر جلد ہی وہ ایثار شیوہ صداقت کیش، سینوں میں جذبات شہادت کی بھٹیاں دہکائے ہوئے مونڈھوں پر علم جہاد اُٹھائے ہوئے میدان میں آ گئے جن کو علماء صادق پور کہا جاتا ہے جنہوں نے دائرہ عمل شمالی مغربی علاقہ ہی میں محدود نہیں رکھا بلکہ پشاور اور درہ خیبر سے لے کر بہار اور بنگال تک مجاہدین کے خیمے تان دیے، ان کے کارناموں کی تفصیل کے لیے سینکڑوں صفحات کی ضرورت ہے۔ یہاں صرف تاریخ آغاز کار اور سربراہ حضرات کے اسماء گرامی اور ان کے سنہ وفات تحریر کرتے ہیں۔ یہ اختصار ہی ہمارے موضوع کے مناسب ہے [۱۶۱]۔

۱۷ شوال ۱۲۶۲ھ/ ۹ اکتوبر ۱۸۴۶ء کو مقام بالاکوٹ ان حضرات کی قیادت کا آغاز ہوا [۱۶۲]۔

اس اسماء گرامی مطالعہ فرمایئے:

(۱) حضرت مولانا ولایت علی رحمہ اللہ متوفی محرم ۱۲۲۹ھ/ اکتوبر ۱۸۵۲ء وفات بعمر ۶۴ سال مدفن ستھانہ، تاریخ وفات ''دخل خلدا'' [۱۶۳]

(۲) مولانا عنایت علی برادر خورد مولانا ولایت علی متوفی ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۸ء بعارضہ بخار وضیق النفس [۱۶۴]۔

(۳) مولانا نوراللہ متوفی ۱۸۶۰ء بعارضہ بخار [۱۶۵]۔

(۴) میر مقصود علی صاحب متوفی ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۲ء [۱۶۶]۔

مولانا عنایت علی غازی رحمہ اللہ کی وفات جماعت کے لیے حادثہ عظیم تھی۔ان کی وفات کے بعد حالات کی نزاکت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ان کے دو جانشیں پوری طرح سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ سفر آخرت کا وقت آ پہنچا اور صرف چار سال میں دو جانشین واصل بحق ہو گئے مگر اس کمزوری اور انتشار کے باوجود جماعت مجاہدین کس شان سے علم جہاد بلند کرتی رہی اس کے متعلق کسی معتقد اور ہم نوا کی نہیں بلکہ جماعت کے سخت مخالف کی شہادت ملاحظہ فرمایئے۔ڈاکٹر ولیم ولسن ہنٹر کس دلسوزی اور افسوس وحسرت کے ساتھ فرماتے ہیں:

> ''میں ان بے غیرتیوں، حملوں اور قتل و غارت کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا جو ۱۸۵۶ء میں سرحدی جنگ کا باعث ہوئے۔اس دوران مذہبی دیوانوں نے سرحدی قبائل کو انگریزی حکومت کے خلاف متواتر اُکسائے رکھا۔ایک ہی بات سے حالات کا بڑی حد تک اندازہ ہو جائے گا یعنی ۱۸۵۰ء سے ۱۸۵۷ء تک ہم علیحدہ علیحدہ سولہ جنگی مہمیں بھیجنے پر مجبور ہوئے جس سے باقاعدہ فوج کی تعداد پینتیس ہزار ہوگئی تھی اور ۱۸۵۶ء و ۱۸۶۰ء تک ان فوجی مہموں کی گنتی بیس تک پہنچ گئی تھی اور باقاعدہ فوج کی تعداد ساٹھ ہزار تک ہوگئی تھی۔بے قاعدہ فوج اور پولیس اس کے علاوہ تھی''[۱۶۷]

ایک اور دردمندانہ حسرت ناک فقرہ ملاحظہ فرمایئے:

> ''بہر حال جب ہم نے اس مہلک گھاٹی کو چھوڑا تو اس کے چپہ چپہ پر برطانوی سپاہیوں کی قبریں موجود تھیں۔''[۱۶۸]

چوتھے سربراہ میر مقصود علی صاحب کے بعد زمام قیادت اس کے سپرد ہوئی جس کی پرورش بچپن ہی سے جانبازی، ایثار و قربانی اور جہاد فی سبیل اللہ کے ماحول میں ہوئی تھی، یہ تھے:

(۵) مولانا عبداللہ صادق پوری فرزند اکبر مولانا ولایت علی صاحب رحمہما اللہ۔اس مجاہد جان باز نے تقریباً چالیس سال تک علم جہاد بلند رکھا جس کے دور امارت میں بار بار انگریزی

فوجوں کو خاک وخون سے کھیلنا پڑا۔

آپ سے نامہ و پیام کے جرم میں ہزاروں محبانِ وطن گرفتار کر کے عبور دریائے شور کیے گئے۔ایک عرصہ تک پورے شمالی ہند میں خانہ تلاشیوں اور گرفتاریوں کا سلسلہ جاری رہا اور یکے بعد دیگرے سازش کے مقدمات چلائے گئے۔[۱۶۹]

مولانا عبداللہ کی وفات اوران کے جانشین:

حضرت مولانا عبداللہ رحمہ اللہ نے ۲۷ شعبان [۱۷۰] ۱۳۲۰ھ/ ۲۹ نومبر ۱۹۰۲ء میں جفاکش مجاہدانہ زندگی سے نجات پائی تو ان کے برادر خورد (۶) مولانا عبدالکریم کو یہ خدمت سپرد ہوئی۔۲۵ ربیع الاوّل ۱۳۳۳ھ/ ۱۱ فروری ۱۹۱۵ء بمقام اسمست [۱۷۱] میں مولانا کی وفات ہوئی تو (۷) نعمت اللہ صاحب نبیرہ مولانا عبداللہ اوران کی شہادت [۱۷۲] کے بعد مولانا عبداللہ صاحب کے دوسرے پوتے رحمت اللہ غازی منصب امارت پر فائز ہوئے۔انیسویں صدی کے آخر میں مولانا عبداللہ رحمہ اللہ کے دور امارت میں برطانوی سامراج کے کارندوں نے فاورڈ پالیسی پر عمل شروع کیا۔مقصد یہ تھا کہ ان ٹھکانوں کو جو مجاہدین کے لیے پناہ گاہ تھے ختم کیا جائے وہاں فوجی چوکیاں قائم کی جائیں اور سڑکیں نکال کر راستوں کی دشواریاں ختم کی جائیں۔ابھی یہ منصوبہ پورا نہیں ہوا تھا کہ برطانوی سامراج کے ایجنٹ بھی عطاء تو بلقاء تو کہتے ہوئے ہندوستان سے رخصت ہوگئے۔سدا رہے نام اللہ کا۔

علماء صادق پور کی سوانح:

علماء صادق پور کی قربانیاں کہ لاکھوں روپیہ کو ذاتی جائیدادیں منقولہ اور غیر منقولہ راہ جہاد میں صرف کر دیں۔عیش وعشرت اور شاہانہ زندگی کے بجائے جفاکشانہ زندگی،افلاس اور وہ فقر و فاقہ اختیار کیا کہ بعض اوقات درختوں کے پتوں،کونپلوں اور پودوں کی جڑوں کو غذا بنانا پڑا۔خود اپنے وطن عظیم آباد عرف پٹنہ میں نہیں بلکہ وطن سے سینکڑوں میل فاصلہ پر آزاد علاقہ شمالی مغربی سرحد کو قربان گاہ بنایا۔

اس قربان گاہ تک پہنچنے کے لیے غیر معمولی نظم وضبط کو ہزاروں مجاہدین بنگال کے سرحدی

علاقوں سے چل کر تقریباً دو ہزار میل کی مسافت طے کر کے اس قربان گاہ تک پہنچتے اور داد شجاعت و مردانگی دیتے تھے۔

بقول ہنٹر بھوکے بنگالیوں کے حملے ایسے ہوتے گویا بھوکے شیر شکاروں پر جھپٹ رہے ہیں۔ اس طویل مسافت پر رسد اور سامانِ جنگ پہنچانے کے لیے ایسا خفیہ نظم وضبط کہ جب تک تحریک کامیابی سے چلتی رہی یعنی ۱۸۴۶ء سے تقریباً ۱۸۶۲ء تک انگریز کی سی آئی ڈی ان کے خفیہ نظام کار سے واقف نہ ہو سکی۔ اس کی سراغ رسانی کی درازدستی نہ کسی مرکز کو چھو سکی نہ کسی قافلہ کی گرفت کر سکی اور نہ زر رسانی کے ذرائع اس کو معلوم ہو سکے اور نہ رسل و رسائل کے طریقوں کا پتہ چلا سکی۔

ان کی تفصیلات بطور خلاصہ آپ علماء صادق پور (یعنی شاندار ماضی جلد سوم) میں ملاحظہ فرمایئے۔ اس موقع پر تو ان کے مقصد کی طرف توجہ دلانی ہے۔

مقصد:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے نظریات پر (جو قرآن وحدیث کی روشنی میں مرتب کیے گئے تھے) نظام حکومت کی تاسیس بلاشبہ مقصد عظیم تھا لیکن اس سے بھی اہم مقصد وہ تھا جس کی روح حضرت مجدد صاحبؒ کے اس فقرہ میں پوشیدہ تھی جو آغاز مضمون میں پیش کیا گیا ہے۔ ''کافران فرنگ کا بدترین کفر'' یہ بدترین کفر مجدد صاحبؒ کے زمانہ میں ایک نظری اور فکری مسئلہ تھا لیکن آج نہ صرف طبقہ علماء نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا اس کا مشاہدہ کر رہی ہے۔

غور فرمایئے! کوئی بھی اخلاق سوز عادت ہے جس کا مرکز یورپ اور امریکہ نہ ہو اور اس کے اثرات اقتدار یورپ کے سایہ میں دنیا کے ہر ایک گوشہ میں نہ پہنچ رہے ہوں۔ بے شک سائنسی ترقیات نے انسان کو چاند پر پہنچا دیا مگر کیا انسانیت اور شرافت کو بھی کوئی عروج میسر آیا یا وہ دن بدن تحت الثریٰ سے نیچے زمین کی تہ میں دفن کی جا رہی ہے۔ سائنس بالائے کہکشاں اور اخلاق زیر خاک اور ان کا فاصلہ روز افزوں۔

انسانیت، شرافت، اخلاق اور روحانیت کی ترقی ماہرین سائنس کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں، ان کی تمام ذہنی اور فکری صلاحیتیں ایسے آلات کی ایجاد میں صرف ہو رہی ہیں جن کے

ذریعہ زیادہ سے زیادہ تباہی کم سے کم وقت میں لائی جا سکے۔

فراوانی دولت کی انتہا نہیں۔ ارب اور کھرب جو طلسم ہوش ربا کے فرضی افسانوں کے خیالی عدد تھے۔ آج وہ نہ صرف حکومتوں کے خزانوں بلکہ تباہ کن گولوں اور ٹینکوں کے واقعاتی عدد ہو گئے ہیں لیکن اس فراوانی دولت نے دنیا کو اطمینان بخشا یا پوری دنیا بحران میں مبتلا ہے۔

قرآن پاک کے الفاظ میں ان ترقی پذیر دولت مندوں کی مثال یہ ہے:

کما یقوم الذی یتخبطه الشیطن من المس

''ان کا اُٹھان ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی آسیب زدہ ہو''۔

یہ آگ جس کی لپیٹ میں تمام دنیا آ چکی ہے اس کا تنور سفید فام یورپ ہے۔ مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چشم بصیرت سے اس کا مشاہدہ کر لیا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نظریات پر اگر حکومت قائم ہو جاتی تو وہ آگ کی لپٹوں کو روک سکتی تھی۔ ان کے جانشینوں نے آگ بجھانے کی کوشش کو اپنا فرض سمجھا۔

گاؤں میں آگ لگ جائے تو کامیابی کے امکانات پر بحث نہیں کی جاتی بلکہ بجھانے کی کوشش کو فرض سمجھا جاتا ہے اور اس شخص کو نہایت بے وفا، ہمدردی سے ناآشنا، بزدل اور نا کارہ سمجھا جاتا ہے جو آگ بجھانے کی کوشش میں حصہ نہ لے۔

یہ ہے خلاصہ ان فداکارانِ حق کی کوششوں کا (جس کی آخری کڑی تحریک شیخ الہند ہے)

تحریک شیخ الہندؒ

انقلابی تحریکات میں ایک تحریک وہ ہے جسے ''ریشمی رومال والی تحریک'' کہا جاتا ہے۔ محکمہ خفیہ کے کارپردازوں کو ہمہ دانی کا بہت کچھ دعویٰ ہے۔ ممکن ہے کسی تحریک کے متعلق یہ دعویٰ درست ہو مگر جہاں تک اس تحریک کا تعلق ہے یہ دعویٰ سراسر غلط ہے۔

ایک خط جو ریشمی رومال پر لکھا گیا تھا وہ سی آئی ڈی کے ہاتھ لگ گیا۔ یہی خط سی آئی ڈی کی تجسس و تفتیش کی بنیاد ہے۔ اسی بنیاد پر انہوں نے ایک عمارت کھڑی کی اور اس کا نام ''ریشمی خطوط والی تحریک'' رکھ دیا۔ یہ بنیاد ہی بے بنیاد ہے تو جو عمارت اس پر کھڑی ہوگی وہ بھی سراسر ریگ کا تودہ ہوگی۔

سی آئی ڈی کی رپورٹوں کا ایک طومار ہے جو لندن کے انڈیا آفس میں محفوظ تھا۔ انڈیا آفس سے وہ خارج (ریلیز) کیا گیا تو محترم مولانا موسیٰ بھائی کرماڈی اور ان کے چند مخلص احباب نے اس کے ''فلم'' لے لیے۔ یہ فلم ''جمعیۃ علماء ہند'' کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ ان کا ترجمہ آئندہ صفحات میں آپ کے سامنے ہے۔

یہ خط مولانا عبیداللہ سندھی کا لکھا ہوا تھا۔ سی آئی ڈی نے مولانا سندھی ہی کو اس تحریک کا بانی سمجھ لیا جو سراسر غلط ہے۔ اس خط کی بنیاد پر تحقیق و تفتیش کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ بہت سے حضرات شبہ میں گرفتار کیے گئے۔ عرصہ تک ان کو کسی مقام پر نظر بند رکھا گیا یا جیل میں ڈال دیا گیا تو محکمہ نے یہ سمجھا کہ ہماری جدوجہد نے تحریک کو ختم کر دیا۔ حالانکہ تحریک جس وقت شباب پر تھی سی آئی ڈی کو اس کی کسی پرچھائیں کا بھی پتہ نہ چلا لیکن جب تحریک خود اپنے حالات کی بنا پر افسردہ ہوگئی اور کارپردازوں نے بھی رازداری کو غیر ضروری سمجھا تب سی آئی ڈی کو موقع ملا کہ وہ دعویٰ ہمہ دانی کا سہرا باندھ سکے اور تحریک کی ناکامی کو اپنی جدوجہد کا نتیجہ قرار دے۔

بانی تحریک:

سوال یہ ہے کہ بانی تحریک کے سلسلہ میں ان رپورٹ کرنے والوں کا بیان صحیح مانا جائے یا وہ بیان صحیح مانا جائے جو خود مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اپنی ذاتی ڈائری میں تحریر فرمایا جس کے چند فقرے یہاں نقل کیے جارہے ہیں۔ مولانا سندھی فرماتے ہیں:

۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے مجھے دیوبند طلب فرمایا اور مفصل حالات سن کر دیوبند میں رہ کر کام کرنے کا حکم دیا۔ چار سال تک جمعیۃ الانصار میں کام کرتا رہا۔ اس تحریک کی تاسیس میں مولانا محمد صادق صاحب سندھی اور مولانا ابو محمد صاحب لاہوری اور عزیزی مولوی احمد علی میرے ساتھ شریک تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے ارشاد سے میرا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۳ء میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی۔ اس کے سرپرستوں میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ساتھ حکیم اجمل خاں اور نواب وقار الملک ایک ہی طرح شریک تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے جس طرح چار سال دیوبند میں رکھ کر میرا تعارف اپنی جماعت سے کرایا تھا اسی طرح دہلی بھیج کر مجھے نوجوان طاقت سے ملانا چاہتے تھے۔ اس غرض کی تکمیل کے لیے دہلی تشریف لائے اور ڈاکٹر انصاری صاحب سے میرا تعارف کرایا۔ ڈاکٹر انصاری نے مجھے مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی مرحوم سے ملایا۔ اس طرح تخمیناً دو سال مسلمانانِ ہند کی اعلیٰ سیاست سے واقف رہا۔

۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء میں شیخ الہندؒ کے حکم سے کابل گیا۔ مجھے کوئی مفصل پروگرام نہیں بتایا گیا اس لیے میری طبیعت اس ہجرت کو پسند نہ کرتی تھی مگر تعمیل حکم کے لیے جانا ضروری تھا۔ خدا نے اپنے فضل سے نکلنے کا راستہ صاف کر دیا۔

دہلی کی سیاسی جماعت کو میں نے بتایا کہ میرا کابل جانا طے ہو چکا ہے انہوں نے بھی اپنا نمائندہ بنا دیا مگر کوئی معقول پروگرام وہ بھی نہیں بتا سکے۔

کابل جا کر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ جس جماعت کے نمائندہ تھے اس کی پچاس سال کی محنتوں کا حاصل میرے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیل حکم کے لیے تیار ہے اس

کو میرے جیسے ایک خادم شیخ الہند کی اشد ضرورت تھی۔ اب مجھے اس ہجرت اور شیخ الہندؒ کے انتخاب پر فخر محسوس ہونے لگا[۱۷۳]۔

(۱) اس بیان سے واضح ہو گیا کہ اس تحریک کے بانی مولانا عبید اللہ سندھیؒ نہیں تھے بلکہ (۱۹۱۵ء تاریخ روانگی مولانا سندھیؒ سے) پچاس سال پہلے تقریباً ۱۸۵۶ء میں اس کی بنیاد پڑ چکی تھی اور شیخ الہند رحمہ اللہ ہندوستان میں اس جماعت کے نمائندے تھے۔

(۲) ایک جماعت ہندوستان میں بھی قائم ہو چکی تھی۔ اس کے ارکان مولانا ابوالکلام آزاد ڈاکٹر انصاری مولانا محمد علی اور حکیم اجمل خاں وغیرہ تھے رحمہم اللہ۔ یہ جماعت بھی مولانا سندھیؒ کی جدوجہد سے نہیں بلکہ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک سے قائم ہوئی تھی یا خود ارکان جماعت کے احساس اور ان کے اتحاد فکر نے اس کی بنیاد ڈال دی تھی اور اب حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا سندھی کو اس میں شریک کرایا تھا۔

(۳) یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ مولانا سندھی کا دیوبند سے دہلی منتقل ہونا ذمہ داران دار العلوم کے کسی اختلاف کے باعث نہیں تھا بلکہ جماعت کے پروگرام کے بموجب ان کا کام مرکز علوم دار العلوم دیوبند سے دہلی منتقل کیا گیا تھا جو پورے ہندوستان کا سیاسی مرکز تھا۔

(۴) مولانا سندھی رحمہ اللہ علیہ ۱۹۱۵ء/۱۳۳۳ھ میں کابل تشریف لے گئے وہاں آپ نے ایک جماعت دیکھی جو پچاس سال سے کام کر رہی ہے (یعنی ۱۸۶۵ء/۱۲۸۲ھ سے) یہ وہ زمانہ ہے کہ علماء صادق پور کی جماعت کے امیر مولانا عبداللہ (خلف اکبر حضرت مولانا ولایت علی صاحب) تھے (جو نومبر ۱۹۰۲ء شعبان ۱۳۲۰ھ تک امیر رہے) اور ہندوستان میں اس جماعت کے افراد پر سازش کے مقدمات چل رہے تھے[۱۷۴]۔

(۵) لیکن مولانا سندھی رحمہ اللہ نے جن سے رابطہ قائم کیا وہ اگرچہ اپنی اہمیت اور عظمت کے لحاظ سے جماعت تھے بلکہ ان میں ہر ایک فرد جماعت تھا مگر وہ کسی جماعت سے منسلک نہیں تھے۔

بے شک حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اور ان کے شیخ و مرشد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی و حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہما اللہ کے دامنوں سے وابستہ[۱۷۵] تھے۔ مگر ان کی

خدمات اپنے اپنے حلقوں میں محدود تھیں کوئی جماعتی انسلاک نہیں تھا۔ یہی حضرات تھے جن کے متعلق مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں:

> ''کابل جا کر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ جس جماعت کے نمائندے تھے اس کی پچاس سال کی محنتوں کا حاصل میرے سامنے ''غیر منظّم شکل'' میں تعمیل حکم کے لیے تیار ہے۔'' (علماءِ حق جلد اص ۲۳۱)

پوری تحریک پر اجمالی نظر:

سی آئی ڈی کی رپورٹ بلکہ محکمہ خفیہ کی پوری کارروائی آپ کے سامنے آ گئے آئے گی مگر اس سے تحریک کا قابل اطمینان نقشہ آپ کے سامنے نہیں آ سکے گا۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تحریک کا قابل اطمینان نقشہ آپ کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ یہ نقشہ محترم غلام رسول صاحب مہر کا مرتب فرمودہ ہے۔ وہ اگرچہ تحریک کے رکن نہیں تھے مگر حضرت سیّد احمد شہید رحمہ اللہ کے دور سے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے دور تک جس کی مدت سو سال سے زیادہ ہوتی ہے اس پوری تحریک اور اس کی شاخوں کے کارناموں اور ان کی سرگزشتوں کے حالات کے بہترین محقق اور ماہر ہیں۔ پہلے ان کا مرتب کیا ہوا نقشہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد اس تحریک کے عظیم رکن شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی مرتب فرمودہ روداد پیش کی جائے گی۔ آپ یہ نقشہ اور روداد ملاحظہ فرما لیجیے۔ پھر آپ سی آئی ڈی کی رپورٹ پر علی وجہ البصیرت نظر ڈال سکیں گے۔

شیخ الہند رحمہ اللہ کی تحریک آزادی:

مولانا غلام رسول صاحب مہر تحریر فرماتے ہیں۔ [۱۷۶]

میرے مطالعہ اور غور و فکر کا نچوڑ یہ ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ اپنی عملی زندگی کے آغاز ہی میں ایک نقشہ عمل تیار کر چکے تھے اور اسے لباس عمل پہنانے کی کوششیں انہوں نے اس وقت سے شروع کر دی تھیں جب ہندوستان کے اندر سیاسی سرگرمیاں محض برائے نام تھیں۔

ملک کے حالات کسی تیز تحریک کے لیے ہرگز سازگار نہ تھے۔ مسلمانوں پر حیرانی اور

افسردگی طاری تھی وہ ثریا سے تحت الثریٰ میں جا گرے تھے اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اپنی کھوئی ہوئی حیثیت حاصل کرنے کے لیے کون سا راستہ اختیار کریں اور کس طریقہ عمل پر گامزن ہوں۔ ایسے اصحاب بہت کم نظر آتے تھے جن کے خلوص پر اعتماد کیا جا سکے اور جو پیش نظر مقاصد کے لیے بے تکلف ہر قسم کی قربانیوں پر آمادہ ہوں پھر حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے ایک بڑی مصلحت یہ بھی تھی کہ دارالعلوم دیوبند کو حکومت کے عتاب کا ہدف بننے سے حتی الامکان محفوظ رکھیں۔

اسلامی درسگاہوں کی تحریک:

میرے اندازہ کے مطابق انہوں نے یہ طے کیا تھا کہ جن جن اصحاب میں عملی صلاحیت پائیں انہیں جا بجا خصوصاً ''یاغستان'' (آزاد قبائل) کے مختلف حصوں میں دینی اور اسلامی درسگاہیں قائم کرنے کی ترغیب دیں۔ 'ملا صاحب سنڈاکے'' نے بھی حضرت شیخ الہندؒ سے ملاقات کی تھی۔ انہوں نے جب کام شروع کیا تو ابتدا میں ایک اسلامی درسگاہ ہی قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔

''حاجی صاحب ترنگ زئی'' شیخ الہندؒ سے استفادہ کر چکے تھے۔ ان کے پیش نظر بھی درسگاہیں قائم کرنے ہی کا سلسلہ تھا۔

سیّد عبدالجبار صاحب ستھانوی لکھتے ہیں:

جب مجھے نمائندگان سوات نے بتایا کہ ''ملا صاحب سنڈاکے'' اسلامیہ کالج پشاور کے بالمقابل ایک عالی شان اسلامی درسگاہ کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں تو میں نے ان پر صاف صاف واضح کر دیا کہ یہ اصطلاح ایک خاص جماعت کا شعار ہے جس میں مولوی صاحبان اور علماء شامل ہیں۔ انہوں نے اسلامی درگاہوں کو حکومت برطانیہ کے خلاف تنظیمات کا پردہ بنالیا ہے اور حاجی صاحب ترنگ زئی جو اپنے ضلع میں ایسی درگاہیں قائم کرنا چاہتے ہیں وہ بھی اس حلقہ کے ایک رکن ہیں۔ یہ صاحب کہتے ہیں کہ مجھے یہ تو علم نہ تھا کہ اصطلاح کس نے ایجاد کی اور اس کا مرکز کہاں تھا لیکن طرابلس اور جنگِ بلقان نے واضح کر دیا تھا کہ یورپ کی بڑی بڑی سلطنتیں ترکوں کے دشمن حملہ آوروں کی پشتبانی کر کے خلافت اسلامیہ کو برباد کر دینے کے

درپے ہیں۔ اس پر مسلمانوں میں ہمہ گیر بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ علماء حق خلافت اسلامیہ اور مقامات مقدسہ کی حفاظت کے لیے سرگرم عمل ہو گئے۔ اس سلسلہ میں تبلیغ و اشاعت کے لیے بہترین طریقہ یہ سمجھا گیا کہ گاؤں گاؤں اور بستی بستی میں اسلامی درسگاہیں قائم کر دی جائیں [۱۷۷]۔

صحیح تربیت:

غرض شیخ الہندؒ کا ابتدائی منصوبہ یہی تھا اور اسے حضرت کے تعلیمی مشاغل سے خاص مناسبت تھی۔ یاد رہے کہ سیّد احمد شہیدؒ نے جب مسلمانوں کو بغرض جہاد منظّم کرنے کا قصد فرمایا تھا تو پیروں کے شیوہ کے مطابق مختلف علاقوں کے دورے شروع کر دیے تھے۔ جگہ جگہ وعظ بھی ہوتے۔ بیعت بھی لی جاتی توجہ بھی دی جاتی۔ اس طریقہ کو سیّد شہیدؒ کے مشاغل سے خاص مناسبت تھی میرے نزدیک مولانا محمد قاسمؒ نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی بانیان دارالعلوم دیوبند کا اصل مقصد و نصب العین بھی وہی تھا جس کے لیے کارفرمایانِ دیوبند میں سے صرف حضرت شیخ الہندؒ سرگرم عمل ہوئے۔ اس طریقہ اور شیوہ کے مطابق جلد حسب مراد نتیجے برآمد ہونے کی توقع نہ رکھی جا سکتی تھی، تاہم ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ انقلابی مساعی کے ساتھ ساتھ عوام کی صحیح تربیت کا کام بھی انجام پاتا جاتا۔ جس طرح سیّد شہید کی دعوت اصلاح میں انجام پاتا تھا اس انقلاب سے بڑھ کر مصیبت خیز اور تباہ کن شے کوئی نہیں ہو سکتی جس کے عوام، پیش نظر مقاصد کی تربیت سے کاملاً بے بہرہ ہوں، دریاؤں کا پانی نہروں کے ذریعہ سے کھیتوں میں پہنچتا ہے تو زمین کی اندرونی صلاحیتیں پیداوار کے انبار فراہم کر دیتی ہیں لیکن اگر وہ پانی بے پناہ سیل کی شکل اختیار کر لے تو بستیوں کی ویرانی اور فصلوں کی بربادی کے سوا کیا نتیجہ نکلے گا؟

حوادث کا ہجوم و تواتر:

مجھے یقین ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ مرحوم و مغفور اپنے اسی منصوبے کے مطابق کاربند رہنا چاہتے تھے لیکن حالات کی خوفناک مخالفانہ رفتار اور حوادث کا ہجوم و تواتر ان کے صبر و شکیب کے لیے شدید آزمائشوں کا موجب بن گیا۔

مولانا حسین احمد فرماتے ہیں کہ حضرت کی گہری نظر واقعات عالم بالخصوص ہندوستان اور ترکی پر مرکوز رہتی تھی۔ طرابلس اور بلقان کے زہرہ گداز مظالم اور اندرون ہند میں انگریزوں کی روزافزوں چیرہ دستیوں نے انہیں اس قدر متاثر کیا کہ آرام وچین تقریباً حرام ہو گیا گویا وہ اپنے اختیار سے نکل گئے۔ نتائج وعواقب سے بے پروا ہو کر انہیں سر بکف اور کفن بردوش میدان انقلاب میں نکلنا پڑا۔ زمانہ کی تاریکیاں موسم کی کالی کالی گھٹائیں احوال کی نزاکتیں اہل ہند بالخصوص مسلمانوں کی ناگفتہ بہ کمزوریاں رکاوٹ بن کر سامنے آئیں اور کچھ عرصہ اسی غور و خوض میں گزرا مگر پانی سر سے گزر چکا تھا۔ اس لیے خوب سوچ سمجھ کر صرف قادر مطلق پر اعتماد اور بھروسہ کر کے کام شروع کر دیا۔ [۱۷۸]

ابھی وہ کوئی فیصلہ کن قدم نہ اُٹھا سکے تھے کہ پہلی جنگ یورپ شروع ہو گئی۔ دو تین ماہ بعد ترک انگریزوں کے خلاف جنگ میں شامل ہو گئے۔ گویا اطمینان ودلجمعی سے آہستہ آہستہ کام جاری رکھنے اور نتائج کا انتظار کرنے کی مہلت ختم ہو گئی اور اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ جو کچھ بھی ممکن ہو فی الفور کیا جائے تا کہ انگریزوں کی مشکلات میں اضافہ ہو، ترکوں کو تقویت پہنچے اور ہندوستان کی آزادی کا خواب اپنی صحیح تعبیر سے ہم آغوش ہو جائے۔

فوری کام کی ضرورت:

حضرت شیخ الہندؒ ان تمام اصحاب کی طبیعتوں اور صلاحیت استقامت کا اندازہ فرماتے رہتے تھے جو ان کے پاس تعلیم و استفادہ کی غرض سے آتے۔ ان میں سے بعض موزوں اصحاب کو انہوں نے اپنے کام کے لیے چن لیا تھا۔ انہیں حکم دے دیا کہ جلد سے جلد یاغستان پہنچ جائیں اور آزاد قبائل کو ہندوستان پر حملہ کے لیے اُٹھائیں۔ مولانا عبیداللہ مرحوم کو انہوں نے افغانستان بھیج دیا کہ امیر حبیب اللہ خاں والیٔ افغانستان کو اس نازک وقت میں خدمت اسلام کے لیے جانبازانہ اقدام پر آمادہ کریں۔ حاجی صاحب ترنگ زئی اور ملا صاحب سنڈاکے کے متعلق ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ وہ حضرت شیخ الہند کی تحریک سے وابستہ تھے۔ ان کے علاوہ مولانا سیف الرحمٰن، مولانا محمد میاں عرف منصور انصاری، مولانا فضل ربی، مولانا فضل محمود، محمد اکبر حضرت شیخ کے خاص کارکن تھے۔ خود ہندوستان میں ان کے مخلص کارکنوں کا

شمار مشکل ہے۔ مثلاً مولانا عبدالرحیم رائے پوری، مولانا خلیل احمد، مولانا ابومحمد احمد چکوالی، مولانا محمد صادق (کراچی) شیخ عبدالرحیم سندھی، مولانا عبدالرحیم راندیری، مولانا غلام محمد دین پوری، مولانا تاج محمود (امروٹ ضلع سکھر) ڈاکٹر مختار احمد انصاری، حکیم عبدالرزاق انصاری وغیرہ سینکڑوں ایسے اصحاب ہیں جن کے نام بھی معلوم نہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد،[۱۷۹] مولانا محمد علی، حکیم اجمل خاں، نواب وقارالملک اور وقت کے اکثر بڑے بڑے رہنما حضرت شیخ الہندؒ کے مشیر و معاون تھے۔

مولانا عبیداللہ سندھی:

مولانا عبیداللہ سندھی کابل جانے کے لیے تیار ہو گئے تو اس سلسلہ میں پہلا اہم مسئلہ روپیہ کا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس مقصد کے لیے حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون مرحوم سے ملاقات کی۔ انہوں نے بے تامل پانچ ہزار روپے پیش کر دیے جو مولانا عبیداللہ کو دے دیے گئے[۱۸۰]۔ معلوم نہیں اس کے سوا بھی کوئی رقم ملی یا نہ ملی، دوسرا مسئلہ اخفاء کا تھا۔ خفیہ پولیس مولانا مرحوم پر متعین تھی اور ان کی ہر نقل و حرکت کی نگرانی کی جاتی تھی۔ اس مصیبت سے بچنے کی تدبیر یہ سوچی گئی کہ مولانا بہاول پور اور سندھ چلے جائیں۔ وہاں دیہات میں اس طرح رہنے لگیں گویا کوئی کام ان کے پیش نظر نہیں۔ چنانچہ وہ ۱۹۱۵ء کے اوائل میں دہلی چھوڑ کر پہلے بہاول پور بعد ازاں سندھ پہنچ گئے۔ اس اثنا میں راستہ کے انتظامات بھی کرتے رہے پھر یکا یک نکلے اور ۱۵ اگست کو ''سوریا یک'' کے علاقہ میں داخل افغانستان ہوئے۔ شیخ عبدالرحیم سندھی[۱۸۱] بلوچستان کی آخری حد تک ساتھ رہے۔ قیامِ افغانستان کے حالات کا خلاصہ یہ ہے کہ قندھار ہوتے ہوئے ۱۵ اگست ۱۹۱۵ء کو کابل پہنچے۔ سردار نصراللہ خاں امیر حبیب اللہ خاں اور ان کے فرزند اکبر سردار عنایت اللہ خاں سے ملاقاتیں کیں۔ ترکی اور جرمن مشن آیا اور ہندوستانیوں نے حکومت موقتہ قائم کی تو مولانا بعض وجوہ سے اس کے ہم نوا نہ رہ سکے۔ راجہ مہندر پرتاپ صدر حکومت موقتہ کے متعلق مولانا کو یقین ہو چکا تھا وہ کانگریس کے بجائے ہندو مہاسبھا کے کارندے ہیں اور انہوں نے خود حکومت مؤقتہ کی اسکیم لالہ لاجپت رائے کو دے دی تھی، غالباً اسی اسکیم کی بنا پر لالہ لاجپت رائے نے یہاں افغانوں کے حملہ کا افسانہ تیار کیا تھا۔

حکومت موقتہ کی طرف سے روس، جاپان اور ترکی مشن بھیجے گئے۔ مولانا ان کی تجویز و ترتیب میں شریک رہے۔ افغانستان میں خدام خلق کی ایک جماعت بنائی جس کا نام ''جنود اللہ'' رکھا۔ امیر امان اللہ خاں کے عہد میں ایک ہندوستانی تعلیم گاہ قائم کرنے کی اجازت لی، لیکن برطانوی سفیر نے زور دے کر یہ اجازت مسترد کرا دی۔ ۱۹۲۳ء میں افغانستان سے نکل کر ماسکو اور استنبول ہوتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔[۱۸۲] ۱۹۳۹ء میں وطن واپس آئے۔

ریشمی خطوط:

مولانا نے کابل سے ایک خط ریشمی پارچہ پر لکھ کر شیخ عبدالحق نومسلم کے ہاتھ شیخ عبدالرحیم سندھی کے پاس بھیجا تھا اور تاکید کر دی تھی کہ شیخ صاحب فوراً حجاز چلے جائیں یا کسی معتمد علیہ حاجی کے ذریعہ سے خط حضرت شیخ الہند کو پہنچا دیں۔ شیخ عبدالحق طلباء کے ساتھ ہجرت کر کے کابل پہنچا تھا اور بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ نواز خاں کا ملازم تھا۔ وہ شخص ہر لحاظ سے قابل اعتماد تھا لیکن خدا جانے کیا حالات پیش آئے کہ اس نے خط شیخ عبدالرحیم کے حوالہ کرنے کے بجائے اللہ نواز خاں کے والد خان بہادر رب نواز خاں کو دے دیا۔ ان کے ذریعہ سے پنجاب کے گورنر مائیکل اوڈوائر کے پاس پہنچا۔ اس طرح حکومت کو حضرت شیخ الہند مولانا عبیداللہ اور دوسرے کارکنوں کی تحریک کے کچھ راز معلوم ہو گئے۔ اسی وقت سے شیخ عبدالرحیم کا تعاقب شروع ہو گیا اور حضرت شیخ الہند کو بھی مکہ معظمہ میں گوناگوں حوادث سے گزرتے ہوئے گرفتاری و نظر بندی قبول کرنی پڑی۔ اصل خط کا مضمون غالباً یہ تھا کہ حکومت موقتہ نے افغانستان سے عہد نامہ کر لیا ہے۔ باقی حکومتوں کے پاس بھی سفارتیں بھیجی جا رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں حکومت ترکیہ سے بھی ربط وضبط پیدا کرنا منظور ہے۔ آخر میں حضرت موصوف سے درخواست کی گئی تھی کہ ربط وضبط پیدا کرنے اور معاہدہ کرانے میں امداد دیں۔

اس ریشمی خط کے ساتھ مولانا محمد میاں عرف[۱۸۳] منصور انصاری کی طرف سے بھی ایک خط تھا (رولٹ رپورٹ میں ریشمی خط کے متعلق جو کچھ مرقوم ہے وہ غلط اور ناقص معلومات پر مبنی ہے)۔

حضرت شیخ الہندؒ:

ہندوستان میں گرفتاریاں شروع ہوگئی تھیں۔حضرت شیخ الہندؒ بہت پریشان ہوگئے تھے کہ کہیں بیٹھے بٹھائے گرفتار نہ ہوجائیں اوراس طرح ضروری جدوجہد کے اوقات تعطل میں بسر نہ ہوں۔لہٰذا وہ باہر نکل جانا چاہتے تھے۔انہوں نے اپنے دوسرے مشیر کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزادؒ سے بھی مشورہ کیا۔مولانا آزاد کی رائے قطعی طور پر یہ تھی کہ باہر نہ جانا چاہیے اور یہیں بیٹھ کر کام کرنا چاہیے۔اگر اس اثنا میں گرفتاری ہوجائے تو اسے قبول کیے بغیر چارہ نہ ہوگا۔وہ جانتے تھے کہ باہر جاکر کوئی کام نہ ہوسکتا تھا اور باہر رہ کر معطل بیٹھنے سے اندر رہ کر معطل ہوجانا بہتر تھا۔

حضرت شیخ نے یہی مناسب سمجھا کہ پہلے حجاز پہنچیں، وہاں سے ذمہ دار ترک وزیروں اور ماموروں سے ربط وضبط پیدا کر کے ایران وافغانستان کے راستے یاغستان جائیں چنانچہ چند رفقاء کے ساتھ حجاز چلے گئے۔

حج کیا۔اس وقت ترکوں کی طرف سے غالب پاشا حجاز کا گورنر تھا، مکہ معظّمہ کے مشہور تاجر حافظ عبدالجبار دہلوی کے ذریعہ سے غالب پاشا کے ساتھ ملاقاتیں کیں اوران سے تین تحریریں حاصل کیں۔

(۱) پہلی تحریر مسلمانانِ ہند کے نام تھی۔

(۲) دوسری تحریر مدینہ منورہ کے گورنر بصری پاشا کے نام تھی جس میں مرقوم تھا کہ حضرت شیخ الہند معتمد علیہ شخص ہیں ان کا احترام کیا جائے اورانہیں استنبول پہنچا دیا جائے۔

(۳) تیسری تحریر غازی انور پاشا کے نام تھی کہ ان کے مطالبات پورے کیے جائیں۔

غالب پاشا نے خود حضرت موصوف کو تاکید کی کہ آپ تمام ہندوستانیوں کو آزادی کامل پر آمادہ کریں۔ہم ہر ممکن امداد دیں گے اور صلح کی کانفرنس منعقد ہوگی تو اس میں ہندوستان کے لیے آزادی کامل کی حمایت کریں گے، ان میں سے پہلی تحریر ہندوستان کی تاریخ سیاسیات میں ’’غالب نامہ‘‘ کے نام سے معروف ہوئی۔

انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات:

حضرت شیخ الہندؒ حج سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ چلے گئے اور ابھی وہ استنبول جانے کے لیے تیار نہ ہوئے تھے کہ انور پاشا وزیر حربیہ ترکیہ اور جمال پاشا گورنر شام کے مدینہ منورہ پہنچنے کا تار آ گیا۔ چنانچہ ان سے بھی تخلیہ میں ملاقاتیں ہوئیں۔ جمال پاشا نے وہی مطالب دہرائے جو غالب پاشا حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے پیش کر چکا تھا۔ نیز وعدہ کیا کہ وہ شام پہنچ کر حضرت کے حسب خواہش ترکی، عربی اور فارسی میں ایسی تحریرات بھیج دے گا جنہیں جابجا شائع کیا جا سکے۔ حضرت نے یہ بھی کہا کہ مجھے محفوظ طریق پر حدود افغانستان تک پہنچا دیا جائے تاکہ میں یاغستان چلا جاؤں۔ ہندوستان کے راستہ گیا تو انگریز مجھے گرفتار کر لیں گے۔ جمال پاشا نے اس بنا پر معذوری ظاہر کی کہ روسی فوجیں ایران میں سلطان آباد تک پہنچ گئی ہیں۔ گویا افغانستان کا راستہ کٹ گیا ہے۔ فی الحال آپ کو افغانستان پہنچانا غیر ممکن ہے۔ واپسی میں گرفتاری کا خطرہ ہے تو حجاز یا ترکی عملداری کے کسی دوسرے مقام پر ٹھہر جائیں۔

''غالب نامہ'' کا ارسال:

حضرت خود تو حجاز ہی میں ٹھیر گئے لیکن ''غالب نامہ'' اور دوسرے ضروری کاغذات بطریق محفوظ ہندوستان پہنچانے کی تدبیر یہ سوچی کہ کپڑے رکھنے کے لیے لکڑی کا ایک صندوق بنوایا۔ اس کے تختے اندر سے کھود کر کاغذات رکھ دیے پھر انہیں اس طرح ملا دیا کہ باہر سے دیکھنے والا کتنا ہی مبصر کیوں نہ ہو پتہ نہ لگا سکے بلکہ شبہ بھی نہ کر سکے۔ یہ صندوق مولانا ہادی حسن رئیس خاں جہاں پور (ضلع مظفر گڑھ) اور حاجی شاہ بخش سندھی کے حوالہ کر دیا گیا۔ بمبئی میں جہاز پر سی آئی ڈی بھی موجود تھی اور اہل شہر بھی بکثرت آئے ہوئے تھے۔ انہیں میں سے مولانا محمد نبی[۱۸۴] نام ایک مخلص نے مولانا ہادی حسن صاحب سے کہا کہ اگر کوئی چیز محفوظ رکھنی ہو تو ابھی مجھے دے دیجیے۔ چنانچہ صندوق انہیں دے دیا گیا وہ اسے محفوظ نکال لائے اور توڑ کر تحریریں نکال لیں۔ دہلی میں حاجی احمد میرزا فوٹو گرافر نے ان کے فوٹو لیے اور مولانا محمد میاں عرف منصور انصاری کے ہاتھ یہ تحریریں سرحد بھیج دی گئیں۔ بعد ازاں حضرت نے اپنے ایک

عزیز کو اس خیال سے تحریروں کا راز بتا دیا کہ وہ ہندوستان جا کر ان کے فوٹو لینے اور بجا بجا پہنچانے کا پیغام ارباب کار تک پہنچانے کا انتظام کریں مگر اسے گرفتار کرلیا گیا اور اس نے سب کچھ بتا دیا جس کی بنا پر مختلف اصحاب کی تلاشیاں ہوئیں اور انہیں گوناگوں مصائب سے سابقہ پڑا۔

حضرت شیخ الہند کی اسیری اور رہائی:

شریف حسین نے انگریزوں سے خفیہ عہد و پیمان کر کے ترکوں سے غداری کی اور حجاز میں جتنے ترک موجود تھے وہ سخت و شدید ظلم و جور کا ہدف بنے۔ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفیقوں کو اسیر کر کے شریف نے جدہ پہنچا دیا۔ جہاں سے انگریز پہلے مصر لے گئے پھر مالٹا میں نظر بند کر دیا۔ تین برس سات مہینے کے بعد ۲۰ رمضان ۱۳۳۸ھ (۸ جون ۱۹۲۰ء) کو بمبئی پہنچا کر انہیں رہا کیا۔

زمانہ قیام حجاز میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری حکیم عبدالرزاق انصاری مولانا محمد ابراہیم رندیری وغیرہ نے حضرت کی جو خدمت کی وہ ان کے حسنات عالیہ کا گراں بہا حصہ ہے۔

تحریک انقلاب عرف ریشمی خطوط کی تحریک

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی تحریر فرماتے ہیں

حضرت شیخ الہندؒ [۱۸۵] کی ابتدائی کارگزاری

اس تحریک کے ابتداء میں ضروری سمجھا گیا کہ چونکہ بغیر تشدد (وائلنس) ہندوستان سے انگریزوں کا نکالنا اور وطن عزیز کا آزاد کرانا ممکن نہیں [۱۸۶] ہے اور اس طرح کے انقلاب کے لیے محفوظ مرکز اور مرکز کے علاوہ اسلحہ اور سپاہی (مجاہدین) وغیرہ ضروری ہیں۔ بنابریں مرکز یاغستان (آزاد قبائل) قرار دیا گیا کہ وہاں اسلحہ اور جانباز سپاہیوں کا انتظام ہونا چاہیے اس کے علاوہ چونکہ آزاد قبائل کے نوجوان ہمیشہ جہاد کرتے رہتے ہیں اور قوی ہیکل اور جانباز ہوتے ہیں اس لیے ان کو متفق اور متحد کرنا اور ان میں جہاد کی روح پھونکنا بھی ضروری تصور کیا گیا اور انہی سے کامیابی کی اُمید قائم کی گئی۔ اس بنا پر ضروری سمجھا گیا کہ مندرجہ ذیل امور عمل میں لائے جائیں۔

(الف) ان علاقوں کے باشندوں کے آپس کے نزاعات قدیمہ اور قبائلی دشمنیوں کو مٹایا جائے۔

(ب) ان میں اتحاد اور ہم آہنگی پیدا کی جائے۔

(ج) ان میں جوش جہاد اور آزادی کی تڑپ پیدا کی جائے۔

(د) حضرت سیّد احمد صاحب شہید رحمہ اللہ کے لوگ (جماعت مجاہدین سرحد) جو کہ ستھیانہ اور چمرقند میں مقیم ہیں اور ان میں اور قبائل میں تنفر اور شکر رنجیاں عرصہ سے چلی آتی ہیں

ان کو دور کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس کے لیے مولانا سیف الرحمٰن صاحب کو دہلی سے مولانا فضل ربی اور مولانا فضل محمود صاحب کو پشاور سے بھیجا اور مولانا محمد اکبر صاحب وغیرہ کو آمادہ کیا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اس علاقہ میں بہت سے شاگرد اور مخلص موجود تھے۔ ان سبھوں نے گاؤں گاؤں اور قبیلہ قبیلہ میں پھر کر زمین ہموار کی اور ایک عرصہ میں بفضلہٖ تعالیٰ بڑے درجہ تک کامیابی نظر آنے لگی۔ انہی مقاصد کے لیے بار بار حاجی ترنگ زئی صاحب سے استدعا کی گئی کہ وہ اپنے وطن کو چھوڑیں اور انگریزی حدود سے باہر جاکر ان مقاصد کے لیے کوشش کریں۔ ان کو مختلف مجبوریاں درپیش تھیں۔ ان کو حل کرنے کے خیال سے وہ تاخیر فرما رہے تھے کہ جنگ عمومی چھڑ گئی اور ترک بھی مجبور کر دیے گئے کہ جنگ کا اعلان کر دیں۔ ان کے دو جنگی جہاز جو انہوں نے انگلستان میں بنوائے تھے اور ان پر کروڑوں اشرفیاں خرچ ہوئی تھیں۔ انگریزوں نے ضبط کر لیے اور اسی قسم کے دوسرے غیر منصفانہ معاملات ان سے پیش آئے جو کہ ان کو جنگ میں گھسیٹنے والے تھے۔ یہ ان معاملات کے علاوہ تھے جو کہ طرابلس غرب اور بلقان کریٹ یونان وغیرہ میں قریبی زمانہ میں پیش آئے تھے[۱۸۷]۔ بہر حال ترکی حکومت نے مجبور ہو کر اعلانِ جنگ کر دیا تو اس پر تقریباً آٹھ یا نو محاذوں سے حملہ کیا گیا۔ انگریزوں نے عراق (بصرہ) پر، عدن پر، سویز پر چناق قلعہ پر اسی طرح روس نے متعدد تین چار محاذوں پر۔ اس یورش کی وجہ سے مسلمانوں میں جس قدر بھی بے چینی ہوتی کم تھی۔ چنانچہ احوال موجودہ سے حضرت شیخ الہندؒ نے حاجی ترنگ زئی صاحب کو مطلع کیا اور ضروری قرار دیا کہ وہ یاغستان چلے جائیں اور ضروری کارروائی عمل میں لائیں اسی طرح مرکز یاغستان اور اس کے کارکنوں کو لکھا چنانچہ جب حاجی صاحب مرحوم پہنچے مجاہدین کا جمگھٹا شمار سے زیادہ ہو گیا۔ مجاہدین چمرقند (حضرت سیّد احمد صاحب شہید) کی جماعت بھی مل گئی۔ بالآخر کچھ عرصہ کے بعد جنگ چھڑ گئی اور بفضل تعالیٰ مجاہدین کو غیر متوقع کامیابی ہونے لگی اور انگریزوں کو جانی اور مالی بے حد نقصان اُٹھا کر اپنی سرحد پر لوٹ آنا پڑا اور اپنے استحکامات قدیمہ میں پناہ لینا ناگزیر ہو گیا۔ اس پر انگریز نے بالمقابل متعدد مذکورہ ذیل کارروائیاں شروع کر دیں۔

(الف) فوجوں کو اطراف ہندوستان سے جمع کر کے بڑی مقدار میں سرحد پر بھیجنا۔

(ب) عوام میں پروپیگنڈا کرنا کہ یہ جہاد نہیں ہے۔ جہاد بغیر بادشاہ کے نہیں ہوتا، بغیر بادشاہ کے جہاد حرام ہے۔

(ج) پانی کی طرح روپیہ خرچ کرنا اور اپنے لوگوں کو قبائل کے سرداروں کے پاس بھیجنا اور مال وزر بے شمار دے کر ان کو جماعت مجاہدین اور حاجی صاحب موصوف سے توڑنا۔

(د) عوام میں تبلیغ کرنا کہ مسلمانانِ سرحد اور افغانوں کے بادشاہ امیر حبیب اللہ خاں والیٔ افغانستان ہیں۔ مسلمانوں کو ان سے بیعت جہاد کرنا چاہیے اور اس وقت تک انتظار کرنا ضروری ہے جب تک وہ جہاد کا علم بلند نہ کریں۔

(ہ) اس وقت مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ کاغذوں پر بیعت جہاد کر کے دستخط کریں اور امیر کابل کے نائب السلطنت سردار نصر اللہ خاں کے دفتر میں یہ کاغذات بھیجیں۔

(و) امیر حبیب اللہ خاں کو مختلف وعدوں کے سبز باغ دکھلا کر اور بے شمار اموال اور نقد روپیہ دے کر اپنی طرف مائل کرنا اور جہاد کے لیے کھڑے ہونے سے روکنا اور یہ وعدہ کرنا کہ اس جنگ سے فارغ ہو کر تمہارے لیے فلاں فلاں وعدے پورے کر دیے جائیں گے۔ ان اور ان جیسی دیگر ڈپلومیسیوں کا اثر ہونا طبعی طور پر لازمی تھا۔ چنانچہ اثر ہوا اور بہت برا ہوا مگر اتنا نہ ہوتا اگر مجاہدین کو رسد کارتوسوں کی نیز دیگر اسلحہ کی کمی کی مشکلات نہ پیش آ جاتیں۔ ادھر یہ کیا گیا کہ مسلمانانِ ہند کے ہیجان اور اضطراب کے روکنے کے لیے ہندوستان میں اعلان کیا گیا۔

(۱) ترکوں کو جنگ کے لیے ہم نے مجبور نہیں کیا بلکہ ترک از خود جنگ میں داخل ہوئے ہیں اور ہم ان کے اعلان کی وجہ سے جنگ کرنے پر مجبور ہوئے ہیں (حالانکہ ترکوں کو جنگ پر انگریزوں نے مجبور کیا تھا)۔

(۲) یہ جنگ سیاسی ہے مذہبی نہیں ہے (حالانکہ فتح بیت المقدس پر وزیر اعظم انگلستان لائڈ جارج نے اپنے بیان میں اس کو صلیبی جنگ قرار دیا تھا)۔

(۳) ہم مسلمانوں کے مقدس مقامات، جدہ، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بغداد وغیرہ پر نہ بمباری کریں گے اور نہ کوئی اثر جنگ کا ان مقامات مقدسہ پر پڑنے دیں گے (مگر بالکل اس کے خلاف عمل کیا گیا۔)[۱۸۸]

(۴) ترک مسلمانوں کے خلیفہ نہیں ہیں (حالانکہ ۱۸۵۷ء میں سلطان عبدالمجید مرحوم

سے فرمان مسلمانوں کے لیے انگریزوں سے نہ لڑنے اور ان کی اطاعت کرنے کا بحیثیت خلافت حاصل کیا اور ہندوستان میں پروپیگنڈا کیا کہ خلیفہ کے حکم پر چلنا مسلمانوں کے لیے مذہبی حیثیت سے فرض ہے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن خاں مرحوم والیٔ کابل اپنی تزک میں لکھتے ہیں کہ ''اسی فرمان خلیفہ کی بنا پر سرحدی قبائل ٹھنڈے پڑ گئے تھے''۔ بہرحال ترکوں کے خلیفہ اسلام نہ ہونے اور عدم استحقاق خلافت پر فتوے لکھوائے گئے اور بار بار حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے سامنے دستخط اور تصدیق کے لیے پیش کیے گئے مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور بھرے مجمع میں ان کو پھینک دیا۔

حضرت شیخ الہندؒ کا سفر حجاز:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے پاس برابر کیفیات جہاد کی خبریں آتی رہتی تھیں۔ ابتدائی کمزوریوں میں کارکنان مرکز کا پیغام آیا کہ ہم رسد اور کارتوسوں کے ختم ہو جانے کی وجہ سے سخت مجبور ہیں جب تک ان دونوں کا انتظام نہ ہو جہاد حریت جاری نہیں رہ سکتا۔ بحمد للہ ہمارے پاس بہادر آدمیوں کی کمی نہیں مگر اسلحہ اور رسد کے بغیر ہم بالکل بے دست و پا ہیں۔ ساتھ لائی ہوئی روٹیوں کے ختم ہو جانے پر مجاہد کو اپنے گاؤں جانا پڑتا ہے مورچہ خالی ہو جاتا ہے اور کارتوس کے ختم ہو جانے پر مجاہد بے ہتھیار ہو جاتا ہے۔ اگر کارتوس اور رسد کافی مقدار میں ہو تو توپوں اور مشین گنوں ٹینکوں وغیرہ کا ہم بخوبی مقابلہ کر سکتے ہیں۔ آپ جلد از جلد کسی حکومت کو ہماری پشت پناہی اور امداد کے لیے تیار کیجیے چنانچہ اس امر کی بنا پر شیخ الہند کا ارادہ بدلا[189] اور مولانا عبیداللہ صاحب کو کابل اور خود کو استنبول پہنچانا ضروری قرار دیا۔

چونکہ اس وقت سرحد کے واقعات ہو رہے تھے حکومت بوکھلائی ہوئی تھی اور وہ معمولی شبہ پر بھی گرفتار کر کے نظر بند کر رہی تھی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سی آئی ڈی کی اطلاعات خود ہندوستان میں اور سرحد یاغستان میں بہت زیادہ اور خطرناک تھیں۔ اس لیے بڑی نگرانی ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم نے اسی وجہ سے زور دیا تھا کہ آپ جلد از جلد انگریزی عملداری سے نکل جائیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حجاز جانے کا ارادہ کر لیا۔ پہلے سے کوئی تذکرہ نہ تھا فوراً روانہ ہو گئے۔[190]

حافظ عبدالجبار صاحب دہلوی مرحوم سے مولانا شیخ الہند کی ملاقات:

مکہ معظمہ میں بہت سے ہندوستانی تاجر کاروبار کرتے ہیں مگر دہلی کے تاجر حاجی علی جان مرحوم کے خاندان کی وہاں خصوصی حیثیت ہے۔ تجارت بھی ان کی بڑے پیمانہ پر ہے اور دینداری اور علمی حیثیت بھی ان کی اُونچی ہے۔ اہل شہر اور حکام میں بھی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ اس خاندان کا حضرت سیّد احمد شہیدؒ اور ان کے متبعین مجاہدین ستھیانہ وغیرہ سے بھی قدیمی تعلق ہے اس لیے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حافظ عبدالجبار صاحب سے جو کہ اس خاندان میں معمر، سمجھدار اور امتیازی حیثیت رکھتے تھے ملے اور ان سے معاملات کا ذکر کر کے گورنر حجاز غالب پاشا سے ملاقات کرانے کی استدعا کی۔

گورنر حجاز غالب پاشا سے ملاقات:

انہوں نے اسی وقت ایک ہندوستانی معاملہ فہم نوجوان تاجر کو جو کہ تسبیحوں کی تجارت کرتے تھے اور ترکی اور عربی زبان سے خوب واقف اور وہاں کے ترکی اسکول کے پڑھے ہوئے تھے، بلایا اور حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ کر دیا۔ وہ گئے اور غالب پاشا سے ملاقات کرادی اور جو باتیں حضرت شیخ الہندؒ نے کیں، ان کا ترجمہ کر کے غالب کو سمجھایا۔ غالب پاشا نہایت توجہ اور غور سے تمام باتیں سنتے رہے۔ معمولی ملاقات کے بعد کہا کہ آپ کل اسی وقت تشریف لائیں اس وقت میں جواب دوں گا۔ حضرت شیخ الہندؒ اس روز واپس آ گئے۔ غالب پاشا نے ہندوستان کے معزز تاجروں سے بالا بالا تحقیق کی کہ مولانا محمود حسن صاحب کی حیثیت ہندوستان میں کیا ہے۔ لوگوں نے حضرت کی علمی اور عملی حیثیت شہرت اور قبولیت کی بہت اُونچی شان بتلائی۔ لہٰذا اگلے دن جب حضرتؒ ملاقات کے لیے تشریف لے گئے تو بہت زیادہ اعزاز کیا اور نہایت تپاک سے ملے اور جو کچھ حضرت نے کہا اس کو قبول کیا۔ دیر تک تحریک اور مشن آزادی کے متعلق باتیں ہوتی رہیں۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ میں انور پاشا سے ملنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ ان سے ملنے کی کوئی ضرورت آپ کو نہیں ہے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ انور پاشا ہی کا کہنا ہے مگر حضرت نے انور پاشا سے ملنے پر اصرار کیا تو انہوں نے ایک تحریر

تمام ہندوستانی مسلمانوں کے لیے اپنی طرف سے بحیثیت گورنر حجاز لکھ کردی اور ایک تحریر مدینہ منورہ بصری پاشا کو لکھی کہ یہ معتمد علیہ شخص ہیں ان کا احترام کرو اور ان کو استنبول انور پاشا کے پاس پہنچا دو اور ایک تحریر انور پاشا کے نام لکھ دی کہ یہ معتمد علیہ شخص ہیں ان کے مطالبات پورے کیجیے پھر تحریک آزادی کے متعلق حضرت شیخ کو ہدایات کیں کہ آپ تمام ہندوستان کو آزادی کامل کے مطالبہ پر آمادہ کریں ہم ہر قسم کی امداد کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ ہم سے جو کچھ ہوسکے گا ضرور کریں گے۔ عنقریب صلح کی مجلس منعقد ہوگی تو ہم اور ہمارے حلفاء جرمنی اور آسٹریا وغیرہ ہندوستان کی مکمل آزادی کے لیے پوری جدوجہد کریں گے۔ ایسا نہ ہونا چاہیے کہ ہندوستانی لیڈر سست پڑ جائیں اور انگریزوں کی باتوں میں آ کر اس کے انتداب (مینڈیٹ) یا اس کی تابعداری پر راضی ہو جائیں تمام ہندوستانیوں کو اخباروں، عام مجمعوں، تقریروں، تحریروں، اندرون ہند اور بیرونِ ہند ایک زبان اور ایک قلم ہو کر یہی مطالبہ جاری رکھنا چاہیے اور جب تک مقصد حاصل نہ ہو جائے ساکت نہ ہونا چاہیے۔ اس کا پروپیگنڈا پوری طرح پر جاری کرنا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے آپ کو واپس جانا اور آپس میں اتفاق اور اتحاد کے ساتھ مطالبہ کرنا ازبس ضروری ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ اس وقت انگریز مجھ کو نہایت ہی خطرناک نظر سے دیکھتے ہیں۔ میں اگر ہندوستان جاؤں گا تو راستہ ہی میں گرفتار کرلیا جاؤں گا مگر میں اپنے رفقاء کو اس کام کے لیے تیار کر کے ہندوستان بھیجتا ہوں۔ اگر چہ وہاں کی جماعتیں کانگریس وغیرہ اس پر عمل درآمد کررہی ہیں مگر اب آپ کے حکم کے موافق کوشش زیادہ ہوگی اور پہلے سے زیادہ زوردار طریقہ پر یہ مطالبہ جاری کیا جائے گا۔ میں بالفعل بالا بالا ہندوستان کی مغربی حدود میں جانا چاہتا ہوں۔ وہاں میرے مشن کے لوگ کام کررہے ہیں ان میں مل کر کام کروں گا۔ اس پہلی ملاقات کے بعد جب تک وہ مکہ معظّمہ میں رہے دو تین ملاقاتیں نہایت راز کے ساتھ ہوئیں۔ مکہ معظّمہ کے ہندوستانی باشندوں یا انگریزی سی آئی ڈی کو خبر نہیں ہوسکی پھر غالب پاشا طائف کو اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ مدینہ منورہ کو روانہ ہوگئے۔

حضرت رحمہ اللہ علیہ کا ارادہ تھا کہ مدینہ منورہ میں تھوڑے دن قیام کر کے استنبول کو روانہ

ہوں گے۔ اپنے تمام ساتھیوں مولانا مرتضیٰ حسن صاحب، مولانا محمد میاں صاحب سہول صاحب وغیرہ کو آخری قافلہ میں مدینہ منورہ سے ہندوستان کو روانہ کر دیا۔ جدہ پہنچ کر ان کو کوئی جہاز ہندوستان جانے والا نہ ملا۔ اس لیے وہاں ٹھہرنا پڑ گیا۔ جدا ہوتے وقت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کو دیوبند کے مرکز پر کام کرنے کی ہدایات فرمائیں اور بہت سے خفیہ امور پر مطلع فرمایا اور مولوی محمد میاں صاحب کو جو کہ بعد میں محمد منصور الانصاری کے نام سے مشہور ہوئے خاص شعبوں کی نگرانی سپرد کی۔ غالب پاشا کی تحریر بھی ان کو دی گئی۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اگرچہ پہلے سے اس تحریک آزادی میں شریک نہیں تھے مگر مدینہ منورہ میں پہنچ کر بالکل متحد اور ہم نوا ہو گئے تھے۔

میرا سیاسیات میں داخل ہونا:

میں اس وقت نہ مشن آزادی ہند میں شریک ہوا تھا نہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی عملی سرگرمیوں سے واقفیت رکھتا تھا۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حضرت شیخ الہندؒ نے ایک خصوصی مجلس میں مجھ کو اور مولانا خلیل احمد صاحب کو طلب فرما کر اپنے خیالات اور عملی کارروائیوں سے مطلع فرمایا۔ میں اس وقت تک فقط علمی جدوجہد میں مشغول تھا۔ اگرچہ مدینہ منورہ میں اس سے پہلے جب کہ محاذ سویز کے لیے متطوعین (والنٹیروں) کو بھیجنا شروع کیا گیا تھا ترغیب جہاد پر تقریر کرنے کی نوبت آئی تھی اور اس سے متاثر ہو کر کچھ لوگ اس محاذ پر جہاد کے لیے مدینہ منورہ سے گئے تھے مگر اس کے علاوہ عملی جدوجہد کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے واقعات اور خیالات سن کر میں بھی متاثر ہوا اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بھی۔ یہ وقت میری سیاست کی ابتداء اور بسم اللہ کا وقت ہے اور یہی وقت مولانا خلیل احمد صاحب کی ابتدائی شرکت کا ہے رحمہ اللہ تعالیٰ وارضاہ آمین۔ اس کے بعد مولانا خلیل احمد صاحبؒ جب تک حجاز میں رہے بالکل متفق اور ہم نوا رہے۔[۱۹۱]

انور پاشا اور جمال پاشا کی مدینہ میں آمد اور ملاقات:

اس وقت مدینہ تک حجاز ریلوے جاری تھی ٹرین آتی جاتی تھی۔ ایک روز یکا یک تار آیا

کہ یہ دونوں وزیران جنگ دورہ کرتے ہوئے کل کو مدینہ منورہ پہنچیں گے ہم نے بھی عرضی تیار کی۔ حکومت مدینہ منورہ بھی استقبال کی تیاری میں مشغول ہوگئی اور اہل شہر بھی استقبال کی تیاری میں مصروف ہوگئے۔ چونکہ انور پاشا اس زمانہ میں حکومت ترکیہ کے وزیر جنگ تھے اور جمال پاشا چوتھے فیلق (ڈویژن) کے جو کہ محاذ جنوبی اور غربی پر یعنی میدان سوئز، سینا، حجاز پر متعین تھا کمانڈر تھے۔ اس لیے انور پاشا کا فریضہ تھا کہ مرکز کی خبر گیری رکھتے ہوئے محاذ کی محافظت کریں اور جمال پاشا کو صرف اپنے محاذ کی خبر گیری ضروری تھی۔ اس لیے انور پاشا تمام محاذوں کا دورہ کرتے ہوئے جب محاذ جنوبی غربی پر پہنچے اور سوریا (سیریہ شام) اور سوئز وغیرہ سے فارغ ہوئے تو ضروری معلوم ہوا کہ بادشاہ دو جہاں سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کا شرف بھی حاصل کرلیں۔ اس لیے مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا اور جمعہ کا مبارک دن اس کے لیے مقرر کیا۔ چنانچہ جمعہ کی صبح کو تقریباً ۹ یا ۱۰ بجے وہ اسپیشل ٹرین جس میں یہ دونوں وزراء اور ان کے رفقاء تھے۔ حسب اعلان مدینہ منورہ پہنچی۔ وقت معین سے پہلے مشتاقان ملاقات اور زائرین کی بے شمار تعداد نے تمام اسٹیشن اور اس کے جوانب کو بھر دیا تھا۔ اہل شہر اور حکومت اور فوج کی طرف سے جلوس کا اہتمام کیا گیا تھا۔ (نقش حیات ص ۲۱۸ ج ۲)

میں (مولانا حسین احمد صاحب) تاک میں تھا کہ موقعہ ملے تو انور پاشا کے پاس پہنچوں اور عرضی پیش کردوں چنانچہ قطار چیر کر انور پاشا کے پاس پہنچا اور اس عرضی کو (جس میں حضرت شیخ نے تنہائی میں ملاقات کی استدعا کی تھی) پیش کردی۔ انہوں نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کو دے دی۔ مفتی ماموں بری کو جو کہ مدینہ منورہ میں تمام مذہبی اور دینی طبقات کے رسمی سردار تھے اور نقیب الاشراف شامی رحمہ اللہ کو جو کہ رفقاء انور پاشا میں سے تھے۔ میں نے پہلے سے تیار کر لیا تھا ان کی اعانت اور ہمدردی کی وجہ سے مجھ کو کسی طرف سے روک ٹوک نہیں کی گئی۔ میں عرضی دے کر واپس آیا تو بعد میں معلوم ہوا کہ عرضی پر غور کیا گیا اور دونوں مذکورہ بالا معززین کی مساعی سے مغرب کے بعد کا وقت تنہائی میں ملاقات کا دیا گیا۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اور مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ موقعہ ملاقات پر پہنچے۔ ایک تنہا اور بند کمرے میں ملاقات ہوئی۔ جمال پاشا سے باتیں ہوئیں۔ غالب پاشا کا خط ان کو دکھایا گیا۔ بہت خوش اخلاقی سے

پیش آئے اور تمام باتیں غور اور اطمینان سے سنیں اور فرمایا کہ تحریک مطالبہ آزادی اہل ہند کو متفقہ طور سے جاری رکھنی چاہیے جب تک مقصود یعنی آزادی کامل حاصل نہ ہو جائے ساکت نہ ہوں۔ عنقریب صلح کی مجلس بیٹھے گی۔ ہم اہل ہند کی آزادی کے لیے پوری جدوجہد عمل میں لائیں گے۔ تم لوگ مطمئن رہو اور جس طرح ممکن ہوگا ہم ان کی (اہل ہند) امداد و اعانت کریں گے اس وعدہ اور عہد کے لیے انہوں نے کہا کہ تمہاری خواہش کے موافق تحریر بھی دیں گے ہم نے عرض کیا کہ تحریر صرف ترکی زبان میں نہ ہونی چاہیے بلکہ عربی اور فارسی میں بھی ہونی چاہیے تاکہ اہل ہند سمجھ سکیں۔ انہوں نے اس کو قبول کیا مگر یہ کہا کہ چونکہ یہاں کا قیام حسب پروگرام تھوڑا ہے اور مقامی مشاغل بہت زیادہ ہیں اس لیے ہم شام (دمشق) جا کر تحریریں مکمل کر کے بھیج دیں گے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے مطالبہ کیا کہ مجھ کو حدود افغانستان تک بالا بالا پہنچا دیا جائے ہندوستان کے راستہ سے مجھ کو وہاں تک (مرکز تحریک یاغستان تک) اس وقت پہنچنا غیر ممکن ہے۔ انہوں نے اس سے معذوری ظاہر کی اور کہا کہ روس نے اپنی فوجیں ایران میں داخل کر کے افغانستان کا راستہ کاٹ دیا ہے اور سلطان آباد تک پہنچ گیا ہے۔ اس لیے یہ امر ہمارے قبضہ سے اس وقت باہر ہے یا تو آپ جدہ ہی کے راستہ سے اپنے وطن واپس جائیں اور اگر آپ کو اپنی گرفتاری کا خطرہ ہے تو حجاز یا ترکی کی عملداری میں کسی دوسری جگہ قیام فرمائیں۔ اطمینان بخش باتوں کے ہو جانے کے بعد ہم واپس آ گئے۔ [۱۹۲]

چند گھنٹے بعد یہ حضرات شام کے لیے روانہ ہو گئے پھر دو تین روز بعد حسب وعدہ یہ تحریریں بھی تینوں زبانوں میں مرتب شدہ دونوں وزیروں کے دستخط سے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے پاس بذریعہ گورنر مدینہ شام سے آ گئیں۔

مضمون سب کا ایک ہی تھا صرف زبان کا فرق تھا جس میں ہندوستانیوں کے مطالبہ آزادی کے استحسان اور ان سے اس مطالبہ میں ہمدردی کو ظاہر کرتے ہوئے ان کی اس بارہ میں امداد و اعانت کا وعدہ تھا اور ہر اس شخص کو جو کہ ترکی رعیت یا ملازم ہو، حکم تھا کہ مولانا محمود حسن صاحب (شیخ الہندؒ) پر اعتماد کرے اور ان کی اعانت میں حصہ لے۔ [۱۹۳]

تحریرات اور وثایق کا ہندوستان پہنچانا:

چونکہ حضرت شیخ الہند کو دھن لگی ہوئی تھی کہ جس طرح ممکن ہو میں مرکز تحریک ''یاغستان'' جلد از جلد پہنچ جاؤں (اگر چہ اعلیٰ درجہ کے ترکی آفیسر اس کو پسند نہیں کرتے تھے اور اصرار کرتے تھے کہ آپ ترکی قلم رو میں قیام کر کے یہاں ہی سے اپنی تحریک چلاتے رہیں) اس لیے تجویز فرمایا کہ ان تحریروں کے متعدد فوٹو لیے جائیں اور ہر مرکز اور برانچ پر وہ پہنچا دیے جائیں مگر انگریزی عملداری میں جانے والوں کی چونکہ نہایت ہی سخت تفتیش ہوتی تھی کسی چیز کا نکال کر لے جانا نہایت مشکل ہوتا اس لیے یہ تجویز ہوئی کہ لکڑی کا صندوق کپڑوں کے رکھنے کا بنوایا[۱۹۴] جائے اور اس کے تختوں کو اندر سے کھود کر اس میں کاغذات رکھ دیے جائیں اور پھر تختوں کو اس طرح ملا دیا جائے کہ جوڑ ظاہر نہ ہو۔ اس وقت ایک نہایت ماہر اور اُستاد بڑھئی ہمارے مکان میں لکڑی کا کام کر رہا تھا اس سے کہا گیا اس نے اسی طرح جاوی لکڑی کا صندوق بنا دیا اور کھدے ہوئے تختہ میں کاغذات رکھ کر اس طرح بند کر دیا کہ باہر سے دیکھنے والا کتنا ہی مبصر کیوں نہ ہو شبہ بھی نہ کر سکے۔ صندوق میں کچھ زائد کپڑے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ کے اور کچھ نئے کپڑے اور شامی تھان ریشمین اور غیر ریشمین مشجر وغیرہ کے بچوں اور عورتوں کے لیے رکھ دیے اور چونکہ ہر مہینہ میں تجارتی جہاز مغل کمپنی کا غلہ اور سامان لے کر جدہ آتا تھا اور واپسی پر بقیہ حجاج کو لے جاتا تھا۔ تجویز ہوا کہ اس میں حضرت شیخ الہند کے بقیہ رفقاء اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور ان کے رفقاء روانہ کر دیے جائیں چونکہ زمانہ جنگ کا تھا اس لیے جہازوں کی آمد و رفت عام دستور کے مطابق جاری نہ تھی اس لیے کچھ انتظار کرنا پڑا۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے رفقاء میں سے مولانا ہادی حسن صاحب رئیس خان جہان پور ضلع مظفر نگر اور حاجی شاہ بخش صاحب سندھی (جو کہ حیدر آباد سندھ کے باشندے اور مشن آزادی کے پہلے سے ممبر تھے، باقی رہ گئے تھے اور جانے کا قصد فرما رہے تھے ان کو وہ صندوق دے دیا گیا اور سمجھا دیا گیا کہ اپنے مکان پر ان کاغذات کو نکال لیں اور حاجی نور الحسن (رئیس موضع رتھیڑی ضلع مظفر نگر) کو دے دیں وہ احمد مرزا صاحب فوٹو گرافر دہلی سے ان تحریروں کے فوٹو اُتروا کر چند کاپیاں لے لیں گے اور فلاں فلاں جگہ پہنچا دیں گے۔

حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے رفقاء مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ کو:

حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے رفقاء کا قافلہ ۱۲ جمادی الثانی کو مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر آخر ماہ مذکور میں مکہ معظّمہ پہنچا۔ حضرت شیخ الہند قدس اللہ العزیز نے چند روز مکہ معظّمہ میں قیام فرما کر ''طائف'' کا قصد فرمایا اور ۲۰ رجب کو آپ طائف روانہ ہو گئے مگر حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ اور دیگر رفقاء مکہ معظّمہ میں رہ گئے۔ حضرت شیخ الہندؒ شریف حسین کی بغاوت کی وجہ سے طائف میں محصور ہو گئے۔ جب ۱۰ شوال کو طائف سے واپس ہو کر مکہ معظّمہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ مولانا خلیل احمد صاحبؒ اور دوسرے رفقاء جہاز آ جانے کی وجہ سے جدہ روانہ ہو گئے ہیں چونکہ کوئی خبر حضرت شیخ الہندؒ کے طائف سے واپس ہونے کی نہیں تھی اس لیے یہ سب حضرات بغیر انتظار اور بلا ملاقات روانہ ہو گئے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ضروری سمجھا کہ ان سے وداعی ملاقات کی جائے اس لیے حضرت شیخ الہندؒ بھی جدہ روانہ ہو گئے۔ جب جہاز سامان وغیرہ اُتار کر اور اپنی ضروریات پوری کر کے تیار ہو گیا تو جانے والے حضرات ٹکٹ لے کر سوار ہو گئے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے ساتھ ان کی اہلیہ محترمہ اور حاجی مقبول احمد صاحب تھے اور حضرت رحمہ اللہ علیہ کے ساتھیوں میں سے مولانا ہادی حسن صاحب خان جہان پوری اور حاجی شاہ بخش صاحب سندھی تھے۔ ان سبھوں کو حضرت شیخ الہندؒ نے ساحل (پورٹ) تک رخصت کیا اور جہاز روانہ ہو گیا۔

تحریرات کا ہندوستان پہنچنا اور سی آئی ڈی کی تفتیش سے بچ کر نکل جانا:

بمبئی میں سی آئی ڈی کو اور حضرت شیخ الہندؒ کے مخلصین کو خیال تھا کہ اسی جہاز میں حضرت شیخ الہندؒ تشریف لائیں گے۔ اس لیے انگریزی پولیس سی آئی ڈی اور اہل شہر کا بہت بڑا مجمع جہاز پر پہنچ گیا تھا۔ اسی مجمع میں سے ایک صاحب نے جو حضرت شیخ الہندؒ کے مخلصین میں سے تھے مولانا ہادی حسن صاحب سے کہا کہ اگر کوئی چیز محفوظ رکھنی ہو تو مجھ کو فوراً دے دیجیے۔ میں اس کو نکال دوں گا اور جہاں پہنچانا ہو اس کا پتہ دے دیجیے وہاں پہنچا دوں گا مولانا ہادی حسن صاحب اگرچہ پہلے سے ان سے واقف نہیں تھے مگر ان کے مخصوص انداز سے ان کے اخلاص و

صداقت کا یقین ہو گیا اور صندوق ان کے حوالہ کر دیا۔

یہ صاحب عام مسافروں کے سامان کے ساتھ صندوق قلیوں سے اُٹھوا کر لے گئے اور فوراً اسٹیشن لے جا کر بذریعہ پارسل چلتا کر دیا۔ پولیس اور سی آئی ڈی کو اس کی ہوا بھی نہ لگ سکی (یہ حضرت شیخ الہند کی کرامت تھی) جب یہ صاحب صندوق اُٹھوا کر لے جا رہے تھے اس وقت سی آئی ڈی حضرت شیخ الہند کو ڈھونڈنے میں مشغول تھی۔ جب یہ یقین ہو گیا کہ حضرت شیخ الہندؒ نہیں ہیں البتہ ان کے ساتھ کے کچھ لوگ ہیں تو پولیس نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ اور مولانا ہادی حسن صاحب کو حراست میں لے لیا اور نہایت سخت تلاشی لی حتیٰ کہ ہاتھ کی چھڑی توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دی مگر بحمداللہ کوئی مشتبہ چیز نہیں نکلی پھر ان سب کو پولیس کی حراست میں نینی تال پہنچا دیا گیا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے وہاں پوچھ گچھ ہوئی تو فرمایا کہ میں فلاں جہاز سے فلاں فلاں تاریخ کو گیا تھا۔ مولانا محمود حسن شیخ الہند کا ساتھ نہ جانے میں تھانہ آنے میں البتہ عام حاجیوں کی طرح حج و زیارت میں میری شرکت بھی رہی۔ میں ان کی پارٹی میں نہیں ہوں۔ ایک ہفتہ یا عشرہ حضرت مولانا موصوف کو رکھ کر چھوڑ دیا گیا۔ البتہ مولانا حاجی ہادی حسن صاحب کو روک لیا گیا۔ ان سے بہت زیادہ پوچھ گچھ ہوئی۔ ڈرایا دھمکایا گیا، سختی بھی کی گئی، لالچ بھی دیا گیا مگر یہ نہایت مستقل رہے کسی راز کی خبر نہیں دی۔ جب ہر قسم کی سختی اور طمع دینے پر بھی کوئی بات معلوم نہیں ہوئی تو ایک ماہ بعد آپ کو بھی رہا کر دیا گیا۔

صندوق خان جہان پور میں:

مولانا محمد نبی صاحب کو کسی ذریعہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ صندوق کے تختوں میں کوئی راز کی چیز ہے۔ لہٰذا جیسے ہی صندوق پہنچا اس کے کپڑے نکال کر لکڑی کے دوسرے صندوق میں رکھ دیے اور اس صندوق کو توڑنا شروع کر دیا۔ مولانا کی اطلاع صحیح ثابت ہوئی اور ایک تختہ کے اندر سے یہ تینوں کاغذات برآمد ہوئے۔ فوراً ہی ان کاغذات کو نکال کر محفوظ کر لیا۔

پولیس کی یورش تلاشی اور حضرت شیخ الہندؒ قدس سرہ العزیز کی کرامت:

تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد ایک صاحب کے بیان سے سی آئی ڈی نے پتہ چلا لیا کہ وہ

کاغذات لکڑی کے ایک صندوق میں مولانا ہادی حسن صاحب کے یہاں ہیں۔ فوراً مولانا کے مکان پر پولیس کی دوڑ پہنچی اور مکان کا محاصرہ کرلیا۔ ایک عجیب وغریب اتفاق تھا کہ مولانا محمد نبی صاحب اسی وقت ان تحریروں کو نکالے ہوئے نقل کر رہے تھے۔ سپاہیوں کی دوڑ دیکھ کر جلدی میں ان کاغذات کو موڑ توڑ کر صدری کی جیب میں رکھ لیا اور صدری مردانہ مکان میں ایک کھونٹی پر لٹکا دی۔

تلاشی ایک بجے سے شروع ہوئی اور نہایت سختی کے ساتھ چار بجے تک جاری رہی۔ عورتوں کو ایک کمرہ میں بند کر دیا گیا تھا۔ ہر شخص کی تلاشی لے کر مردانہ مکان میں سے بھی نکال دیا گیا۔ کھیل کھلونوں اور عورتوں بچوں کی ڈبیوں تک کو کھول کھول کر دیکھا گیا۔ کپڑوں کے صندوق کی کمبختی آئی اس کا ایک ایک تختہ توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا گیا مگر جس چیز کی تلاش تھی وہ دستیاب نہ ہوئی کیونکہ یہ صندوق وہ صندوق ہی نہ تھا اور عجیب اتفاق یا حضرت شیخ الہندؒ کی کرامت یہ تھی کہ اس صدری پر کسی کی نظر نہ پڑی جو مردانہ مکان میں سب کے سامنے کھونٹی پر لٹکی ہوئی تھی اور جس میں وہ خزانہ تھا جس کی جستجو میں پولیس سرگرداں تھی۔

چھ گھنٹہ کی سرگرم تفتیش اور تلاشی کے بعد پولیس کو ناکام واپس ہونا پڑا۔ موضع رتھیڑی بھی ضلع مظفر نگر میں ہے یہاں جناب حاجی نور الحسن صاحب رہتے تھے جن کے متعلق حضرت شیخ الہندؒ قدس سرہ العزیز نے یہ طے فرمایا تھا کہ وہ ان تحریروں کے فوٹو لے کر اور اس کی کاپیاں کرا کر فلاں فلاں مرکز میں بھیجیں گے۔ پولیس حاجی صاحب کے یہاں بھی پہنچی مگر ناکام واپس ہوئی۔

حاجی احمد مرزا فوٹو گرافر دہلی کے یہاں تلاشی اور ناکامی:

سراغ رساں نے پولیس کو صحیح بتایا تھا کہ حاجی احمد مرزا صاحب کے یہاں تحریروں کے فوٹو لیے جائیں گے۔ چنانچہ پولیس نے حاجی صاحب کی دکان پر چھاپہ مارا مگر اب تک وہ تحریریں حاجی صاحب کے یہاں نہیں پہنچی تھیں۔ حاجی نور الحسن صاحب رحمہ اللہ اسی وقت ان کو لے کر جا رہے تھے جب حاجی صاحب فوٹو گرافر صاحب کی دکان کے قریب پہنچے تو دیکھا پولیس دکان کا محاصرہ کیے ہوئے ہے۔ حاجی صاحب ان تحریروں کو جیب میں ڈالے ہوئے

اُلٹے پاؤں واپس ہو گئے۔ دوسرے وقت حاجی نورالحسن صاحب مرزا صاحب کی دکان پر پہنچے۔ مرزا صاحب کی ثابت قدمی اور پختگی ملاحظہ کیجیے کہ پولیس ایک دفعہ چھاپہ مار چکی ہے۔ خدشہ اور خطرہ موجود ہے مگر ہر خطرہ سے بے نیاز ہو کر حاجی صاحب نے فوٹو لیے۔ عین اس وقت کہ پلیٹیں پانی میں پڑی ہوئی تھیں اور پانی کا طشت میز کے نیچے رکھا تھا پولیس پہنچ گئی۔ ساری دکان چھان ماری، ہر ایک البم ٹٹولا مگر طشت پر کسی کی نظر نہیں گئی اس کو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی کرامت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے بہر حال پولیس یہاں سے بھی ناکام واپس ہوئی۔

حاجی صاحب کا حسب ہدایت کام کرنا:

فوٹو کی کاپیاں تیار ہو گئیں۔ حاجی نورالحسن صاحب نے ان کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور جہاں جہاں پہنچانے کا حکم تھا پہنچا دیا۔ یہ غلط ہے کہ ان تحریرات کو جلا دیا گیا جیسا کہ مولانا عبیداللہ صاحب اپنی ذاتی ڈائری میں لکھتے ہیں وہ اس زمانہ میں کابل میں تھے ان کو غلط خبر پہنچائی گئی۔ یہ تمام فوٹو ذمہ داران مراکز کے پاس پہنچا تو دیے گئے مگر چونکہ حکومت کی طرف سے تشدد اور چھان بین بہت زیادہ ہو رہی تھی تو ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے ان کو جلا دیا ہوتا کہ کوئی خدشہ باقی نہ رہے۔

ان تحریرات کا کارآمد نہ ہونا:

یہ تحریرات اور وثایق بہت زیادہ کارآمد ہوتے اور حکومت ترکیہ اور اس کے حلیف پوری طرح امداد کرتے مگر قدرت نے پانسہ ہی پلٹ دیا۔ جرمنی اور ترکی کی فتح مندی اور کامیابی کے بعد جب امریکہ انگریزوں کا حلیف ہو گیا اور مسٹر ولسن کے پرفریب نکات سامنے آئے تو یکا یک حالت بدل گئی اور کل کی فتح آج کی شکست بن گئی۔ امریکہ کی بے شمار فوجیں اور لاتعداد ہتھیار جب اتحادیوں (انگریزوں اور فرانس وغیرہ) کی مدد پر آ گئے اور ادھر شریف حسین نے غدر اور خیانت کر کے انگریزوں کی حمایت میں ترکوں اور ان کی قوت کو ہر قسم کا نقصان پہنچایا۔ عربوں اور ترکوں میں انتہائی نفرت پھیلا دی تا آنکہ سوریا، فلسطین، عراق وغیرہ میں عرب کے

عوام ترکوں کو قتل وغارت کرتے تھے اور عرب سپاہی ترکی فوج میں سے بھاگنے لگے اور جدوجہد سے جان چرانے لگے تو طبعی طور پر ہر جگہ ناکامی پر ناکامی ہی سامنے آ گئی اور جو کچھ نہ ہونا چاہیے تھا وہ واقع ہو گیا۔ تفصیلات کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں خدا کا ملک ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے جس سے چاہے چھین لیتا ہے۔

حضرت شیخ الہند کا طائف روانہ ہونا اور محصور ہو جانا:

انور پاشا اور جمال پاشا سے جب تحریری دستاویزیں حاصل کر لیں تو حضرت شیخ الہندؒ کا قصد تھا کہ کسی طرح ایران کے راستے بالا بالا یاغستان (یعنی اپنی تحریک کے مرکز پر) پہنچ جائیں مگر روسی اور انگریزی فوجوں نے راستہ روک لیا تھا۔ جنگی محاذ ان راستوں پر قائم ہو گئے اس لیے یہی قصد فرمایا کہ بحری راستہ سے سفر کیا جائے اور بمبئی نہ جایا جائے بلکہ بلوچستان کے کسی بندرگاہ (مکران وغیرہ) بھیس بدل کر بادبانی جہاز سے پہنچیں اور پھر یاغستان کو وہاں سے روانہ ہو جائیں مگر چونکہ مختلف مصالح سے آخری ملاقات غالب پاشا سے ضروری سمجھتے تھے۔ چند ضروری باتیں اسی ملاقات میں طے کرنی تھیں۔ اس لیے پہلے مکہ معظّمہ اور پھر وہاں سے طائف کے لیے روانہ ہو گئے۔ غالب پاشا ان دنوں طائف میں تھے۔ حضرت نے عام لوگوں سے یہی ظاہر فرمایا کہ مکہ معظّمہ میں ان دنوں گرمی زیادہ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مزار کی زیارت بھی کرنی ہے اس لیے میں طائف میں جا رہا ہوں۔ نصف شعبان تک واپس آ جاؤں گا۔ چنانچہ ۲۰ رجب کو مکہ معظّمہ سے روانہ ہو کر ۲۳ یا ۲۴ رجب کو طائف پہنچے اور دو تین دن کے بعد غالب پاشا سے ملاقات کی۔ کچھ باتیں طے ہوئیں اور کچھ کے لیے دوسری ملاقات کا وعدہ ہوا۔ یہ وقت آنے نہ پایا تھا کہ شریف حسین نے بغاوت کر دی اور ہم سب طائف میں محصو ہو کر رہ گئے۔

ایام حصار میں حضرتؒ ایک مرتبہ غالب پاشا سے پھر ملے۔ پاشا موصوف نے چند اصولی باتیں بتانے کے بعد مجبوریاں ظاہر کیں اور کہا کہ آپ مکہ معظّمہ جا کر ہندوستان کو جلد از جلد چلے جائیں اور ہندوستانی رائے عامہ کو آزادی کامل کے مطالبہ پر متفق کریں۔ مجلس صلح میں جو کہ عنقریب منعقد ہونے والی ہے انگریز پوری کوشش کرے گا کہ ہندوستان آزاد نہ ہو یا کم از کم

ہندوستانیوں کو چاہیے کہ بغیر مکمل آزادی کے کسی چیز پر راضی نہ ہوں۔

تقریباً ڈیڑھ مہینہ محصور رہنے کے بعد اہل طائف کے ساتھ ہم کو باہر جانے کی سہولت حاصل ہوئی اور ۶ شوال کو ہم وہاں سے نکل کر مکہ معظّمہ پہنچے۔ شریف عبداللہ بن شریف حسین باغی کیمپ کا کمانڈر تھا۔ اس نے ایک شب ہماری مہمانداری کر کے صبح کو مکہ معظّمہ تک سواری کا انتظام کر دیا۔ ہم ۱۰ شوال کو مکہ معظّمہ پہنچ گئے۔[195]

حج کے بعد حضرت شیخ الہند کا مکہ معظّمہ میں قیام اور گرفتاری:

حضرت شیخ الہندؒ نے اس سفر میں پہلا حج ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ میں کیا تھا پھر دوسرا حج طائف سے واپسی پر ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ میں کیا۔ قاضی مسعود احمد صاحب اور دوسرے واقف حضرات کے روانہ ہو جانے کے بعد حضرت کو فکر ہوئی کہ جلد از جلد یہاں سے روانہ ہو کر ''یاغستان'' پہنچنے کی کوئی تدبیر ہونی چاہیے۔ حضرت نے بار بار فرمایا کہ مکہ معظّمہ میں ہمارا قیام کسی طرح مناسب نہیں کیونکہ انگریزی حکومت ہم سے بدظن ہی نہیں بلکہ برہم اور مخالف ہے اور شریف حسین انگریزی حکومت کے آلہ کار ہیں۔ لہٰذا کسی بہتری کی توقع عبث ہے اس لیے جلد از جلد کوئی صورت ہونی چاہیے کہ یہاں سے روانہ ہو جائیں لیکن اگر تنہا حضرت کی ذات مبارک ہوتی تو معاملہ آسان تھا مگر یہاں تو صورت یہ تھی کہ حضرت کے ساتھ چند رفقاء تھے جو اپنا سب کچھ قربان کر کے حضرت کے ساتھ ہوئے تھے وہ حضرت کو کسی حال چھوڑنے کے تیار نہیں تھے اور نہ حضرت ان کی جدائی پسند کرتے تھے۔ کیونکہ ترجمہ قرآن شریف کا سلسلہ جاری تھا۔ لہٰذا کتابوں کا بھی ایک ذخیرہ ساتھ رہتا تھا۔ سردی اور گرمی کے کپڑوں کے علاوہ ضعیف العمری اور امراض کی بنا پر دوائیں بھی ساتھ رہتی تھیں۔ اس قسم کی اور ضروریات بھی تھیں۔ ان سب کے حمل ونقل کے لیے چند سواریاں درکار تھیں اور خاموشی سے دفعۃً روانہ ہو جانا مشکل تھا تاہم جب حضرت کا تقاضہ شدید ہوا تو ایسا انتظام کیا گیا کہ خفیہ طور سے یہاں سے روانگی ہو جائے۔

چنانچہ ہم دو چار روز بعد روانہ ہونے والے تھے کہ تدبیر کے راستہ میں تقدیر حائل ہو گئی جس کی تفصیل یہ ہے۔ محرم ۱۳۳۵ھ کی آخیر تاریخوں میں شیخ الاسلام مکہ معظّمہ عبداللہ سراج کی طرف سے نقیب علماء مکہ عصر کے بعد آیا اور کہا کہ مجھ کو شیخ الاسلام نے بھیجا ہے اور حضرت شیخ

الہندؒ سے اس محضر کی تصدیق طلب کی ہے۔ مولانا کے اس پر دستخط کرادو۔ اس کو دیکھا گیا تو عنوان یہ تھا "من علماء مکة المکرّمه المدرسین بالحرم الشریف المکی" (مکہ مکرمہ کے علماء کی جانب سے جو مکہ کے حرم شریف میں درس دیتے ہیں) اور اس میں تمام ترکوں کی تکفیر اس بنا پر کی گئی تھی کہ انہوں نے سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کو معزول کیا ہے۔ شریف حسین کی بغاوت کو حق بجانب اور مستحسن قرار دیا گیا تھا اور ترکوں کی خلافت کا انکار تھا وغیرہ وغیرہ۔

حضرت نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ چونکہ یہ محضران علماء مکہ مکرمہ کی طرف سے ہے جو کہ حرم مکی میں پڑھاتے ہیں اور میں ہندوستان کا باشندہ ہوں اور حرم مکہ میں مدرس بھی نہیں ہوں اس لیے مجھ کو کسی طرح اس پر دستخط کرنا درست نہیں ہے وہ واپس چلا گیا۔

حاضرین میں سے بعض احباب نے کہا کہ اس کا نتیجہ خطرناک ہے۔ حضرت نے جواب دیا کہ پھر کیا کیا جائے نہ عنوان اجازت دیتا ہے نہ معنون۔ معنون میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں وہ سراسر خلاف شریعت ہیں۔ اس کے بعد سنا گیا کہ شیخ الاسلام عبداللہ سراج بہت برہم ہوئے۔ خطرہ تھا کہ وہ لوٹ کر آئے گا اور کچھ جواب دے گا۔

دو چار دن کے بعد شریف حسین خود جدہ گیا اور وہاں سے حکم بھیجا کہ فوراً مولانا محمود حسن اور ان کے رفقاء اور سیّد ہاشم اور حکیم نصرت حسین کو گرفتار کر کے بھیجو۔ اس پر بہت تشویش ہوئی اور مختلف طریقوں سے اس کی منسوخی کا مطالبہ کیا گیا مگر کچھ نفع نہیں ہوا۔[۱۹۶]

یہ تحریک حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی مختصر تاریخ تھی اب محکمہ خفیہ کی رپورٹیں اور تحریریں پیش کی جائیں گی مگران تحریروں سے متعلق چند امور وضاحت طلب ہیں، مہربانی فرما کر پہلے یہ توضیحات ملاحظہ فرمالیجیے۔ پھر چشم بصیرت سے آپ تحریرات پر نظر ڈالیے۔

محکمہ خفیہ کی تحریروں سے متعلق چند توضیحات

وجوہات ناکامی

مقدمہ (پس منظر) کی طویل تحریر کا اتنا خلاصہ یقیناً آپ کے ذہن میں ہوگا کہ جس سے سفید فام یورپ نے کئی سو سال کی غفلت اور جہالت کے بعد ترقی کی طرف قدم بڑھانا شروع کیا تو حق پسند ایثار شیوہ اہل علم کی جماعت برابر کوشش کرتی رہی کہ مشرق کو مغرب کے تسلط سے محفوظ رکھے، کوشش کی صورتیں بدلتی رہیں مگر ان کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔

ہندوستان میں انگریز کا اقتدار، اقتدار یورپ کا نمائندہ تھا۔ اس لیے براہِ راست مقابلہ انگریزی اقتدار سے تھا لیکن مطمح نظر صرف انگریز نہیں بلکہ پورا یورپ تھا مگر اس مقصد کے لیے صرف ہندوستان کے مسلم فدا کار کافی نہیں تھے بلکہ پورے ایشیا اور کم از کم ان ممالک کا اتحاد اور انسلاک بھی ضروری تھا جن کے سربراہ مسلمان تھے۔

مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ نے اسی ہمہ گیر عالمی انقلاب کے پیش نظر عسکری انسلاک اور فوجی تعاون کا ایک منصوبہ بنایا تھا جس میں اسلامی دنیا کے تمام سیاسی سربراہوں اور ممتاز قومی رہنماؤں کے لیے شایان شان منصب معین کیے تھے۔ ''جنود ربانیہ'' اس کا نام تجویز کیا تھا۔

سی آئی ڈی کے مقبوضہ کاغذات میں اس منصوبہ کا مسودہ اور اس کا نقشہ بھی ہے۔ ریشمی خطوط جو اس کے ہاتھ لگے جو اپنے موقع پر پیش کیے جائیں گے ان میں آپ یہ نقشہ ملاحظہ فرمائیں گے۔

یہ منصوبہ لامحالہ طویل المیعاد تھا چند دنوں یا چند مہینوں میں اس کا تعارف بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ ادھر ۱۹۱۴ء کی جنگ یورپ نے تبدیلی حالات کی رفتار کو اتنا تیز کر دیا تھا کہ طویل المیعاد منصوبہ ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ لامحالہ کسی ایسے منصوبہ کی ضرورت تھی جس پر فوراً عمل ممکن ہو۔

شیخ الہند رحمہ اللہ کی جدوجہد جو علاقہ یاغستان (مغربی حصہ کے آزاد سرحدی قبائل) میں عرصہ سے جاری تھی۔ اس کو سامنے رکھتے ہوئے فوری منصوبہ یہ ہو سکتا تھا کہ ان قبائل کو جدید آلات سے مسلح کر کے ان کے لیے اقدام کا موقعہ فراہم کر دیا جائے۔ ترکوں کا تعاون اس ضرورت کو پورا کر سکتا تھا چنانچہ حالات کے پیش نظر شیخ الہند رحمہ اللہ کا فوری منصوبہ یہی تھا۔

اس منصوبے کے تحت حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو تین کام کرنے تھے۔

(۱) ان قبائل کو آمادہ عمل کرنا۔

(۲) ترکوں کو امداد پر آمادہ کرنا۔

(۳) ان قبائل کو ترکوں کی امداد کا یقین دلا دینا۔

سی آئی ڈی کی تحریرات جو آئندہ صفحات میں ہیں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان کی شہادت یہ ہے کہ شیخ الہند رحمہ اللہ نے یہ تینوں فرائض اس طرح انجام دیے تھے کہ سی آئی ڈی کے افسر ابھی بیڈ ٹی سے بھی فارغ نہیں ہوئے تھے۔ ملاحظہ فرمایئے:

انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ریشمی خطوط گزشتہ ماہ (اگست ۱۹۱۶ء) کی ۳۰ تاریخ کو میرے دفتر میں موصول ہوئے۔ یعنی اس وقت جب کہ ایک سال پہلے اگست[۱۹۷] ۱۹۱۵ء میں مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ کابل پہنچ چکے ہیں اور آزاد قبائل میں اپنا کام کر چکے ہیں۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ شوال ۱۳۳۳ھ (اگست ۱۹۱۵ء) میں دیوبند سے روانہ ہو کر ۲۰ ذیقعدہ (۳۰ ستمبر ۱۹۱۵ء) کو مکہ معظمہ[۱۹۸] پہنچ چکے ہیں۔ وہاں غالب پاشا سے ملاقات کر کے فرمان حاصل کر چکے ہیں۔ پھر کچھ دنوں بعد مدینہ طیبہ میں انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات کر چکے ہیں۔ ان کی طرف سے عربی، فارسی اور ترکی تینوں زبانوں میں فرمان حاصل کر کے مولانا ہادی حسن کے ذریعہ ہندوستان اور مولانا محمد میاں منصور انصاری رحمہ اللہ علیہ کے ذریعہ آزاد قبائل میں پہنچا چکے ہیں۔ وہاں ان کی اشاعت ہو چکی ہے اور قبائل کو ترکوں کی امداد کا یقین دلایا جا چکا ہے۔ (ملاحظہ ہو نقش حیات کا طویل اقتباس جو پہلے گزر چکا ہے) یہ سب کچھ مولانا عبیداللہ سندھی کی اس تحریر کے لکھے جانے سے پہلے ہو چکا ہے جو اگست ۱۹۱۶ء میں سی آئی ڈی کے ہاتھ لگی۔

بہرحال جس کام کو محکمہ خفیہ کا کام کہنا چاہیے محکمہ اس کو نہیں کر سکا۔ اس میں قطعاً ناکام رہا لہٰذا تحریک کو ناکام کر دینے کا سہرا اس محکمہ کے سر نہیں باندھا جا سکتا نہ حکومت ہند کی کسی تدبیر کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

ناکامی کا اصل سبب:

وہ ہے جو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے تحریر فرمایا کہ یہ تحریرات اور وثائق بہت زیادہ کارآمد ہوتے اور حکومت ترکیہ اور اس کے حلیف پوری طرح امداد کرتے مگر قدرت نے پانسہ ہی پلٹ دیا۔ جرمنی اور ترکی کی فتح مندی اور کامیابی کے بعد جب امریکہ انگریزوں کا حلیف ہو گیا اور مسٹر ولسن کے پرفریب نکات سامنے آئے تو یکا یک حالت بدل گئی اور کل کی فتح آج کی شکست بن گئی۔ امریکہ کی بے شمار فوجیں اور لاتعداد ہتھیار جب اتحادیوں (انگریزوں اور فرانس وغیرہ) کی مدد پر آ گئے۔ ادھر شریف حسین نے غدر اور خیانت کر کے انگریز کی حمایت میں ترکوں اور ان کی قوت کو ہر قسم کا نقصان پہنچایا۔ عربوں اور ترکوں میں انتہائی نفرت پھیلا دی تا آنکہ عرب، سوریا فلسطین عراق وغیرہ میں عرب کے عوام ترکوں کو قتل و غارت کرتے تھے اور عرب سپاہی ترکی فوج ہی سے بھاگنے اور جدوجہد سے جان چرانے لگے تو طبعی طور پر ہر جگہ ناکامی ہی ناکامی سامنے آ گئی اور جو کچھ نہ ہونا چاہیے تھا وہ واقع ہو گیا۔[۱۹۹]

اسباب ناکامی میں سے ان واقعات کو بھی خارج نہیں کیا جا سکتا کہ

(۱) روس نے اپنی فوجیں ایران میں داخل کر دی تھیں اور افغانستان کا راستہ بند کر دیا تھا۔[۲۰۰]

چنانچہ شیخ الہندؒ نے جب انور پاشا سے مطالبہ کیا کہ:

> مجھ کو حدود افغانستان تک بالا بالا پہنچا دیا جائے تو پاشا نے معذوری ظاہر کی اور کہا روس نے اپنی فوجیں ایران میں داخل کر کے افغانستان کا راستہ کاٹ دیا ہے اور سلطان آباد تک پہنچ گیا ہے۔[۲۰۱]

(۲) حج ۱۳۳۴ھ (اکتوبر ۱۹۱۶ء) سے فراغت کے بعد حضرت شیخ الہندؒ ایسی تدبیر کر رہے تھے کہ بلوچستان کے کسی بندرگاہ پر بادبانی جہاز سے پہنچیں اور وہاں سے یاغستان روانہ ہو

جائیں مگر ابھی مکہ سے روانگی کی صورت نہیں بن سکی تھی کہ جدہ سے شریف حسین کا تار پہنچ گیا کہ مولانا محمود حسن اور ان کے رفقاء کو گرفتار کر کے بھیج دو۔[۲۰۲]

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی اس گرفتاری کو کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان رپورٹوں کا نتیجہ تھا جو خطوط حاصل ہو جانے کے بعد کی گئی تھیں مگر تحریک ماہ جون ۱۹۱۶ء شعبان ۱۳۳۴ء میں ختم ہو چکی تھی۔ جب شریف حسین نے ترکوں کے خلاف بغاوت کر دی تھی اور برطانیہ کا دامن سنبھال لیا تھا۔

سفر کے متعلق اختلاف رائے:

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کا منشا تھا کہ حضرت مولانا ہندوستان ہی میں رہیں اور یہیں گرفتار ہوں لیکن شیخ الہند رحمہ اللہ کی نظر ان مجاہدین پر تھی جو دشمن کے مقابلہ پر بہادری کے اعلیٰ جوہر دکھا سکتے تھے اور دکھا چکے تھے۔[۲۰۳]

مگر اب وہ مجبور اس سے تھے کہ اسلحہ گولہ بارود جو ان کے پاس تھا ختم کر چکے تھے اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے پاس برابر پیغام آ رہے تھے کہ ان کی امداد کی کوئی صورت نکالی جائے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

واقعہ یہ پیش آیا کہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم چھڑ گئی تو حضرت شیخ الہند کی جماعت کے مرکز یاغستان سے جس میں مولانا سیف الرحمٰن صاحب اور حاجی ترنگ زئی صاحب وغیرہ حضرات وہاں موجود تھے اور عرصہ سے جماعت کی تنظیمی ضروریات انجام دے رہے تھے ان کو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ کا حکم پہنچا کہ اب سکون سے کام کرنے کا وقت نہیں۔ میدان میں آ جانا اور سربکف ہو کر کام شروع کر دینا از بس ضروری ہے۔ مرکزی حضرات نے اصرار کیا کہ آپ یہاں پہنچ جائیں تو آپ کی سرپرستی میں ہم بخوبی اپنی جدوجہد جاری کر سکیں گے۔ مگر شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ ہندوستان سے مالی امداد کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ادھر راستہ بھی جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے بہت زیادہ مخدوش ہو رہا تھا اس لیے اس کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ سرحد میں مجاہدین کے اجتماع کو دیکھ کر انگریزی فوج نے حملہ کر دیا۔ مجاہدین نے ڈٹ کر نہایت بے جگری سے مقابلہ کیا اور پلٹنوں کی پلٹنیں انگریزوں کی صاف کر دیں جن کو انگریزوں نے

ظاہر نہیں کیا اور بے شمار قوت سرحد پر پہنچا دی۔ سرحدی مجاہدین نے سرگرمی کے ساتھ مقابلہ کر کے انگریزی طاقت کو بے حد نقصان پہنچایا مگر تا کجے جب کہ انگریز کی ٹڈی دل فوج بے شمار سامان رسد بے انتہا سامان جنگ اور دوسری طرف یاغستان کے مفلس اور بے یارو مددگار عام باشندے نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا جبکہ مجاہد کے کھانے کا سامان ختم ہو جاتا تو اس کو مورچہ چھوڑ کر رسد کے لیے اپنے دور دراز گاؤں لوٹنا پڑتا تھا۔ کارتوس ختم ہو جاتے تو ان کے حاصل کرنے کے لیے مورچہ خالی کرنا پڑتا تھا اس لیے وہاں سے درخواست آئی کہ جب تک کسی منظّم حکومت کی پشت پناہی نہ ہو ہماری شجاعت اور جانبازی بے کار ہے اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ آزاد حکومتوں کی پشت پناہی ضرور حاصل کی جائے۔ بنابریں مولانا عبیداللہ صاحب کو کابل بھیجا گیا اور ٹرکی سے خود جا کر امداد حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔

آپ کے سامنے کیا پیش کیا جا رہا ہے؟

محکمہ خفیہ کی تحریروں کے فوٹو جو انڈیا آفس کے ریکارڈ سے حاصل کیے گئے ہیں۔ ان کے صفحات ایک ہزار سے زیادہ ہیں مگر اس پورے ذخیرہ میں صرف ایک عشر یعنی تقریباً ایک سو پچیس صفحات وہ ہیں جن سے محکمہ کی کارروائی اور تحریک کے واقعات کا علم ہوتا ہے یعنی جن سے تحریک کی تاریخ سامنے آتی ہے۔ انہیں صفحات کا ترجمہ آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کے ماسوا۔

(الف) تقریباً پانچ سو صفحات میں وہ بیانات ہیں جو ان حضرات سے لیے گئے ہیں جن کو ''استغاثہ از ملک معظم بنا عبیداللہ'' میں مدعا علیہم قرار دیا گیا تھا اور اس بنا پر ان کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کیے گئے تھے۔ ۵۹ حضرات تھے۔

ان میں ایک کالا سنگھ کے علاوہ سب مسلمان تھے مگر ان میں سے صرف چودہ کے بیانات لیے جا سکے۔ باقی صاحبان بیانات کے جھمیلے سے آزاد رہے کیونکہ وہ ہندوستان سے باہر جا چکے تھے (پولیس کے الفاظ میں مفرور تھے) یا ہندوستان سے باہر برٹش کے زیر اثر کسی علاقہ میں نظر بند تھے جیسے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء۔

چھ صاحبان اور ہیں جو استغاثہ میں مدعا علیہم نہیں ہیں ان میں سے تین صاحبان سے صرف اس بناء پر بیانات لیے گئے کہ وہ حضرت شیخ الہندؒ سے قرابت یا خدمت گزاری کا تعلق رکھتے تھے۔ باقی وہ تھے جن سے توقع تھی کہ سی آئی ڈی کی منشا کے مطابق شہادت دے سکیں گے۔

مختصر یہ کہ صرف بیس حضرات کے بیانات تقریباً پانچ سو صفحات میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مسطور ذیل میں ان حضرات کے اسماء گرامی ملاحظہ فرمایئے۔ بیان دینے والے حضرات کے اسمائے گرامی کے ساتھ وہ تاریخیں بھی درج کر دی گئی ہیں جن میں بیانات لیے گئے جن سے پولیس کے رویہ کا اندازہ ہوتا ہے کہ کام کو پھیلا کر اور بیان دینے والوں کو بار بار طلب کر کے کس طرح پریشان کیا گیا۔

(۱) مولانا احمد علی پسر حبیب اللہ ساکن چک بابو تھانہ، ضلع گوجرانوالہ عمر تقریباً ۳۰ سال دو بیان پہلے لیے گئے جن کی تاریخ درج نہیں پھر ۳۰، ۳۱ مارچ پھر ۲ اپریل ۱۹۱۷ء کو بیانات لیے (پانچ روز)۔

(۲) مولوی عبداللہ پسر نہال خاں، ذات بلوچ لغاری ساکن موضع گوٹھ ملاں بخش لغاری، تھانہ میر پور ٹھیلو ضلع سکھر عمر ۵۰ سال۔ بیان کی تاریخ درج نہیں۔

(۳) مولوی ابو محمد احمد پسر غلام حسین ذات اعوان ساکن موضع چکوال ضلع جہلم حال امام مسجد صوفی، کشمیری بازار، لاہور عمر ۵۰ سال۔

(۴) سیّد ہادی حسن پسر مہدی حسن خان جہان پوری ضلع مظفر نگر۔ عمر ۳۴ سال ۲۱ ستمبر، ۱۷ اکتوبر، ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۶ء پھر تقریباً ڈھائی ماہ بعد ۵ جنوری، ۱۹۱۷ء کو (کل چار مرتبہ)۔

(۵) مولوی احمد اللہ پسر حاجی سراج الدین ساکن پانی پت محلّہ مخدوم زادگان، ضلع کرنال، عمر ۴۰ سال۔ ۱۱ دسمبر ۱۹۱۶ء کو بیان لیا گیا۔

(۶) سیّد مرتضیٰ حسن ولد حکیم بنیاد علی ساکن چاند پور ضلع بجنور۔ ۵، ۶، ۸، ۱۰،

۱۲،۱۱ اکتوبر ۱۹۱۶ء (چھ روز)۔

(۷) مولوی مطلوب الرحمٰن، ساکن دیوبند۔ ۲۴ ستمبر تا ۲۷ ستمبر (۴ روز)

(۸) مولوی محمد سہول، موضع پرینی، ضلع دربھنگہ صوبہ بہار، وارد حال عالیہ کلکتہ

(۹) مولوی ظہور احمد خاں سہارنپوری ۳، ۴ نومبر ۱۹۱۶ء پھر ۸ مارچ ۱۹۱۷ء (۳ روز)۔

(۱۰) مولوی محمد مبین پسر حاجی عبدالمومن، ساکن دیوبند عمر تقریباً ۳۰ برس ۲۲ تا ۲۴ دسمبر ۱۹۱۶ (۳ روز)۔

(۱۱) مولوی مظہر الدین پسر شیخ علی بخش ساکن شیر کوٹ ۱۴ نومبر پھر ۱۸، ۱۹ نومبر ۱۹۱۶ء کو بیان لیا گیا (۳ روز)۔

(۱۲) مولوی انیس احمد پسر ادریس احمد (بی اے علیگ) ۲۰ نومبر پھر ۲۲ تا ۲۶ نومبر ۱۹۱۶ء (۶ روز)۔

(۱۳) محی الدین احمد خاں قاضی بھوپال پسر نواب شیر علی خاں مراد آباد۔ ۷ دسمبر کو بھوپال میں ان کا بیان لیا گیا۔

(۱۴) نذیر احمد پسر محمود حسین ذات راجپوت موضع ٹمیاں والا ضلع گجرات عمر ۳۰ سال بیان کی تاریخ درج نہیں۔

(۱۵) مولوی محمد حنیف ساکن دیوبند ۱۸ اکتوبر اور ۲۰ اکتوبر کو (۲ روز)۔

(۱۶) مولوی محمد مسعود ساکن دیوبند ۶، ۷، ۸ نومبر پھر ۱۳ نومبر پھر ۲۰ نومبر اس کے بعد ۱۳ دسمبر ۱۹۱۶ء کو چھ متفرق تاریخوں میں ان کے بیانات لیے گئے۔

(۱۷) محمد جلیل پسر محمد اسماعیل، ساکن کیرانہ ضلع مظفر نگر ۱۱ اور ۱۳ نومبر ان کا بیان لیا گیا۔

ان حضرات کے بیانات جو تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہیں ہم ان کو تاریخی دستاویز نہیں قرار دے سکتے۔ کیونکہ ان میں زیادہ سے زیادہ اخفا سے کام لیا گیا ہے اور جہاں تک ممکن

ہوسکا ہے حقائق کے اظہار سے گریز کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان سترہ حضرات میں سے صرف پانچ صاحبان (از ۱ تا ۵) وہ ہیں جن کا تعلق تحریک سے ایک حد تک ذمہ دارانہ رہا ہے۔

۱- وہ بزرگ ہیں جو حضرت مولانا احمد علی لاہوری سابق امیر انجمن خدام الدین کے اسم گرامی اور خطاب سے معروف ومشہور ہیں۔ حضرت مولانا سندھی رحمہ اللہ کا کابل تشریف لے گئے تو ان کے بعد آپ ہی نظارۃ المعارف کے مدیر اور ناظم رہے۔

۲- مولانا عبداللہ صاحب مولانا سندھی کے ساتھ کابل گئے۔ وہاں سے خطوط لانے جو راز داری کے ساتھ شیخ عبدالرحیم سندھی اور شیخ ابراہیم صاحب (سندھی) کو پہنچائے۔

۳- مولانا ابومحمد احمد صاحب رحمہ اللہ جمعیۃ الانصار کی تاسیس میں مولانا سندھی کے شریک رہے پھر اس کے اجلاس عام کو کامیاب بنانے کی کوشش کی۔ اس کے لیے چندہ کیا۔ جمعیۃ الانصار کے نائب ناظم مقرر کیے گئے۔ تحریک کے سلسلہ میں حاجی ترنگ زئی صاحب کے پاس آزاد علاقہ سرحد میں گئے۔ مولانا محمد میاں عرف مولانا منصور انصاری جو غالب پاشا کا خط لے کر آزاد علاقہ میں گئے تھے ان کی مدد کی وغیرہ وغیرہ۔

۴- مولانا سیّد ہادی حسن صاحب وہ بزرگ تھے جن کے پاس تحریک کے سلسلہ کی رقومات بھی رہا کرتی تھیں پھر وہ بکس جس کی تلی میں غالب پاشا اور انور پاشا کے پیغامات تھے انہیں کے سپرد کیا گیا جس کی تفصیل نقش حیات کے حوالہ سے پہلے گزر چکی ہے۔

۵- مولانا احمد اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ اس جماعت کے خازن تھے۔ کارکن حضرات کو رقومات پہنچانا انہیں کے ذمہ تھا۔

ان کے علاوہ ۶ تا ۹ اس بنا پر گرفتار کیے گئے کہ وہ سفر حج میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ساتھ رہے۔ ان کے ساتھ مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ بھی گئے۔

یعنی مولانا مطلوب الرحمٰن صاحب ایگریکلچر ڈیپارٹمنٹ حکومت یوپی میں ملازم تھے۔ رخصت لے کر حج کو گئے تھے۔ ایسے ہی مولانا محمد سہول صاحب بھی مدرسہ عالیہ کلکتہ میں (جو سرکاری مدرسہ تھا) سینئر مدرس تھے۔

۱۰- مولانا محمد مبین صاحب انبالہ میں ایک مدرسہ سے وابستہ تھے۔ تحریک سے صرف اتنا تعلق تھا کہ چندہ کے لیے بنگال گئے تھے۔ اس سفر میں کلکتہ پہنچے تو مولانا آزاد سے بھی ملاقات کی تھی۔

۱۱- مولوی مظہر الدین صاحب شیرکوٹی کا بھی جرم یہی تھا کہ وہ مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کے اخبار الہلال پھر البلاغ وغیرہ میں کام کرتے رہے تھے۔

۱۲- مولوی انیس احمد بی اے وہ عجیب انسان تھا جو نظارۃ المعارف کا متعلم رہا پھر مولانا سندھی اور حضرت شیخ الہند کا حاضر باش رہا لیکن قابل اعتماد کبھی نہیں ہوا۔ مشکوک اور مشتبہ رہا۔ اس کا بیان پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ قابل اعتماد نہیں تھا بلکہ مزاج میں اعتدال بھی نہیں تھا۔

جیسے ہی حضرت شیخ الہندؒ ہندوستان سے روانہ ہوئے اس نے علی گڑھ میں ملازمت کے لیے درخواست دے دی۔ چنانچہ اس کو ایک سو روپیہ کی فیلوشپ مل گئی جیسا کہ خود اس نے اپنے ۲۵ نومبر ۱۹۱۶ء کے بیان میں ظاہر کیا ہے اس کے بعد علی گڑھ کالج کے اسسٹنٹ سیکرٹری ہو گئے۔

۱۳- مولانا قاضی محی الدین صاحب مرادآبادی بھوپال کے قاضی تھے۔ زمانہ طالب علمی سے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے تعلق تھا۔ یہ دونوں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ جب شیخ الہند رحمہ اللہ حج کے لیے تشریف لے گئے تو پرانے ساتھی کو رخصت کرنے کے لیے یہ بھی بھوپال سے بمبئی پہنچ گئے تھے۔ اس دوستی کے اعتماد پر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے ان کو عدن سے ایک کارڈ بھی لکھ دیا تھا کہ ان کے متعلقین کا خیال رکھیں۔

پھر مولانا مرتضیٰ حسن صاحب مولانا محمد میاں صاحب حج سے واپس ہوئے تو ان کے

یہاں قیام بھی کیا تھا۔ باقی جہاں تک حکومت کا تعلق تھا انہوں نے اپنے بیان میں بڑی قوت سے بیان کیا ہے کہ وہ انگریزی حکومت کے وفادار ہیں۔

۱۴- یعنی نذیر احمد پسر محمد حسین کاتب تھے۔ کتابت پیشہ تھا۔ آزاد علاقہ کے مرکز ''اسماس'' میں مقاصد تحریک کی اشاعت کے لیے جو پریس قائم کیا گیا تھا اس میں شائع ہونے والے چند پمفلٹوں (رسالہ جہاد وغیرہ) کی کتابت انہوں نے کی تھی۔ یہی ان کا جرم تھا۔

۱۵- مولوی محمد حنیف صاحب دیوبندی سرکاری اسکول میں ماسٹر تھے۔

۱۶- مولوی مسعود صاحب دیوبندی حضرت شیخ الہندؒ کے داماد تھے۔ تحریک سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

۱۷- مولوی محمد جلیل صاحب دارالعلوم میں پڑھتے تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے یہاں رہتے تھے اور ان کی خدمت بھی کیا کرتے تھے۔ اسی تعلق کی بنا پر ان کو گرفتار کیا گیا اور ان سے بیانات لیے گئے۔

ان سترہ حضرات کے علاوہ تین صاحبان اور ہیں۔

۱۸- عبدالباری بی اے پسر غلام جیلانی ساکن محلّہ قاضی جالندھر۔

۱۹- شجاع اللہ پسر شیخ حبیب اللہ ساکن محلّہ مصدی مل لاہور عمر ۲۳ برس۔

۲۰- عبدالحق (پہلا نام جیون داس ولد لورنڈا رام ساکن موضع ڈار چھا۔ ضلع شاہ پور) ستمبر ۱۹۱۶ء کے شروع میں سی آئی ڈی کے ایک افسر نے ان کا بیان تحریر کیا ہے۔ ان تینوں نوجوانوں کا تعلق ابتدا میں تحریک سے نہیں تھا۔ عبدالباری اور شجاع اللہ کالج کے اسٹوڈنٹ تھے اور عبدالحق ان کے دوست۔ انہوں نے خود اپنے طور پر ترک وطن طے کیا تھا اور کابل پہنچ گئے تھے۔

جب حضرت مولانا سندھی کابل پہنچے تو انہوں نے ان طلبہ کی قدر کی ان کو شریک کار بنایا اور ان سے خدمات لیں۔ عبدالباری اور شجاع اللہ کو مولانا نے خاص مشن پر ترکی بھیجا تھا۔ راستہ میں روسی فوج پڑتی تھی۔ روسیوں نے مشہد میں گرفتار کر لیا۔ بہت کچھ اذیت دی پھر انگریزوں

کے حوالہ کر دیا۔

اپنے بیان میں انہوں نے اپنی پوری سرگزشت بیان کی ہے جو تحریک کے متعلق بھی ایک روشن دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا ہم نے عبدالباری صاحب کا پورا بیان اس تالیف میں شامل کر لیا ہے اور شجاع اللہ کے بیان کے وہ حصے لیے ہیں جو عبدالباری صاحب کے بیان میں نہیں تھے۔ عبدالحق کو بھی ایک مشن پر روانہ کیا گیا تھا یعنی خطوط دے کر سندھ بھیجا گیا تھا مگر ملتان میں اس نے اپنے سابق آقا اور محسن رب نواز خان کے یہاں قیام کیا اور ان کی باتوں میں آ کر وہ خطوط ان کے حوالے کر دیے۔ تفصیل آپ آئندہ ریشمی خطوط سے متعلق سی آئی ڈی کے پہلے نوٹ میں استغاثہ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

بیانات اور ترتیب استغاثہ:

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے اس تحریک کی روداد تحریر فرمائی ہے جو نقش حیات کے طویل اقتباس میں پہلے گزر چکی ہے۔ آپ استغاثہ (از ملک معظم بنام عبیداللہ) ملاحظہ فرمائیں گے۔ آپ کو تعجب ہوگا کہ استغاثہ میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں وہ وہی ہیں جو نقش حیات میں تحریر کیے گئے ہیں۔ اس یکسانیت اور موافقت کی بنا پر شبہ کیا جا سکتا ہے کہ گرفتارانِ بلا میں سے کسی نے اپنی گلوخلاصی کے لیے پوری کہانی سنا دی اور سب راز اُگل دیے اور چونکہ ان میں زیادہ تر وہ ناکردہ گناہ ہیں جو محض رفاقت سفر یا قرابت کی بنا پر پولیس کے لطف و کرم کا نشانہ بنے تو یہ شبہ برمحل بھی ہو سکتا ہے کہ کسی نہ پختہ کار نے پوری داستان سنائی نہ مرد خام نے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ استغاثہ کی ترتیب پولیس کی ہوشمندانہ تدبیر (جس کو عرف عام میں پولیس کی چال کہا جا سکتا ہے) کا سبق آموز نمونہ ہے۔

جب کسی شخص کو بار بار طلب کیا جائے گا اور اس پر سوالات کی بوچھاڑ کی جائے اور کئی کئی روز تک سوالات اور ان پر جرح اور تنقید کا سلسلہ چلتا رہے تو مرد خام تو درکنار کیسا ہی تجربہ کار اور پختہ مغز ہو کوئی فقرہ اس کی زبان سے بھی ایسا نکل جائے گا جو پولیس کی منشا کو پورا کرتا ہو۔

یہ استغاثہ ایسے ہی فقروں کا مرتب مجموعہ ہے۔ یہ پولیس کی فنکاری ہے کہ اس نے ان فقروں کو اس طرح ترتیب دیا کہ ایسی روئداد تیار ہو گئی جو قریب قریب حضرت شیخ السلام کی تحریر

کی موافق ہے جو فقرہ جس کی زبان سے نکلا حاشیہ پر اس کا نام بھی دے دیا گیا ہے۔ اگر چند صاحبان کی زبان سے وہ فقرہ نکلا تو ان چند کے نام اس فقرہ کے سامنے حاشیہ پر درج کر دیے گئے۔

پھر ان بیان دینے والے حضرات کا موازنہ اور تجزیہ کیا ہے کہ کون صاحب اس فقرہ کو دہرا سکتے ہیں۔ اگر ان کو شہادت میں پیش کیا جائے۔ ایسے صاحبان کو سلطانی گواہ لکھ دیا ہے۔ یہ صاحبان جو نہ پولس کی چالوں سے واقف نہ کچہریوں کی پر فریب فضا سے آشنا۔ عام طور پر سچ بولنے کے عادی اور جو فقرہ ان کی زبان سے نکل گیا شاید ان کو اس کا بھی احساس نہ ہو کہ پولیس اس سے اپنا منشا پورا کرے گی۔ ان سے بعید نہ تھا کہ جو فقرہ پہلی مرتبہ زبان سے نکلا ہے جب بیان حلفی کا وقت آئے تو بعینہٖ اسی کو دہرا دیں یہ ان کی صداقت پسندی پولیس کی کامیابی کے لیے وثیقہ تھی۔

بہر حال یہ مرتب استغاثہ جو واقعات کا آئینہ دار ہے کسی رازداں کا افشا راز نہیں بلکہ پولیس کی فنی مہارت کا شاہکار ہے۔ یہ نام جو اصل استغاثہ کے حاشیہ پر درج ہیں ہم نے ان کے اندراج کو غیر ضروری سمجھا کیونکہ نہ یہ فقرہ افشا راز کے طور پر کہا گیا تھا نہ ان صاحبان سے جو عرصہ ہوا وفات پا چکے ہیں اس فقرہ کے بارے میں کوئی تحقیق ہو سکتی ہے پس ان نشانوں کا بے نشان ہونا ہی بہتر ہے۔

(ب) اسی طرح تقریباً ڈیڑھ سو صفحات اور ہیں جن کو نظر انداز کرنا ہم نے ضروری سمجھا تا کہ تالیف میں دور از کار مواد جمع نہ ہو۔ ان ڈیڑھ سو صفحات کی تفصیل نہ صرف دلچسپ بلکہ مضحکہ خیز ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ پولیس نے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے مشہور ہفت روزہ ''الہلال'' کے دفتر پر چھاپہ مارا تو وہاں سے کچھ مسودے کچھ کتابیں اور اخبارات برآمد کیے۔

(ا) جو کتاب پولیس نے اپنے قبضہ میں لی وہ ''الخواطر فی الاسلام'' تھی جو مصری ادیب و مفکر عطاء حسین کی لکھی ہوئی تھی۔ اس میں انگریزوں کے برخلاف ترکوں کی حمایت کی گئی تھی اور مسلمانوں کو جدوجہد اور سعی کی تلقین تھی۔ سی آئی ڈی کی رپورٹ ہے کہ مولوی مظہر الدین

ساکن شیر کوٹ بجنور نے ۱۹۱۵ء کے نصف آخر میں اپنے مالک اور آقا ابوالکلام آزاد کے لیے بغرض اشاعت اس کا ترجمہ اُردو میں کیا تھا اور البلاغ میں اس کی اشاعت ہونے لگی تھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے فرد جرم میں یہ ترجمہ اس لیے داخل کیا گیا کہ ''یہ اسی وقت کیا گیا تھا جب کہ تقریباً ایک برس سے انگریزوں کی ترکوں سے جنگ جاری تھی''۔

منشی تصدق حسین انسپکٹر یو پی سی آئی ڈی نے سب انسپکٹر محمد مظہر کی مدد سے اس کے ہر ایک باب کا خلاصہ مرتب کیا۔ یہ باب وار خلاصہ تقریباً پچاس صفحات پر مشتمل ہے۔

(۲) ''نظارۃ المعارف'' میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھی قرآن حکیم کا درس دیا کرتے تھے۔ اس میں سیاسی مسائل پر بھی روشنی ڈالا کرتے تھے اور جہاد سے متعلق آیات پر سیر حاصل بحث کیا کرتے تھے۔ انیس احمد صاحب بی اے علیگ متعلم نظارۃ المعارف نے حضرت مولانا سندھی رحمہ اللہ کے ان افادات کو دو کتابوں میں مرتب کر لیا تھا۔ کلید قرآن اور تعلیم القرآن سی آئی ڈی نے ان پر بھی قبضہ کیا اور ان کی ترتیب و اشاعت کو سازش کا ایک جز وقرار دیا۔

منشی تصدق حسین مذکور نے ان کا بھی انگریزی میں ترجمہ کیا اور ان کے متعلق تفصیلی نوٹ لکھا جس میں ان کتابوں کے ابواب و مباحث کا خلاصہ پیش کیا جو تقریباً ساٹھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس کے علاوہ بنگال و بہار و اڑیسہ کے شائع ہونے والے ہندوستانی اخبارات حضرت مولانا آزاد کے اخبار ''الہلال، البلاغ'' کے متعدد مضامین اور ان پر تفصیلی نوٹ نیز فتاوی عزیزیہ کا ایک فتویٰ کا ترجمہ جن سے تقریباً تیس صفحات پر کیے گئے ہیں۔

بہرحال یہ ترجمے اور اقتباسات مقدمہ کی کارروائی کے لیے خواہ کتنے ہی مفید ہوں مگر تحریک کی تاریخ کے لحاظ سے بے سود اور طول لاطائل ہیں۔ لہٰذا ان کو بھی پیش نہیں کیا گیا۔

(ج) دو سو سے زیادہ حضرات کے نام اس کیس کے سلسلہ میں آئے ہیں، ایک مستقل حصہ میں ان کا تعارف کرایا گیا ہے Who's who in the Silk Letter Case ریشمی خطوط کیس میں کون کیا ہے؟ اس حصہ کا عنوان ہے جس میں تقریباً دو سو صفحات مکمل ہو گئے ہیں۔ یہ پورا حصہ انشاء اللہ آخر میں پیش کیا جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ اس وقت آپ کے سامنے چھ باب پیش کیے جا رہے ہیں۔

(۱) محکماتی کارروائی مثلاً تاریا آرڈر جو وائسرائے یا دوسرے افسروں کی طرف سے دیے گئے یا ان کو دیے گئے۔

(۲) سی آئی ڈی کی رپورٹوں کے پیش نظر پورے کیس کا خلاصہ۔

(۳) استغاثہ از ملک معظم بنام عبید اللہ وغیرہ۔

(۴) عبدالباری صاحب اور شجاع اللہ صاحب کے بیانات۔

(۵) خطوط کے ترجمے۔

(۶) ریشمی خطوط کے کیس میں کون کیا ہے؟

چند مغالطے:

(۱) استغاثہ کے آخر میں ایک عنوان ہے۔ مقدمہ کا مذہبی پہلو۔ رپورٹ مرتب کرنے والے کے نزدیک مذہبی پہلو یہ ہے کہ جہاد اور جہاد کے لیے اشتعال دلانا 'فرض ہونا کجا جائز بھی نہیں بلکہ فی الحقیقت حرام ہے اگر کوئی شخص ایسے خیالات کی حوصلہ افزائی کرے تو وہ مملکت کے خلاف ایسے جرم کا ارتکاب کرتا ہے جس کے لیے شرعی طور پر مکلّف ہونے کا عذر بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ممکن ہے کچھ علماء کے اقوال اور فتاویٰ ایسے ہوں جن کی بنا پر سی آئی ڈی کا یہ فتویٰ صحیح کہا جاسکے مگر عجیب بات یہ ہے کہ سی آئی ڈی نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اور خود حضرت شیخ الہندؒ کے فتویٰ کو اس رائے کی بنیاد قرار دیا ہے استغاثہ میں ہے۔

شاید اس سلسلہ میں سب سے زیادہ گراں قدر فیصلہ وہ فتویٰ ہے جو ۱۸۹۸ء میں مرحوم مولانا رشید احمد گنگوہی نے جاری کیا تھا کیونکہ اس پر دوسرے علماء کے علاوہ مولانا محمود حسنؒ کے بھی دستخط ہیں کہ مسلمان مذہبی طور سے پابند ہیں کہ حکومت برطانیہ کے وفادار رہیں خواہ آخر الذکر سلطان ترکی ہی سے برسر جنگ کیوں نہ ہو۔

اس فتوے کے مستفتی کون تھے؟ سوال کے الفاظ کیا تھے؟ کیا ۱۸۹۸ء میں انگریزوں کی ترکوں سے جنگ ہو رہی تھی؟ ان سوالات میں سے کسی پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی حوالہ یہ دیا گیا ہے۔

”ترکی کے موجودہ جنگ میں شامل ہونے سے کچھ دن پہلے ہی یہ فتویٰ البشیر میں طبع ہوا ہے۔“

البشیر اخبار ہے یا رسالہ، کہاں سے شائع ہوتا ہے۔ ٹرکی کے موجودہ جنگ میں شامل ہونے سے کچھ دن پہلے۔ تاریخ ندارد، مہینہ کا بھی نام نہیں۔

ترکی اس جنگ میں نومبر ۱۹۱۴ء میں شامل ہوا۔ خلاصہ یہ کہ ۱۶ سال تک یہ فتویٰ سربستہ راز رہا۔ حضرت گنگوہیؒ کے سینکڑوں شاگردوں اور ہزاروں مریدوں اور لاکھوں متوسلین میں سے کسی کو بھی اس کا علم نہیں ہوا۔ شاید محکمہ خفیہ کے کسی افسر کے بازو پر تعویذ کی طرح بندھا رہا حتیٰ کہ اگست ۱۹۰۵ء حضرت گنگوہی کی بھی وفات ہوگئی۔ سولہ سال بعد جب کہ حضرت گنگوہی کی وفات کو بھی نو سال ہوگئے تھے یکایک طلسمی قوت سے البشیر کے نامعلوم ایڈیٹر صاحب کے پاس پہنچ گیا اور نامعلوم ایڈیٹر صاحب نے کسی مقام سے نہیں بلکہ لامکان سے کسی غیر معین تاریخ میں شائع کر دیا۔

سی آئی ڈی کی اس مسل میں بہت سی تحریروں کے فوٹو شامل ہیں مگر یہ فتویٰ ایسا ہے کہ اس کا فوٹو تو کیا تاریخ اشاعت بھی درج نہیں۔

بہرحال افتراء اور اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے وہ جعل اور وہ چال ہے جس کے لیے ہندوستانی پولیس بدنام ہے۔

جہاں تک شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کا تعلق ہے تو اس الزام کی حقیقت یہ ہے کہ دروغ گویم بروئے تو۔ باقی حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے متعلق اس فتویٰ کا امکان اس وقت ختم ہوگیا تھا جب آپ نے مولانا سعد الدین صاحب کشمیری کے استفتاء کے جواب میں مبسوط اور مدلل فتویٰ صادر فرمایا تھا جس میں سات صفحہ کی مفصل اور مدلل تحریر کے بعد بطور نتیجہ فرماتے ہیں:

”اکنوں حال ہند را خود غور فرمایند کہ اجراء احکام کفار نصاریٰ دریں جا بچہ قوت و غلبہ است۔ اگر ادنیٰ کلکٹر حکم کرد کہ در مساجد جماعت ادا نکنید۔ ہیچ کس از امیر و غریب قدرت ندارد کہ اداء آں نماید۔

ترجمہ ''اب ہندوستان کی حالت پر آپ خود غور فرمایئے کہ اس جگہ کفار نصاریٰ کے احکام کا اجراء اس وقت غلبہ کے ساتھ ہے کہ اگر ایک ادنیٰ کلکٹر حکم کردے کہ مسجد میں جماعت ادا نہ کریں تو کسی بھی امیر یا غریب کی مجال نہیں رہتی کہ مسجد میں جماعت ادا کر سکے۔''

چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

بہرحال تسلط کفار بر ہند بداں درجہ است کہ در ہیچ وقت تسلط کفار بدار الحرب زیادہ ازیں بنود وادا۔ مراسم اسلام از مسلمانان محض باجازت ایشاں است از مسلمانان عاجز تریں رعایا کسے نیست۔ ہنود را ہم رسوخ است۔ مسلماناں رانیست۔

ترجمہ: بہرحال کفار نصاریٰ کا تسلط ہندوستان میں اس درجہ ہے کہ کسی وقت کسی کافر کا دارالحرب پر اس سے زیادہ غلبہ نہیں ہوا اور جو اسلامی رسومات اور شعائر مسلمان یہاں ادا کرتے ہیں وہ صرف ان کی اجازت سے۔ کوئی رعایا مسلمانوں سے زیادہ عاجز نہیں۔ ہندو کو بھی ایک رسوخ حاصل ہے۔ مسلمانوں کو وہ بھی نہیں۔ (علماء حق ص ۹۶، ۹۷ جلد اوّل)

اس سلسلہ میں دلچسپ بات یہ ہے کہ استغاثہ مرتب کرنے والے صاحبان شاید حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ میں فرق نہیں کر سکے۔ یہ دونوں بزرگ حضرت حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ مہاجر مکی سے بیعت تھے۔ ان کے خلیفہ مجاز تھے اور ۱۸۵۷ء کی تحریک حریت میں حضرت حاجی صاحبؒ کے ساتھ دونوں نے حصہ لیا۔ مقام شاملی پر جو معرکہ ہوا اس میں دونوں شریک تھے۔ تحریک ناکام ہوئی اور تحریک میں حصہ لینے والوں کی گرفتاریاں شروع ہوئیں تو ان دونوں کے بھی وارنٹ جاری ہوئے چنانچہ حضرت گنگوہیؒ تو گرفتار کر لیے گئے ان پر مقدمہ چلا ان کو سزا ہوئی، اگرچہ حسن اتفاق کہ چھ ماہ بعد رہائی ہوگئی مگر عجیب اتفاق کہ حضرت مولانا محمد قاسم گرفتار نہیں ہو سکے۔ ایک روز وہ دیوبند میں اپنے مکان کے قریب چھتہ کی مسجد میں تھے۔ پولیس انسپکٹر ان کے پاس پہنچا خود ان سے دریافت کیا

کہ محمد قاسم کہاں ہے۔ مولانا نے اپنی جگہ سے ذراہٹ کر جواب دیا کہ ابھی یہیں تو تھے' انسپکٹر پولیس مسجد میں مولانا کو تلاش کرنے گیا اور مولانا سامنے سے نکل کر کہیں چلے گئے۔ پھر پولیس ان کو نہیں پا سکی۔ یہاں تک عام معافی کا اعلان کیا گیا لیکن استغاثہ مرتب کرنے والے صاحب فرماتے ہیں۔ وہ گرفتار کیا گیا اس پر مقدمہ چلا وہ بری ہو گیا۔ (فقرہ نمبر ۵)

(۳) پنجاب کے کچھ طلبہ اپنے کالجوں سے نکل کر سرحد پار پہنچ گئے۔ یہ خود ان کا جذبہ تھا۔ ان طلبہ میں عبدالباری بھی تھے جن کا بیان آپ آئندہ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان کا بیان یہ ہے کہ ترکوں سے جنگ کے علاوہ برطانیہ کی طرف سے ترکوں کے خلاف جو غلط پروپیگنڈا کیا جا رہا تھا حتیٰ کہ کہا جاتا تھا کہ ترک، جرمنی کے سربراہ (قیصر جرمنی) کو رسول اللہ کہتے ہیں (معاذ اللہ) اور کلمہ توحید اس طرح پڑھنے لگے ہیں ''لا الٰہ الا اللہ قیصر رسول اللہ'' برطانیہ کی ان حرکتوں نے ان کو متنفر کیا یہاں تک کہ اس کے زیر حکومت رہنے سے ان کو نفرت ہو گئی اور وہ وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

لیکن مسٹر ڈی۔ وی۔ دیان نے جو ریشمی خطوط کے کیس کا خلاصہ مرتب فرمایا اس میں فرماتے ہیں کہ ''طالب علموں کی ہجرت کا محرک اصلی مولوی عبیداللہ ہے۔

حالانکہ عبدالباری صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں مولانا سندھی سے ان طلبہ کی ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ عبدالباری صاحب کا بیان ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد ہجرت کرنے کے خلاف تھے۔ فرمایا تھا کہ باہر جا کر کچھ نہیں کر سکو گے۔

مگر سی آئی ڈی نے بلا کسی دلیل کے ہجرت کا محرک مولانا عبیداللہ کو قرار دیا اور چونکہ اس تحریک کا بانی حضرت شیخ الہندؒ کے بجائے مولانا سندھی کو قرار دیا تو ہجرت کو بھی تحریک شیخ الہندؒ کا ایک منصوبہ قرار دے دیا۔ چنانچہ مقاصد سازش کے حصول کے طریقوں میں ہجرت کو بھی شامل کر دیا۔ (ملاحظہ ہو استغاثہ کا فقرہ نمبر ۳)

بہر حال سی آئی ڈی کا پہلا مغالطہ یہ تھا کہ تحریک کا بانی مولانا عبیداللہ سندھی کو قرار دیا۔ اسی طرح دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ ہجرت کو بھی تحریک کا ایک منصوبہ قرار دے دیا۔

مہتمم صاحبان اور شیخ الہندؒ میں اختلاف:

کیس کے خلاصہ اور استغاثہ میں ایسے الفاظ آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سندھی کے سبب سے دارالعلوم کے اساتذہ میں اختلاف ہو گیا تھا۔ اس بنا پر مولانا سندھی کو برطرف کر دیا گیا۔ (خلاصہ کیس فقرہ نمبر ۴)

مولانا محمد احمد مہتمم اور مولانا حبیب الرحمٰن نائب مہتمم رحمہما اللہ کے رویہ سے جو حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ تھا تلخی پیدا ہوئی (استغاثہ فقرہ نمبر ۱۳)

وجہ یہ تصنیف کی ہے کہ مہتمم اور نائب مہتمم یہ محسوس کرتے تھے کہ مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کے احترام کے سبب سے ان کا اثر کم ہو رہا ہے (فقرہ نمبر ۱۳)

تلخی کی دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ مہتمم صاحب نے مولوی محمد میاں کو کسی قصور کی بنا پر مولانا کے مشورے یا اطلاع کے بغیر دیوبند سے رخصت کر دیا تھا جو ان کے نزدیک ان کی شان کے خلاف تھا (فقرہ نمبر ۱۴)

بعض گواہوں مثلاً مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے بیان میں بھی اختلاف کا ذکر ہے کہ جمعیۃ الانصار کے سلسلہ میں مولانا حبیب الرحمٰن اور مولانا عبید اللہ رحمہما اللہ کے درمیان اختلاف ہو گیا تھا۔ مولانا عبید اللہ چاہتے تھے کہ طلبہ قدیم کا مدرسہ کے اہتمام میں ہاتھ ہو جبکہ مولانا حبیب الرحمٰن اس کے خلاف تھے۔

تبصرہ:

رپورٹ یا کیس کے خلاصہ میں دونوں مہتمم صاحبان میں سے کسی کا بھی کوئی ایسا کارنامہ نقل نہیں کیا گیا جس سے معلوم ہو کہ ان حضرات نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ یا ان کی تحریک کے خلاف حکومت کی یا سی آئی ڈی کی کوئی مدد کی۔ صرف یہ کہ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نام کے ساتھ ان کا خطاب بھی لگا دیا ہے (شمس العلماء حافظ محمد احمد صاحب (استغاثہ فقرہ نمبر ۹ وفقرہ نمبر ۱۳ وغیرہ) ایک یادداشت میں وفادار کا لفظ استعمال کیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے وفادار پرنسپل (ریشمی خطوط کے معاملہ میں دوسری یادداشت)۔

البتہ یہ ضرور ہوا کہ اس تحریک کے زمانہ میں مہتمم صاحبان نے حکومت کے ذمہ داروں سے تعلق رکھا۔ حتیٰ کہ گورنر یوپی کو دارالعلوم دیوبند میں مدعو کیا۔ اس کو ایڈریس بھی پیش کیا اور اس تعلق کا نتیجہ تھا کہ حافظ صاحب کو شمس العلماء کا خطاب دیا گیا۔

سوال یہ ہے کہ جو کچھ ہوا اس کا سبب یہ تھا کہ مدرسہ کے بعض اساتذہ اور حضرت مہتمم صاحبان فی الواقع تحریک کے مخالف اور حکومت کے بہی خواہ تھے یا یہ رویہ بتقاضائے مصلحت اختیار کیا گیا تھا۔ بہتر یہ ہے کہ ان امور میں اپنی رائے یا سی آئی ڈی کی تخلیق کی بجائے ہم حضرت شیخ الہندؒ کے جانشین اور ان کے سب سے زیادہ معتمد شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے دریافت کریں ان کا جواب ہی سند اور قابل اطمینان حجت ہونا چاہیے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے ارباب اہتمام کے سامنے دارالعلوم کی بقا و تحفظ کا سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کے واقعات اور اس کے بعد انگریزوں کی پالیسی ان کے سامنے تھی۔ انہوں نے مولانا عبیداللہ کی سرگرمیوں کو نہ صرف دارالعلوم دیوبند بلکہ عام مسلمانوں کی پالیسی کے لیے بھی خطرناک تصور کیا اور اپنے خیال کے مطابق ضروری سمجھا کہ مولانا سندھی کا تعلق اس مرکز سے نہ رہے۔ اسی زمانہ میں اتفاق سے چند علمی مسئلوں میں مولانا سندھی اور دارالعلوم کے دوسرے علماء کے درمیان اختلاف پیدا کرا دیا گیا۔ اس اختلاف کو وجہ قرار [۲۰۴] دے کر مولانا سندھی کو دارالعلوم سے رخصت کر دیا گیا۔ چنانچہ رولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔ اس اختلاف نے اگرچہ دارالعلوم کے اساتذہ، ملازمین اور عام طلبہ کو حضرت مولانا سندھی سے بہت زیادہ بعید کر دیا تھا لیکن حضرت شیخ الہندؒ سے تعلق میں کوئی فرق نہیں آیا۔ خفیہ آمد و رفت جاری رہی۔ رات کی اندھیری میں دیوبند سے باہر ملاقاتیں ہوتی تھیں اور ضروری باتیں انجام دی جاتی تھیں۔

اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ نے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحب مرحوم نے مولانا سندھی کے نام مکہ معظّمہ کے قیام کے

زمانہ میں پیغام بھیجا تھا کہ قیام دیوبند کے زمانہ میں غلط فہمی کی وجہ سے میں آپ کے لیے تکلیف کا باعث بنا اب میرے دل میں آپ سے کوئی رنج نہیں ہے۔ اُمید ہے کہ آپ بھی معاف فرمائیں گے۔ (نقش حیات میں ص ۱۴۴ ج ۲)

حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ کی تحریر بالا میں اساتذہ ملازمین اور عام طلبہ کے متعلق تحریر ہے کہ ان کو بعید کر دیا تھا لیکن مہتمم صاحب اور نائب مہتمم صاحب دارالعلوم کے متعلق کچھ نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بعد اس علمی مسئلہ میں اختلاف کے سبب ہوا۔ یہ صورت نہیں کہ حضرت شیخ الہند کی تحریک سے مخالفت یا برطانیہ سے حمایت کے سبب سے یہ بعد پیدا ہوا۔

مولانا غلام رسول مہر صاحب بہترین سیاسی مبصر بھی ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں۔

ایسے حضرات بہت کم نظر آتے تھے جن کے خلوص پر اعتماد کیا جا سکے اور جو پیش نظر مقاصد کے لیے بے تکلف ہر قسم کی قربانیوں پر آمادہ ہوں پھر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے سامنے ایک بڑی مصلحت یہ تھی کہ دارالعلوم دیوبند کو حکومت کے عتاب کا ہدف بننے سے حتی الامکان محفوظ رکھیں۔ (سرگزشت مجاہدین ص ۵۵۳)

نقش حیات ص ۲۴۰ کے حاشیہ کی آخری سطر خلجان انگیز ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

بہرحال اصلی سبب وہ امر ہے جس کی بنا پر مسٹن گورنر یوپی دیوبند اور دارالعلوم دیوبند میں گیا تھا اور مہتمم صاحب کو شمس العلماء کا خطاب ملا تھا۔

حاشیہ کے یہ الفاظ اگر حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمہ اللہ کے ہیں تو ہمیں پھر بھی یقین نہیں ہوتا کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ حضرت مہتمم صاحب اور نائب مہتمم صاحب دل سے انگریز کے حامی ہو گئے تھے۔ ہمارا یقین یہی ہے کہ تقسیم کار کے اصول پر جو فرض حضرت مہتمم صاحب اور نائب مہتمم صاحب کے سپرد ہوا تھا اس کا تقاضہ یہی تھا کہ سفید فام انگریز پر زیادہ سے زیادہ روغن قاز ملیں جب کہ انگریز کی سراسیمگی حد کو پہنچی ہوئی تھی اور معمولی معمولی شبہ پر سخت سزائیں دی جا رہی تھیں۔ دوسری طرف خود حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے مبلغین قبائل یاغستان کو جہاد پر آمادہ کر رہے تھے تو لامحالہ مہتمم صاحبان کو نرم رویہ اختیار کرنا تھا۔

تقسیم کار کے سلسلہ میں ہمارے سامنے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کا اسوہ حسنہ رہنا

چاہیے۔ آپ نے حضرت سیّد صاحب اور مولانا شہید کو جہادی خدمات پر مامور فرمایا اور حضرت شاہ اسحاق رحمہ اللہ کو تعلیم وتربیت کی خدمت سپرد کی کہ دہلی میں مسند درس کو رونق بخشتے رہیں اور علاقہ سرحد میں سرفروش مجاہدین مصروف جہاد رہیں تو یہ حضرات علوم نبوت کے قندیلوں کو زیادہ سے زیادہ روشن کرتے رہیں۔

حضرت شاہ اسحاق رحمہ اللہ کے تلامذہ میں مولانا مفتی صدرالدین رحمہ اللہ جیسے حضرات بھی تھے جو حکومت وقت کے معتمد تھے۔

بہرحال نہ سیاسی خیالات اور رجحانات میں اختلاف تھا نہ جذبات حریت میں، اختلاف صرف مصلحت کی بنا پر تھا خود حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے بھی اس مصلحت کا لحاظ رکھا چنانچہ کار پردازان حکومت کا احساس یہ ہے کہ مولانا یاغستان اس لیے نہیں تشریف لے گئے کہ دیوبند کا مدرسہ حکام کی نظر میں مشتبہ ہو جاتا۔ (ملاحظہ فرمایئے استغاثہ کا فقرہ نمبر ۳۶)

یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی یہ بحرانی دور ختم ہوا مہتمم صاحبان کا رویہ بھی بدل گیا۔ شمس العلماء مولانا حافظ محمد احمد صاحب نے اپنا خطاب واپس کر دیا اور کچھ دنوں بعد سیوہارہ ضلع بجنور میں جمعیۃ علماء ہند اور خلافت کمیٹی کی عظیم الشان کانفرنس ہوئی اس سے چند ماہ بعد دسمبر ۱۹۲۲ء (جمادی الاولیٰ ۱۳۴۱ھ) میں ''گیا'' میں جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس عام ہوا تو نائب مہتمم علامہ حبیب الرحمٰن صاحب نے ان دونوں کی صدارت فرمائی مندرجہ ذیل فقرہ جو آپ کے جذبات کا آئینہ دار ہے دونوں خطبوں میں مشترک تھا۔

> صرف قوم نصاریٰ اور ان میں سے بھی یورپ کے نصاریٰ کا مقابلہ اسلام سے دائمی رہا ہے اور اس لیے یہ کہنا کہ ''اسلام کے اصلی اور حقیقی دشمن عیسائی ہیں'' بالکل صحیح ہے۔ اسلام کی چودہ صدیوں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں کو اس عرصہ میں جس قدر لڑائیاں غیر مذہب والوں سے لڑنی پڑی ہیں ان میں زیادہ حصہ مسیحی سلطنتوں کا ہے۔ (خطبہ صدارت اجلاس گیا ص ۱۵)

اس موقع پر کس قدر دلچسپ اور معنی آفرین ہے اس شعر کا نقل کر دینا جو حضرت ممدوح

اکثر اپنی ان تقریروں میں پڑھا کرتے تھے جو اساتذہ اور طلبہ دارالعلوم کے اجتماعات میں وقتاً فوقتاً ہوا کرتی تھیں۔

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

(انتہائی خفیہ)

جزوِ اوّل

ریشمی خطوط سازش کیس

رپورٹ

جس میں سارا کیس مجمل طور پر بیان کیا گیا ہے

ضروری اطلاع

ترجمہ کی ترتیب اصل کے بموجب ہے۔

قلم کے جلی اور خفی ہونے میں بھی اصل کا لحاظ رکھا گیا۔

پولٹیکل اینڈ سیکرٹ ڈیپارٹمنٹ

موضوع

افغانستان

ریشمی خطوط کا معاملہ

اگلے فائل کا نمبر سیل ۳/۱۶۳

اس فائل میں یہ کاغذات شامل ہیں

۱۹۱۶ء	پی	۴۲۶۰	۴۴۳۴	اور	۴۵۲۲
۱۹۱۷ء	پی	۲۹۹	۳۶۸۸		
۱۹۱۸ء	پی	۲۹۹۲	۵۳۲۷		

اگر اس فائل میں سے کوئی کاغذ نکالا جائے تو پولٹیکل اندراجات کے شعبہ کو مطلع کر دیا جائے۔

مجھے اُمید ہے کہ فوجی جاسوسی کا شعبہ ان کاغذات کو مفید پائے گا۔ اس وقت ہندوستان میں ترکی و افغانستان کے اثرات سے متعلق ان کاغذات کی بڑی اہمیت ہے۔ ان کاغذات کی افادیت اس وقت بھی باقی ہے۔

دستخط جے ڈبلیو ہول
یکم اگست ۱۹۱۸ء

ازطرف وائسرائے فارن ڈیپارٹمنٹ ۱۵ ستمبر ۱۹۱۶ء

پی نمبر ۳۱۷۷۵ خفیہ بحوالہ آپ کے ٹیلی گرام مورخہ ۸ ماہ جاری افغانستان محمود حسن مدینہ منورہ کے نام عبیداللہ کا کابل سے تحریر کردہ ایک مکتوب مورخہ ۹ جولائی کو قاصد نے حکام کے حوالہ کر دیا ہے اور اس نے مکمل تفصیل بھی بتا دی ہے۔ مکتوب نویس ایک مشہور ہندوستانی

ہے جو بغاوت کے لیے ورغلاتا رہتا ہے۔ وہ گزشتہ سال حجاز گیا تھا اور پھر ہندوستان کے راستہ سے کابل پہنچا تھا۔ جب کہ جرمن مشن کی آمد کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا۔ جرمن مشن سے اس کا قریبی تعلق ہے۔

مکتوب الیہ دیوبند کے مذہبی مدرسہ سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں حجاز چلا گیا تھا۔ جہاں وہ غداروں کے بدنام گروہ کا سرغنہ بنا ہوا ہے۔

قاصد ایک ہندوستانی باشندہ ہے جو لاہوری طلبہ کے ہمراہ کابل گیا تھا اور ۱۹۱۵ء میں ہندوستانیوں کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ جو اس وقت کابل ہیں خط کا خلاصہ یہ ہے۔

جرمن مشن کا اعزاز کے ساتھ استقبال کیا گیا لیکن وہ اپنے مشن میں ناکام رہے۔ کیونکہ ترکی نے افغانستان کے لیے فوجی جوانوں، افسروں، اسلحہ اور نقد امداد کا تعین کرنے اور اسے مہیا کرنے نیز افغانستان کے ساتھ میثاق کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

لیکن اگر ترکی ان دونوں باتوں پر رضامند ہو جائے اور کافروں کی کامیابی کی صورت میں افغانستان کی سالمیت کے تحفظ کا وعدہ کرے تو افغانستان جہاد میں شریک ہونے کے لیے تیار ہے۔

دریں اثناء امیر نصر اللہ خاں آزاد قبائل میں اپنے اثر ورسوخ سے کام لے رہے ہیں۔ دو جماعتیں بنائی جا رہی ہیں۔

(الف) مسلم نجات دہندہ فوج (جنود ربانیہ) جس کا مقصد مسلمان شہنشاہوں کو متحد کرنا ہے۔ مسلم سلاطین، بادشاہ اور امیر اس کے سرپرست ہوں گے۔ اس میں گیارہ فیلڈ مارشل ہوں گے جن میں پانچواں فیلڈ مارشل شریف مکہ ہے۔ نیز بہت سے افسران نچلے درجے کے ہوں گے۔ بہت سے ہندوستانی بھی اس میں شامل ہوں گے۔ جو اپنی باغیانہ حرکات کے لیے بدنام یا مشتبہ ہیں۔

(ب) حکومت موقتہ ہندیہ۔ جو ہندوستان کو آزاد کرائے گی اور فوجی معاہدے و میثاق کرے گی۔ اس کے صدر راجہ مہندر پرتاب، وزیر اعظم برکت اللہ اور وزیر امور ہند عبید اللہ ہوں گے۔

اس کی کارروائی کا خلاصہ اس طرح کیا گیا ہے:

(۱) یہ جماعت امیر کو ہندوستان کا مستقل فرمانروا تسلیم کرے گی۔ بشرطیکہ افغانستان جنگ میں شامل ہو جائے۔ یہ بات امیر کے سامنے رکھی گئی تھی لیکن پھر اس خیال کو ترک کر دیا گیا۔ کیونکہ وہ اس وقت تک جہاد میں شامل ہونے پر آمادہ نہ تھا۔

(۲) روس کو سفارت بھیجی گئی جس کے نتائج افغانستان کے لیے مفید ہوتے۔ روسی نمائندہ کابل آنے والا ہے۔

(۳) قسطنطنیہ اور برلن کو براہ ایران سفارت روانہ کی جا رہی ہے۔

(۴) جاپان اور چین کو سفارت روانہ ہونے والی ہے۔

(۵) ہندوستان کو سفارت بھیجی گئی تھی لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی۔

(۶) دوسری سفارت اب برلن اور ہندوستان کو روانہ کی جا رہی ہے (خط کا خلاصہ ختم)۔

اس خط میں جو اطلاعات دی گئی ہیں ان کی تشریح اور وضاحت قاصد کے بیان سے ہوتی ہے اور ان کی تصدیق روسی ترکستان اور جاپان کو سفارتیں بھیجنے سے ہوتی ہے۔ اس کی مزید تصدیق دوسری اطلاعات سے ہوتی ہے اور دوسرے واقعات کے ساتھ اس کا سلسلہ مل جاتا ہے جو ہمارے علم میں ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کابل میں سازش تیار ہے جس کی جڑیں ہندوستان اور حجاز تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس سازش کی تفصیلات اگرچہ مضحکہ خیز نظر آتی ہیں لیکن اگر روک تھام نہ کی گئی تو خطرناک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

خطوط سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ نصر اللہ پورے طور پر ہمارے خلاف ہے اور امیر خود پس منظر میں ہے۔ اگرچہ وہ سازشیوں کے مقاصد اور ان کی حرکات سے پوری طرح باخبر اور متفق ہے اور ہر ایسی بات سے صرف نظر کرنے کو تیار ہے جو روس اور انگلستان میں غلط فہمی پیدا کرے۔ جن کا اتحاد افغانستان کو بے اثر بنا دیتا ہے اس لیے اس موقعہ پر اس کو کچھ لکھنا بے فائدہ اور غیر دانشمند ہے۔ ہم ہندوستان میں ایک ہی وقت میں پنجاب دلی سندھ اور شمالی مغربی

سرحدی صوبہ میں چھاپے مارنے اوران چند اشخاص کو گرفتار کرنے کے انتظامات کر رہے ہیں جو اس میں واضح طور پر ملوث ہیں۔مکمل تفصیلات اور کاغذات اگلی ڈاک سے روانہ کیے جائیں گے۔

ہمیں اب معلوم ہو گیا ہے کہ رُسوائے زمانہ ڈاکٹر متھر ادا اس سفارت میں شامل تھا جو روسی ترکستان کو گئی تھی۔اس نے شمشیر سنگھ کے نام سے سفر کیا تھا۔غالبًا یہ وہی شمشیر سنگھ ہے جس کا تذکرہ آپ نے اپنے محولہ بالا ٹیلی گرام میں کیا ہے۔

عبدالقادر خاں ان لاہوری طلباء میں شامل ہے جن کا اُوپر تذکرہ ہوا وہ لاہور یونیورسٹی کا گریجویٹ ہے۔

تیسرا نام مشتبہ ہے۔

ہمیں اُمید ہے کہ ان اشخاص کی حوالگی کے لیے حکومت روس سے سختی کے ساتھ اصرار کیا جائے گا۔

اہم

از وائسرائے فارن ڈیپارٹمنٹ ۱۶ ستمبر ۱۹۱۶ء

(پی) نمبر ۳۸۲) خفیہ افغانستان

برطانوی ایجنٹ نے مطلع کیا ہے کہ ۶ ستمبر کی سہ پہر کو امیر سے ملاقات کے لیے اسے اچانک طلب کیا گیا۔امیر نے اس سے بند کمرے میں ملاقات کی جہاں کوئی تیسرا شخص موجود نہ تھا۔امیر نے جرمن مشن کے اغراض و مقاصد پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور بتایا کہ وہ بری طرح مایوس ہو کر کابل سے چلے گئے ہیں اور اب تک سرحد پار کر چکے ہوں گے۔پھر اس نے کاظم بیگ، برکت اللہ اور مہندر پرتاپ تینوں کا نام لیا اور کہا کہ وہ کابل ہی میں رہ گئے ہیں۔اس وجہ سے اس کو پریشانی ہے۔اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں سے کس طرح نجات حاصل کی جائے۔کیونکہ یہ لوگ ایک لحاظ سے مہمان ہیں۔اس کے بعد اس نے مطمئن لہجہ میں کہا کہ ان لوگوں نے عنقریب چلے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

پھر اس نے پوری سنجیدگی کے ساتھ حلفیہ کہا کہ "اس کے اس پختہ ارادہ میں نہ تو کوئی تبدیلی ہوئی ہے اور نہ کوئی تبدیلی ہوگی کہ وہ انگلستان کے ساتھ غیر جانب داری اور دوستی کے

قول وقرار کا پابند رہے۔''

اس جملہ سے انٹرویو کے اصل مقصد کی وضاحت ہوگئی۔ اس نے کہا کہ اسے پشاور سے اطلاع ملی ہے کہ سرکاری حلقوں میں افواہ ہے کہ خیرالدین اور احمد نامی دو ترک اس وقت تیراہ میں بے چینی پھیلا رہے ہیں۔ وہ لوگ خود کو ترکی کا نمائندہ ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کو کابل سے روانہ کیا گیا ہے۔ اس نے بتایا کہ اوّل الذکر فوجی کالج کا سابق اُستاد ہے جسے سال گزشتہ اس بنا پر برطرف کردیا گیا تھا کہ اس نے لڑکوں کو سیاست میں اُلجھانے کی کوشش کی تھی۔ جب کہ آخر الذکر شاہی مطبخ کا نان بائی ہے جس کو نااہلی کی بنا پر علیحدہ کردیا گیا تھا۔ یہ دونوں خفیہ طور سے تیراہ پہنچے ہیں اور ترک نمائندہ نہیں۔

امیر نے نہ تو ان کو کوئی اختیار دیا ہے نہ کوئی اشارہ دیا ہے۔ اس نے یقین دلایا کہ ان لوگوں کی تمام حرکتوں کی اطلاع اسے پشاور کی خبروں سے ملی ہے۔

اس کے بعد امیر نے یہ کہہ کر گفتگو ختم کردی کہ اس نے جو باتیں کہی ہیں برطانوی ایجنٹ ان سے اپنی حکومت کو مطلع کرسکتا ہے۔ تاکہ اگر کوئی بدگمانی ہے تو وہ دور ہوجائے۔ اس نازک زمانہ میں ہر شخص کو اپنے وقار اور پوزیشن کا خود ہی خیال رکھنا چاہیے۔

محکمہ خفیہ	رجسٹر نمبر ۴۲۶۰	قرطاس کارروائی
ہندوستان سے موصولہ خفیہ خط نمبر ۷۳ ایم مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۱۶ء موصولہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۶ء		
انڈر سیکرٹری	تاریخ دستخط	موضوع
سیکرٹری آف سٹیٹ	۲۷-۱۰-۱۶ء N	افغانستان
	۳-۱۱-۱۶ء N	مولوی عبیداللہ اور دوسرے ہندوستانی ایلچیوں کی سازش
نقول برائے	جے آئی پی ڈی ایم آئی میجر ویلنگر	۴-۱۲-۱۶ء

برائے اطلاع

عبیداللہ کی سازش حکومت ہند کے برقیہ مورخہ ۱۶ستمبر میں اختصار کے ساتھ بیان کی گئی ہے اوراس کےاپنے بیان کے مطابق ان کاغذات میں درج ہے۔جن پراے(A) کا نشان ہے۔

(اس پنجابی شخص کو جو دارالعلوم دیوبند میں استاد تھا۔نوجوان ترک عبیداللہ آفندی نہ سمجھنا چاہیے جسے ایران میں گرفتار کرلیا گیا تھالیکن وہ کرمان اور بندرعباس کے درمیان فرار ہوگیا تھا)

اگر کابل کے سرکاری حلقوں میں اس قسم کے خیالات ہوتے تو یہ قابل فہم ہے کہ عربوں کی بغاوت پر وہاں بڑا شوروغل اور ہنگامہ ہوتا۔شریف مکہ کو جنود ربانیہ (نجات دہندہ مسلم فوج) میں فیلڈ مارشل بنایا جانا تھا۔

لیکن یہ بات نوٹ کرلینی چاہیے کہ عبدالحق کے بیان کے مطابق (کاغذسی C ص ۵) لاہور میں شریف مکہ کے بارے میں فروری ۱۹۱۵ء میں بھی اچھی رائے نہ تھی۔یہ بیان بغاوت کے بعد دیا گیا ہے۔غالبًا تاریخ یادرکھنے میں کوئی غلطی ہوگئی ہے۔

یہ اسکیم اینگلوسیکسن نسل کے لوگوں (انگریزوں) کو انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہوگی لیکن مسلمان اور خصوصاً ہندوستانی مسلمان انتہائی احمقانہ باتوں کا بھی یقین کرسکتا ہے۔تاہم اس بات کا خطرہ بلاشبہ ہے۔جیسا کہ سرسی کلیولینڈ نے اپنے نہایت دلچسپ نوٹ کے صفحہ ۱۲، ۱۳ پر ریمارک کیا ہے۔(کاغذبیB)

اس وقت جو باتیں چندافراد تک محدود ہیں۔جلد یا بدیر بڑے گروہوں اور قوموں میں نفوذ کرسکتی ہیں۔یہ عین ممکن ہے کہ سب سے پہلے برکت اللہ اور مہندر پرتاپ کو یہ خیال آیا ہو نہ کہ عبیداللہ کو (الا یہ کہ ان کے درمیان پہلے سے خط وکتابت جاری ہو) اوراس کا کچھ تعلق ان اہم انکشافات سے ہو جو مہندرا نے جرمن چانسلر کے کہنے پر حق الخدمت لےکرامیر کے روبرو افغانستان وجرمن سلطنت آسٹریا وہنگری اور ترکی کے آئندہ تعلقات کے بارے میں کیے تھے۔ان میں اگرچہ ایران کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہےلیکن وہ اس زنجیر کی ایک ضروری کڑی ہے۔

یہ بات واضح نہیں کہ عبید اللہ جرمنوں کے آنے سے پہلے کابل پہنچا تھا یا ان کے آنے کے بعد یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ملتان کے کمشنر نے عبید اللہ کے خطوط دیکھ کر انہیں "طفلانہ حماقت" قرار دیا تھا۔ اُمید ہے کہ اس واقعہ سے ان خیالات کے بارے میں آگہی حاصل ہوگی۔ جو عام طور پر اس وقت لوگوں کے ذہنوں میں پرورش پا رہے ہیں بہرحال اس واقعہ سے حکومت ہند کا یہ خیال تو دور ہو ہی جائے گا کہ سنسر کے ذریعہ ترک جرمن پروپیگنڈہ کو بالکلیہ ختم کر دیا گیا ہے۔

(ٹیلی گرام بنام ایس آف ایس مورخہ ۶ جولائی)

ڈاکٹر انصاری جن کا اس خط میں تذکرہ ہے (آر پی پی ۲۲-۷) گزشتہ جنگ بلقان میں ہلال احمر تحریک کے وقت سے ہندوستان میں انجمن اتحاد وترقی کے حامی اور ایجنٹ ہیں لیکن فی الوقت حکام ان کے خلاف ایکشن لینا مناسب نہیں سمجھتے (بی پی ۱۴)

عبید اللہ نے عہدہ داروں کی جو فہرست دی ہے اس سے معلومات میں بڑا اضافہ ہوا ہے (ص ۳-۶A۱ے)

اس میں ان لوگوں کے نام ملتے ہیں جیسے مصر کا بدنام قوم پرست شیخ شاویش کئی قبائلی ملا جیسے حاجی صاحب ترنگ زئی (پشاور) بابر ملا اور اس کے ساتھی۔ جان محمد صاحب جوسنڈا کی ملا آف کوہستان۔ ان سب نے لڑائی کے دوران سرحدی جنگ میں حصہ لیا ہے۔

اور مولانا عبدالباری لکھنؤ صدر انجمن خدام کعبہ نیز ایسے شہری وصحافی جیسے ڈاکٹر انصاری، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور ظفر علی خاں (آخر الذکر تینوں نظر بند ہیں)۔

عبدالحق کے بیان کے دلچسپ حصوں پر نشان کر دیا گیا ہے۔ بیان کا صفحہ ۵ آغاز جنگ میں مسلم نوجوانوں کی آرزوؤں اور اُمنگوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ (اس بات کو خاص طور سے نوٹ کریں کہ ان کی زبردست خواہش یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح ترکی پہنچ جائیں) ص ۱۲-۱۴ پر مجاہدین کے بارہ میں ایسی مکمل تفصیل ملتی ہے جو اب تک ہمیں حاصل نہ ہوئی تھی۔ ہم ان کو "کٹر متعصب مذہبی ہندوستانی" کہتے ہیں مثلاً یوسف زئی قبائل کے علاقہ میں ہندوستانی مہاجرین کی بستی کا حال معلوم ہوتا ہے جو ۱۸۲۴ء سے وہاں قائم ہے۔ جب بھی سرحدی علاقہ میں کوئی

گڑبڑ ہوتی ہے یہ بستی اہمیت حاصل کر لیتی ہے لیکن ابھی تک ہمیں کوئی شدید نقصان نہیں پہنچا سکی ہے۔

ص ۱۶-۲۰ ہندوستانی طلبہ کے ۱۵ مئی کو کابل پہنچنے پر ان کے ساتھ انتہائی سرد مہری کا سلوک کیا گیا۔ ۱۵ دسمبر کو جرمن وفد کے آنے تک یہ صورتحال رہی۔

ص ۲۲-۲۳ دعویٰ کیا گیا ہے کہ روس کو جو پہلا مشن بھیجا گیا تھا وہ کامیاب رہا اور اس سوال کا جواب ہمارے ''حق'' میں لایا کہ افغانستان نے ہندوستان پر حملہ کیا تو کیا روس افغانستان پر حملہ کر دیں گے۔ حال ہی میں ایران میں دو طلباء کو روسیوں نے گرفتار کیا تھا۔ تب بھی انہوں نے ایسا ہی بیان کیا تھا لیکن روسیوں نے اس کی سرکاری طور پر تردید کر دی تھی۔

ص ۲۳ عبدالباری اور شجاع اللہ پر مشتمل مشن جو ۱۶ جون کو قسطنطنیہ اور کابل گیا تھا۔ شجاع اللہ نے یونس کے فرضی نام سے سفر کیا تھا۔ (دیکھئے ص ۸) اس کو روسیوں نے محمد حسین کے ہمراہ ایران میں گرفتار کر لیا تھا (شاید اس کا نام محمد حسن تھا دیکھئے ص ۸)

ص ۲۳-۲۴ مہمند علاقہ کی لڑائی میں سکھ فوجیوں پر اثر انداز ہونا۔

ص ۲۴ ہندوستان کو خفیہ مشن۔

ص ۲۶ آزاد علاقہ میں پریس قائم کرنے کی اسکیم تا کہ باغیانہ لٹریچر چھاپ چھاپ کر قبائلی علاقہ میں تقسیم کیا جائے۔ شاید یہ کام شروع بھی ہو چکا ہے۔

کیونکہ صوبہ سرحد کی ۹ ستمبر کی ڈائری میں تذکرہ ہے کہ حاجی صاحب ترنگ زئی نے ایک پریس حاصل کر لیا (یہ نام عبدالحق کے بیان میں بار بار آیا ہے)

ص ۲۸ جرمن مشن کا قبائلی علاقہ میں دورہ۔

ص ۳۰ بلوچستان میں شورش برپا کرنے کا انتظام ہندوستان میں کیا گیا تھا۔ (بہاولپور کے غلام محمد کو گرفتار کیا جا چکا ہے۔ دیکھئے بی ص ۱۹-۲۰)

سر کلیولینڈ کے نوٹ (بی) ص ۱۶-۲۱ میں بتایا گیا ہے کہ اس سلسلہ میں کیا کارروائی ہونے والی ہے۔

پیش کیا

جے آر ایس

۲۳ مارچ ۱۹۱۸ء

مسٹر ہورس

برائے اطلاع۔ کیا آپ ان یادداشتوں کو میجر ڈبلیو کے پاس بھیج دیں گے۔ بشرطیکہ آپ ایسا کرنا مناسب سمجھتے ہوں۔

جے آر ایس

۱۴ جنوری ۱۹۱۸ء

میجر ولینگر (میجر ڈبلیو)

شاید آپ ان کو ملاحظہ فرمانا پسند کریں۔ (چار جلدیں)

جے ڈبلیو ایچ

۱۸-۳-۱۸

مسٹر ہورس

بہت بہت شکریہ

دستخط برائے ولینگر

۲۰-۳-۱۸

جے ڈبلیو ایچ

۲۱-۳-۱۸

برائے پولیٹکل ڈیپارٹمنٹ

نمبر P۴۲۶۰

ڈرافٹ ٹیلی گرام

سیکرٹری آف اسٹیٹ

گرانٹ بحوالہ خطوط جوابات جو آپ نے اپنے ہفتہ وار مورخہ ۱۵ ستمبر کے ساتھ دربارہ عبیداللہ منسلک کیے تھے کیا آپ کلولینڈ کے نوٹ اور منسلکہ کاغذات کی پانچ زائد نقول بھیج سکتے ہیں۔

(ہرٹزل)

بھیجا جائے۔

دستخط

۱۹ اکتوبر ۱۹۱۶ء

بنام

وائسرائے فارن ڈیپارٹمنٹ

(ویٹ مدد)

(پرائیویٹ)

روانہ کیا گیا

دستخط ایم ڈی

بتاریخ

۱۹ اکتوبر ۱۹۱۶ء

نقل ٹیلی گرام

منجانب وائسرائے

مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۱۶ء　　　　نمبر ۴۴۳۴

وصول شدہ درلندن آفس　　　　۱۹۱۶ء

خفیہ　　ہرٹزل!

بحوالہ آپ کے ٹیلی گرام مؤرخہ ۱۹ ماہ جاری ہم اگلے ہفتہ کے خط کے ساتھ عبیداللہ سے متعلق کاغذات کی زائد نقول جتنی بھی دستیاب ہیں روانہ کرر ہے ہیں۔ گرانٹ موصولہ ۲۴ دسمبر ۱۹۱۶ء نمبر ۵۰۴۷/۱۶۔

موصولہ

۱۵ اکتوبر ۱۹۱۶ء

پولیٹکل ڈیپارٹمنٹ

سرائے ہرٹزل

عبیداللہ سے متعلق کاغذات کی زائد کاپیاں نیز عنوانات ذیل پر یادداشتیں اس ڈاک سے آگئی ہیں۔

(۱) ہندوستان میں مسلمانوں کی صورت حال پر یادداشت

(۲) انجمن خدام کعبہ

(۳) وہابی فرقہ اور ہندوستانی متعصب

(۴) وہابی فرقہ کی مہم جوئی

دستخط (ڈبلیوایس)

۴ دسمبر ۱۹۱۶ء

ریشمی خطوط پر پہلا نوٹ

یہ خطوط ہمارے ہاتھ کیسے آئے

۱۴ر اگست کو ملتان کے خان بہادر رب نواز خاں نے ملتان ڈویژن کمشنر کو زرد ریشمی کپڑے کے تین ٹکڑے دکھائے جن پر خوشخط اُردو لکھی تھی۔ انہوں نے بیان کیا کہ یہ ۴ اگست سے ان کے پاس تھے لیکن کمشنر کی عدم موجودگی کے باعث پیش نہیں کیے جا سکے۔

خان بہادر نے بتایا کہ انہیں یہ عبدالحق سے ملے ہیں جو پہلے ان کے لڑکوں کا اتالیق تھا اور ۱۹۱۵ء میں ان کے ہمراہ کابل گیا تھا عبدالحق نے رب نواز خاں کو یہ خط پیش کرتے ہوئے بتایا تھا کہ ان خطوط کو پہنچانے کے لیے ہی اس کو کابل سے بھیجا گیا ہے جو حیدر آباد سندھ میں عبدالرحیم کو دیے جانے تھے تا کہ وہ ان خطوط کو مدینہ روانہ کر دے۔ عبدالحق کو عبدالرحیم سے ان خطوط کی رسید لینی تھی اور اس رسید کو واپس کابل لے جانا تھا۔

کمشنر ملتان نے اس خط کے بعض حصے پڑھوا کر سنے اور انہیں بچوں کی سی حماقت قرار دیا۔ تاہم ان خطوط کو پنجابی سی آئی ڈی کے حوالہ کر دیا گیا۔ پنجاب سی آئی ڈی کے مسٹر ٹومکنس نے ان خطوط کا ترجمہ کرایا اور عبدالحق قاصد پر جرح کرائی۔

مجھے ۳۰ اگست کو ان خطوط کے ترجمہ کا مسودہ مل گیا۔ دو دن بعد اس نے اصلی ریشمی خطوط میرے حوالہ کر دیے اگلے چند دنوں میں عبدالحق نے مکمل تفصیلی بیان دیا جس کے مطبوعہ ترجمہ کے ص ۳۱ پر اس کی زبانی یہ تفصیل دیکھی جا سکتی ہے کہ اس نے یہ خطوط کس طرح حوالہ کیے۔ ممکن ہے کہ جب خان بہادر نے اس پر جرح کی اس وقت تک وہ خوفزدہ ہو چکا ہو اور اپنے مشن کے خطرات سے اور جہاں گردی سے تھک چکا ہو اور اس نے مزید مہم جوئی سے احتراز کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو لیکن ان سب باتوں کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ خان بہادر نے بہت خوب کام کیا اور مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی ہے کہ پنجاب کے لفٹنٹ گورنر کا بھی یہی خیال ہے۔ چنانچہ اس کو جلدی تعریفی سند اور انعام عطا کیا جائے۔

ریشمی خطوط کا لکھنے والا

یہ خطوط زرد رنگ کے ریشمی کپڑے کے تین ٹکڑوں پر ہیں ان میں پہلا خط عبدالرحیم صاحب کے نام ہے۔ یہ ٹکڑا چھ انچ لمبا اور پانچ انچ چوڑا ہے۔

دوسرا خط مولانا کے نام ہے۔ یہ دس انچ لمبا اور آٹھ انچ چوڑا ہے۔ تیسرا خط بظاہر پہلے خط ہی کے تسلسل میں پندرہ انچ لمبا اور دس انچ چوڑا ہے۔

پہلے اور تیسرے خطوط پر ''عبیداللہ'' دستخط ہیں۔ عبدالحق نے ہمیں بتایا ہے کہ مولوی عبیداللہ نے اس کو یہ تینوں ریشمی رومال دیے ہیں جن پر اس کی موجودگی میں مولوی عبیداللہ نے خطوط لکھے تھے۔

اس میں شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ عبیداللہ نے خود ہی یہ خط لکھے تھے۔ عبیداللہ نام کے دستخط عبیداللہ کے ان دستخطوں سے پوری مطابقت رکھتے ہیں جو یہاں ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔ جہاں تک عبیداللہ کی شخصیت کا تعلق ہے میں اپنے دفتر کی مرتب کردہ وہابی تحریک کی ممتاز شخصیتوں کی تاریخ مجریہ ۱۹۱۵ء سے یہ اقتباس نقل کر رہا ہوں۔

مولوی عبیداللہ شاید اس تحریک کی اہم ترین شخصیتوں میں شامل ہے۔ ایسا ظاہر ہوسکتا ہے کہ وہ شروع میں سکھ تھے اور سیالکوٹ کے رہنے والے تھے لیکن انہوں نے شروع میں اسلام قبول کر لیا اور سترہ برس کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو گئے۔ جہاں انہوں نے علوم دینیہ کی تکمیل کی اور اُستاذ بن گئے۔ دیوبند کے طلباء قدیم کی انجمن قائم کی۔ انہوں نے سندھ میں بارہ برس گزارے جہاں انہوں نے مسلمانوں میں امتیازی پوزیشن حاصل کر لی اور پیر جھنڈے والا میں ایک مدرسہ قائم کر دیا۔

اگست ۱۹۱۵ء میں ان کے بارہ میں شبہ ہوا کہ وہ کچھ رسالے لکھ رہے ہیں جن میں جہاد پر اُکسایا گیا ہے۔ یہ رسالے ہندوستانی انتہا پسندوں میں پہنچ گئے تھے۔

جنگ بلقان کے موقع پر غیر ملکی سامان کے بائیکاٹ کی تجویز پیش کی ۱۹۱۲ء میں وہ دلی میں مقیم ہو گئے اور ادارہ نظارۃ المعارف قرآنیہ قائم کیا۔ بظاہر اس ادارہ کی شاخیں سندھ میں ہیں اور اس کا مقصد مسلم نوجوانوں میں مجنونانہ افکار پیدا کرنا ہے۔

عبیداللہ پیر جھنڈے والا کے ہمراہ ۲۷ جون ۱۹۱۵ء کو کراچی پہنچے تھے اور کہا جاتا ہے کہ چند دن بعد لکھنو روانہ ہو گئے تھے۔ لکھنو میں ان کے بارہ میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ فی الحال وہ مفقود الخبر ہیں۔

مخبر (جی بی) نے بیان کیا تھا کہ مجاہدین بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ اس کا نام لیتے ہیں۔

(۱۹۱۵ء کا اختتام) کہا جاتا ہے کہ لاہوری طلباء کی مہم جوئی اور سیف الرحمٰن کے مشن کے پیچھے عبیداللہ تھا۔ جب وہ دلی میں تھے تو مولانا محمد علی کے بہت قریبی تھے۔

اس پر اتنا اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ عبدالحق کے بیان کے مطابق عبیداللہ نے کابل پہنچتے ہی بڑی عزت وعقیدت کا مقام حاصل کر لیا تھا۔ (فروری ۱۹۱۶ء کے لگ بھگ) پہلی مرتبہ عبدالحق کے سامنے ان کا یہ کہہ کر تعارف کرایا گیا کہ وہ نہایت ذہین دانشمند لائق قابل اور با اثر ومقتدر شخص ہیں اور برطانیہ کے خلاف سازش کرنے میں مصروف ہیں۔

عبدالحق کے مزید بیانات سے ظاہر ہے کہ سردار نصر اللہ خاں عبیداللہ پر بہت بھروسہ اور اعتماد کرتے تھے۔

ان خطوط کی تحریر بہت اچھی نہایت صاف اور پختہ ہے۔ نہ تو کوئی لفظ کھرچ کر صاف کیا گیا ہے نہ کہیں کچھ مٹایا گیا ہے نہ کسی لفظ کی اصلاح کی گئی ہے۔ صرف ونحو کی صرف ایک نہایت معمولی غلطی پوری تحریر میں نظر آتی ہے۔ خط کی زبان اگرچہ بعض مقامات پر مبہم ہے۔ جیسا کہ بالعموم سازشی تحریروں میں ہوتی ہیں لیکن اچھے تعلیم یافتہ بلکہ عالم شخص کی زبان ہے۔

قاصد جو یہ خط لایا:

عبدالحق نے ہمیں اپنے خیالات سنائے ہیں۔ اس کا بیان ۳۸ مطبوعہ صفحات پر مشتمل ہے۔ وہ بہت اچھا سرکاری گواہ ہے۔ اس کا حافظہ حیرت انگیز ہے۔ اسے نام خوب یاد رہتے ہیں۔ اس کا انداز سامع کو مطمئن کر دیتا ہے۔

جب اس پر افغانستان اور قبائل علاقہ کے معاملات پر جرح ہو رہی تھی تو میں بھی سن رہا تھا۔ اس سے جو سوالات کیے جاتے تھے ان کا نفی یا اثبات میں جواب دینے میں اسے کوئی ہچکچاہٹ نہ ہوتی تھی۔ میں اس کے بیان کا خلاصہ کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اس کا ایک ایک ٹکڑا نہایت دلچسپ باموقع اور مناسب ہے۔

ریشمی خطوط کے مضمون:

عبدالحق کے بیان کا جائزہ لینے سے ان حالات کا صحیح علم ہو جاتا ہے۔ جن حالات میں یہ خطوط لکھے گئے ہیں عبیداللہ سازش کے سلسلہ میں مغربی ہند کے قبائلی علاقے اور افغانستان میں مسلسل کام کر رہا تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ اپنی سازش کی تفصیلات سے ہندوستان اور عرب میں اپنے سازشی ساتھیوں کو باخبر کرے۔ اصل خط حضرت مولانا کے نام ہے۔ یہ خط کسی معتمد آدمی کے ذریعہ مدینہ بھیجا جانا تھا۔ اسے توقع تھی کہ وہاں مکتوب الیہ کا پتہ چل جائے گا لیکن راستہ میں یہ خط ہندوستانی سازشیوں کو بھی دکھانا تھا۔

ان میں سے ایک حیدر آباد سندھ کے شیخ عبدالرحیم صاحب ہیں۔ اس خط کو مدینہ پہنچانا انہی کی ذمہ داری تھی۔ اس لیے شیخ صاحب کو بھی ایک مختصر تشریحی خط لکھا گیا جو حسب ذیل نکات پر مشتمل ہے۔

اوّل یہ خط حضرت مولانا کو مدینہ بھیجنا ہے۔ دوم حضرت مولانا کو زبانی گفتگو میں بھی اور ان کے نام تحریر شدہ خط کے ذریعہ بھی خبردار کر دیا ہے کہ وہ کابل آنے کی کوشش نہ کریں۔ سوم حضرت مولانا کو سمجھ لینا چاہیے کہ مولوی منصور اس بار حج کے لیے نہ آ سکیں گے۔ چہارم شیخ عبدالرحیم کابل آنے اور مولوی عبیداللہ سے ملاقات کرنے کی کوشش کریں۔ پنجم شیخ رحیم سے

کہا گیا تھا کہ اگر وہ ضروری سمجھیں تو اس خط کو مدینہ پہنچانے کے لیے پانی پت کے مولوی حمداللہ سے مدد لے سکتے ہیں۔

نیز اس خط کا جواب یا تو براہِ راست کابل بھیجا جائے یا مولوی احمد علی لاہوری کے ذریعہ روانہ کیا جائے۔ اُوپر جن ناموں کا ذکر آیا بظاہر یہ سب نام ان ہندوستانیوں کے ہیں جو مولوی عبیداللہ کی سازش میں شامل تھے۔ ان کے بارہ میں مزید تفصیلات ریشمی خطوط سے متعلق مطبوعہ انڈکس میں ملے گی۔

یہاں جس شخص کا خاص طور پر حوالہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے وہ حضرت مولانا ہیں، بلاشبہ یہ محض ایک ''خطاب'' یا تعظیمی الفاظ ہیں۔ عبدالحق نے ہمیں بتایا کہ حضرت مولانا یعنی مکتوب الیہ سے مراد دیوبند کے مولانا محمودالحسن ہیں۔

یہ بات حضرت مولانا کے نام خط سے بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں کہا گیا ہے کہ سازش کی اسکیم میں حضرت مولانا کو جنرل مقرر کیا گیا ہے۔ عہدوں کی فہرست میں جنرل کا عہدہ سلطان العلماء حضرت محدث دارالعلوم دیوبند دام ظلہ کو دیا گیا ہے۔ یہ القاب و آداب دیوبند کے مولانا محمودالحسن کے سوا کسی اور پر منطبق نہیں ہو سکتے۔

عبدالحق کا بیان سننے سے پہلے ہی اس امر کا ہمیں یقین ہو گیا تھا۔ دوسرا خط جو حضرت مولانا کے نام ہے ان واقعات کی تفصیل سے شروع ہوتا ہے جو جدہ سے آنے کے بعد عبیداللہ کو پیش آئے۔ جس کا سراغ اس کے سفر کراچی (جون ۱۹۱۵ء) کے بعد ہم بالکل کھو چکے تھے۔

اس تفصیل سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ عرب گیا تھا اور وہاں سے ہندوستان واپس آیا۔ یہاں اس نے اپنے دوستوں سے ملاقات کی۔ انہوں نے اس کو وہ سب باتیں بتائیں جو اس نے اس خط میں تحریر کی ہیں۔

عبیداللہ کے خط کے اس حصے کی ہر بات تشریح طلب ہے۔ اس میں جو نام لیے گئے ہیں ان میں سے بعض نام مشتبہ ہیں۔ حکیم صاحب سے شاید حکیم عبدالرزاق مراد ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے ڈاکٹر انصاری مراد ہیں لیکن یہ عین ممکن ہے کہ یہ القاب دوسرے لوگوں کے لیے استعمال کیے گئے ہوں۔ مطبوعہ انڈکس میں ہم نے کوشش کی ہے کہ عبیداللہ نے جن اشخاص کا

تذکرہ کیا ہے ان کے بارہ میں زیادہ معلومات مہیا کرائیں۔اگر اس انڈکس کے ساتھ اس خط کو پڑھا جائے تو خط کا مطلب کافی واضح ہو جاتا ہے۔

ہندوستان کا جائزہ لینے کے بعد عبیداللہ لکھتا ہے کہ اس نے مدینہ کو حسب وعدہ واپسی ممکن نہ پائی اور آگے بڑھا اور غالب نامہ (دیکھئے انڈکس) یاغستان کے سردار کے پاس لے گیا اس کے بعد اس نے مختصراً یاغستان یعنی قبائلی علاقہ کے حالات بیان کیے ہیں۔اس کے بعد وہ کابل پہنچا۔(غالباً فروری یا مارچ ۱۹۱۶ء میں)

اس کے بعد اس نے افغانستان کے کوائف و واقعات بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں جن کی تصدیق عبدالحق کے بیان سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد اس نے مستقبل کا نقشہ بیان کیا ہے۔اب وہ جو اسکیمیں بیان کرتا ہے ان کا ایک حصہ قابل عمل ہے اور ایک حصہ خیالی اور تخیلی ہے لیکن جہاں جہاں اس نے حقائق اور واقعات کا تذکرہ کیا ہے مجھے کہنا پڑتا ہے کہ اس کا بیان بالکل صحیح اور حرف بحرف درست ہے۔

جنود ربانیہ (مسلم نجات دہندہ فوج) کے عہدہ داروں کی جو فہرست اس نے تیار کی ہے وہ دنیائے اسلام کی تمام ممتاز ترین شخصیتوں پر مشتمل ہے۔جنہیں اتحاد عالم اسلامی کی ہر بڑی اسکیم میں شامل کرنا لازمی ہے۔

یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ اس نے شریف مکہ کو بھی فیلڈ مارشل کی حیثیت سے شامل کیا ہے۔عبیداللہ کے خط کی تاریخ ۸ رمضان اتوار ہے جو ۹ جولائی کے مطابق ہے۔شریف مکہ کی بغاوت کی خبر ہندوستان میں ۲۳ جون کو چھپی تھی اور جہاں تک مجھے معلوم ہو سکا ہے ۹ جولائی کے بعد تک کابل میں اس کا علم نہیں ہو سکا تھا۔

لفٹننٹ جنرل اور اس سے کم درجہ کے عہدے متعدد اشخاص کو دیے گئے ہیں جو تقریباً سب کے سب اتحاد اسلامی یا وہابی تحریک کے سلسلہ میں ہمارے نوٹس میں آ چکے ہیں۔

عبیداللہ نے اپنے خط کے آخر میں اس کی تفصیل دی ہے جسے وہ حکومت موقتہ ہند قرار دیتا ہے۔اس طرح اس نے اس سازش میں راجہ مہندر پرتاپ کا حصہ متعین کرنے کی کوشش کی ہے جس کے بارہ میں اس کا بیان ہے کہ اس کا آریہ سماجوں سے خاص رابطہ ہے اور ہندوستانی

راجاؤں سے بالواسطہ تعلق ہے۔

اس جگہ بھی حقائق اور واقعات کے بارہ میں جو ہمیں معلوم ہیں مثلاً روس کو سفارت بھیجی گئی۔ سفارت کے بارہ اس کا بیان، بالکل درست ہے۔ میں سمجھتا ہو کہ ہمیں مجموعی طور پر عبیداللہ کے ان خطوط کے متعلق یہ سمجھنا چاہیے کہ اس نے واقعات اور منصوبوں کے بیان میں پوری کوشش کی ہے تاکہ مکتوب الیہم اور وہ درمیانی لوگ جو یہ خطوط پڑھیں گے۔ سب باتوں کو سمجھ سکیں۔

پنجاب کے ایک ڈویژن کے کمشنر نے ان خطوط کو حماقت سے تعبیر کیا ہے لیکن ان خطوط میں مندرجہ واقعات کا جب ہم اس محکمہ کے معلوم شدہ حقائق سے اور عبدالحق کے انکشافات سے موازنہ کرتے ہیں تو ان کے معنی بالکل واضح ہو جاتے ہیں جو اس کمشنر کے اخذ کردہ مطلب کو غلط اور باطل بنا دیتے ہیں۔

ریشمی خطوط اور عبدالحق کے بیان میں ظاہر کردہ واقعات

منصوبہ جات کا تعارف اور ان پر تبصرہ

۱۹۱۲ء کے بعد سے مسلمانوں کے جذبات واحساسات میں حکومت برطانیہ سے نمایاں طور پر دوری اور بعد پیدا ہورہا ہے۔ اس ضمن میں ہم نے جو کچھ کہا ہے میں اسے یہاں دہرانا نہیں چاہتا۔ میں صرف اپنی خاص خاص مطبوعات کی طرف اشارہ کروں گا۔

فروری مارچ ۱۹۱۲ء میں میں نے حکومت ہند کو مسلمانانِ ہند کے بارہ میں ایک یادداشت پیش کی تھی جسے مسٹر پٹرک نے بڑی احتیاط کے ساتھ تیار کیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ میں نے متوجہ کیا تھا کہ میری رائے میں اس صورت حال میں تشویش کا عنصر مطلق نہیں۔ اگرچہ بلاشبہ کہیں کہیں اشتعال اور تناؤ پایا جاتا ہے۔

میں نے یہ بھی کہا تھا کہ میرے خیال میں مسلمانانِ ہند کے تمام بہی خواہوں کو بڑی خوشی ہوگی اور اطمینان ہوگا۔ اگر کسی دن صبح اخبار کھولتے ہی اچانک ان کی نظر اس خبر پر پڑے کہ برطانیہ عظمیٰ نے ترکوں کو اٹلی سے جھگڑا نپٹانے کے لیے اپنی خیر سگالانہ خدمات پیش کردی ہیں۔

مارچ ۱۹۱۴ء میں ہم نے انجمن خدام کعبہ پر ایک نوٹ شائع کیا تھا کہ یہ زیادہ خطرناک اور جارحیت پسند ادارہ اور اتحاد اسلامی کا حامی ہے۔ اگست ۱۹۱۵ء میں ہم نے وہابی فرقہ اور ہندوستانی متعصبوں کے بارے میں ایک یادداشت شائع کی تھی۔ جس سے ہمارا خاص مقصد یہ تھا کہ صوبائی پولیس پر اپنا یہ خیال واضح کردیں کہ ہندوستانی متعصبوں کو جہاد کے مقصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہ یادداشت ان الفاظ پر ختم ہوتی تھی۔

''ممکن ہے یہ تنبیہی آواز بے بنیاد ثابت ہو لیکن مسلمانانِ ہند میں اس وقت تناؤ کی جو کیفیت ہے اس میں بہتر یہ ہوگا کہ متعصب مسلمانوں میں کسی چنگاری کے بھڑک اُٹھنے کے امکان کو نظر انداز نہ کیا جائے۔''

وہابیوں کی حالیہ سرگرمیوں کے بارہ میں گزشتہ جنوری میں ہم نے ایک یادداشت شائع کی تھی۔ اس کے ساتھ میں نے یہ نوٹ لکھا تھا۔

ہند اور بیرونِ ہند میں اتحاد اسلامی کے حامیوں کے پروپیگنڈہ کے بارے میں ہمیں بہت سی پریشان کن اطلاعات ملی ہیں اور اس میں ذرا شبہ نہیں کہ ان میں یعنی وہابیوں میں اور مولویوں کے طبقہ میں کافی رابطہ اور باہمی ہمدردی ہے لیکن ہمارے خلاف مسلمانوں میں جذبہ اور نفرت ہے۔ اس وقت تک اس کا اظہار صرف متعدد ناپسندیدہ واقعات کی صورت میں ہوا ہے جو بظاہر بیرونی طور پر ایک دوسرے سے متعلق اور بڑی تحریک کا حصہ معلوم نہیں ہوتے۔ اتحاد اسلامی کے جرنلسٹوں نے بہت سے قابل اعتراض مضامین لکھے ہیں۔ مولویوں نے سلطان ترکی اور جہاد کی حمایت و تائید اور تعریف میں بہت کچھ لکھا ہے۔ مذہبی عالموں نے ہندوستان سے ترک وطن کیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اس کو ناپاک ملک سمجھتے ہیں۔ اسکولوں کے لڑکوں کو اُکسایا گیا ہے کہ وہ سرحد پار ہمارے متعصب دشمنوں سے مل جائیں۔ ہندوستانی مسلمان جو اب تک سکون کے ساتھ زندگی گزارتے رہے ہیں دفعتاً غدر پارٹی میں شامل ہونے لگے ہیں۔ خفیہ طور پر کافی رقوم جمع کر کے ہمارے خلاف لڑنے والوں کو بھیجی گئی ہیں اور ہماری پسپائیوں پر اظہار مسرت کیا گیا ہے لیکن دوسری طرف ایسے کئی واقعات ہوئے اور ایسے مظاہرے دیکھنے میں آئے جن کا مسلمانوں میں ہمہ گیر برطانیہ دشمن جذبہ سے کوئی تعلق نہیں۔ صورت حال کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے لیکن اس واقعہ پر ہم خوش ہو سکتے ہیں کہ آغاز جنگ کے بعد سے مسلمانوں نے اس سرزمین میں نہ تو نقض امن کیا ہے اور نہ طاقت اور تشدد سے حکومت کی مخالفت کی ہے۔

عبیداللہ کے خطوط پڑھنے کے بعد کئی تجربہ کار افسروں نے مجھ سے کہا کہ ان تفصیلی معلومات کے بغیر جو میری دسترس میں تھیں وہ ان خطوط کو مطلق نہیں سمجھ سکتے تھے جب میں نے

ان پر باتوں کی وضاحت کر دی تو خطوں کا مضمون روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا۔

وہابی تحریک، ہندوستانی متعصب لوگوں، روسی ترکستان کو راجہ مہندر پرتاپ کے مشن، دیوبندی مولویوں کا ترک وطن وغیرہ معاملات سے جو تجربہ کار افسران بالکل ناواقف تھے انہیں عبیداللہ کے خطوط میں مذکور ناموں اور اشارات و کنایات کو زبانی سمجھانے میں مجھے ایک گھنٹہ سے تین گھنٹہ تک لگے۔

اس لیے مجھے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس نوٹ میں بہت سی پیچیدہ اطلاعات کو جمع کر دوں۔ عبیداللہ کی سرگرمیاں اس وقت جس منزل پر پہنچ چکی ہیں اور جس منزل پر وہ اپنے ڈرامہ کو آگے بڑھانا چاہتا ہے اس کے پس منظر میں بہت سے مسلمان ہیں جن کے مذہبی اور سیاسی احساسات برطانیہ دشمنی اور اتحاد اسلامی کے ہیں جن کے خیالات جہاد میں لگے ہوئے ہیں لیکن ان کی طاقتیں اور سرگرمیاں تمام عملی سمتوں میں محدود ہیں۔ ہندوستان میں اس کے غیر متحرک اور متحرک ہمدرد اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے کہ اس وقت تک بالکل ابتدائی کام کرتے رہیں۔ جب تک کہ شمالی مغربی سرحد پر مشرق قریب میں کوئی بہت طاقتور تحریک شروع ہو وہ سمجھتا ہے کہ قبائل اندرونی جھگڑوں اور باصلاحیت لیڈروں کے فقدان کی وجہ سے منتشر ہیں۔

افغانستان کا حکمران بہت محتاط ہے اور اس کی فوج صلاحیت اور مستعدی سے محروم ہے۔ ترک اور جرمن فوجیں بہت دور ہیں اور اپنے فوری مسائل میں اُلجھی ہوئی ہیں۔

تاہم اس کا ذہن، جو ایک متعصب ہندوستانی مولوی کا ذہن ہے اور جس کے نزدیک جنگ ایک مرکب ہے۔ بغاوت افراتفری اور پرانی طرز کی کوہستانی لڑائی کا اس ''عظیم صورت حال'' سے پنجہ آزما ہونے کی سعی کرتا ہے۔ اس کی کوشش ہے کہ علوم مذہبی کے ہفتاد سالہ بزرگ اور عمر رسیدہ عالم ''حضرت مولانا'' کو سیاست دان اور سفیر کے طور پر استعمال کر کے ترکوں اور جرمنوں کو بغاوت کے اپنے منصوبہ سے موافقت کے لیے آمادہ کر کے نیز دور افتادہ افغانستان کو فوجی افسروں اور سامانِ جنگ کی تیزی سے فراہمی پر رضامند کرے۔

وہ بوڑھے حاجی ترنگ زئی کو جھنجھوڑتا ہے کہ وہ ایسی دیا سلائی روشن کریں جس سے سارا

سرحد شعلہ زار بن جائے۔ اسکول میں پڑھنے والے پرجوش اور متعصب لڑکے جو ایک فاضل فصیح البیان لیکن نہایت ہوشیار پیشوا ابوالکلام آزاد کی لطیف اشتعال انگیزیوں سے مذہبی جنون کی حد کو پہنچ چکے ہیں ان سے وہ اصرار کرتا ہے کہ وہ جہاد کی طرف پہلا قدم اس طرح اُٹھائیں کہ ہندوستان کو چھوڑ کر کسی سچے اسلامی ملک میں چلے جائیں اور وہاں ان کو وہ اپنے ادارہ کے فعال کارکنوں کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

وہ کابل میں سردار نصراللہ کی انگریز دشمنی کے شعلہ کو بھڑکاتا ہے اور انہیں نیشن زنی کی پالیسی اختیار کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ معاہدہ اور ناطرف داری کی واقعی خلاف ورزی ہوتے ہوتے رہ جاتی ہے۔

یہ باتیں اگرچہ بے اثر اور مایوس کن ثابت ہوئیں تاہم تعصب اور نفرت کی ہانڈی کے اُبل پڑنے کا خطرہ ہر وقت ہے۔ اب تک صرف افراد کو نہ کہ پوری قوم کو اتنا مشتعل کیا گیا ہے کہ وہ عقل اور احتیاط کی سرحدوں کو پار کر سکیں۔

میں نے ایک اور منسلکہ یادداشت میں ۱۶-1915ء میں دیوبند اور سہارنپور کے مولویوں کے عرب مشن کے واقعات کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ لاہور اور دوسرے مقامات کے مہاجر طلباء کا افغانستان کو فرار انڈکس میں ''لفظ مہاجر'' کے عنوان میں ملے گا اس امر کا امکان ہے لیکن امکان قوی نہیں ہے کہ ایک ایسا وقت آئے جب کہ مبلغان جہاد کی پیہم کوششیں ہندوستان میں بہت سے لوگوں کو اسی طرح متاثر کر دیں اور سرحد پار بھی ایسا ہی اثر پیدا کر دیں۔ جیسا کہ اب افراد پر ہوا ہے اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ عبیداللہ کے خطوط سے ہمیں جو اطلاعات ملی ہیں اور عبدالحق کے بیان سے ان میں جو اضافہ ہوا ہے ان کی روشنی میں جائز اور ضروری ہو گیا ہے کہ حکومت نامہ و پیام اور سازشوں کے اس سلسلہ کو منقطع کر دے اور ان سے تعلق رکھنے والے اہم افراد اور شخصیتوں کے خلاف سخت قدم اُٹھائے۔ پوری قوم کی بھلائی کے لیے امن کی ضمانت کے لیے سلطنت کی حفاظت کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے۔

کیا کارروائی کرنی ہے؟

جب یہ ریشمی خطوط گزشتہ ماہ کی ۳۰ تاریخ (۳۰ اگست ۱۹۱۶ء کو میرے دفتر میں موصول

ہوئے ہیں۔ ہم ان کے پورے معنی اور مطالب اخذ کرنے میں ان کی تشریح کرنے میں نیز حکومت ہند اور مقامی حکام سے ان اقدامات کے بارہ میں صلاح ومشورہ کرنے میں مصروف ہیں جو اس سلسلہ میں کیے جانے والے ہیں۔

یہ فیصلہ ہوگیا ہے اور اس کے انتظامات کیے جارہے ہیں کہ پشاور پنجاب، دلی اور سندھ میں تلاشیاں لی جائیں اور کچھ گرفتاریاں کی جائیں۔ چند خاص معاملات میں اطلاعات اور شہادتیں فوری کارروائی کے لیے کافی سمجھی جارہی ہیں۔ یو، پی اور ملک کے دوسرے حصوں میں کوئی انسدادی کارروائی شروع کرنے سے پہلے مزید تحقیقات ضروری ہے۔

ہماری رائے میں کسی فوری کارروائی کی ضرورت کی وجہ یہ نہیں کہ کوئی بڑا طوفان اچانک پھٹ پڑنے والا ہے۔ کیونکہ ہماری پہلی اطلاعات سے بھی اور عبیداللہ کے خطوط سے نیز عبدالحق کے بیان سے بھی اس ارادہ کا اشارہ ملتا ہے کہ جب تک موجودہ صورت حال ہمارے متعصب دشمنوں کے حق میں، زیادہ موافق نہ ہوجائے اس وقت تک وہ اپنے اقدام میں تاخیر کریں لیکن ہم نے کم سے کم ان چند افراد کو اچھی طرح پہچان لیا ہے جو سازشیں کررہے ہیں اور اپنی قوم کو کسی جدید یا قدیم میدانِ جنگ میں پیچیدگیاں پیدا ہونے پر گڑبڑ اور مشکلات پیدا کرنے کے لیے اُکسا رہے ہیں۔

ان میں سے کچھ لوگوں کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے یہ وقت اور یہ موقع بہت مناسب ہے۔ تاکہ انہیں اپنی اسکیموں سے روکا اور دوسروں کو ان سے باز رکھا جاسکے جن لوگوں کے خلاف کارروائی کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے ان میں سے کوئی بھی عوام کی نظروں میں بڑا آدمی نہیں ہے۔ ان کے خلاف ہماری کارروائی سے کوئی اشتعال یا بڑے پیمانہ پر کوئی بے چینی پھیلنے کا اندیشہ نہیں۔ اگر بڑے پیمانہ پر کوئی بے چینی پھیلی تو اس سے ظاہر ہوجائے گا کہ ہندوستان میں جہاد کا جذبہ اور تحریک اس سے زیادہ پھیل چکی ہے جس کا کہ ہمیں اب تک علم ہے۔

لیکن صرف ایک فرد ایسا ہے جو میری رائے میں اتحاد اسلامی کی اسکیموں اور تمام متعصّبانہ منصوبوں کا فی الواقع نہایت اہم اور قومی محرک ہے۔ میرا اشارہ دلی کے ڈاکٹر انصاری کی

طرف ہے۔ان کے بارہ میں یوپی کے حکام ہوم ڈیپارٹمنٹ اور میں نے باہم مشورہ کیا ہے اور ہم نے طے کیا ہے کہ فی الحال ہم اس کے خلاف اقدام نہیں کریں گے۔اگرچہ مجھے یقین ہے کہ وہ بہت خطرناک آدمی ہے اور ان معاملات میں بہت اچھی طرح ملوث ہے جو اس وقت ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ممکن ہے کہ نسبتاً کم اہم آدمیوں کے خلاف ہماری کارروائی سے ڈاکٹر انصاری کے خلاف زبردست شہادتیں روشنی میں آسکیں۔

مزید یادداشت بتاریخ ۱۴ ستمبر ۱۹۱۶ء:

جن معاملات میں فوری کارروائی کرنی ہے ان کے بارہ میں کچھ ضروری تفصیلات مفید ہوں گی۔

بمبئی ۲۰۵ بدقسمتی سے یہ ممکن نہ ہوسکا کہ حکومت بمبئی کو ذاتی طور پر عبیداللہ کے خطوط اور عبدالحق کے بیان کے انکشافات کی وسعت اور پھیلاؤ کے بارے میں وضاحت کی جاسکے۔ تاہم خطوط اور بیان کے ترجمے اوّلین موقعہ پر بمبئی کو بھیج دیے گئے۔

پنجاب سی آئی ڈی پولیس کے ایک افسر کی زبانی جس نے عبدالحق کا بیان اُردو میں درج کیا تھا۔میں نے اپنے دفتر میں ۱۹ ستمبر کی کانفرنس میں پہلی مرتبہ اس کو سنا تھا۔اس کانفرنس میں یوپی اور پنجاب کے نمائندے بھی شریک تھے۔ہم سب اس بات پر متفق تھے کہ دوسرے مقامات کے ساتھ سندھ میں بھی کچھ گرفتاریاں عمل میں آنی چاہئیں۔

کانفرنس کے بعد میں نے ہوم ڈیپارٹمنٹ کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ عبیداللہ کے خطوط سے جس صورت حال کا پتہ چلا تھا عبدالحق کے بیان سے اس پر کیا اثرات ہوئے ہیں۔چنانچہ یہ طے ہوگیا کہ میں حکومت بمبئی کو ایک ٹیلی گرام دے کر صورت حال کی تاحدامکان وضاحت کردوں۔جس میں بعض خاص خاص اشخاص کی گرفتاری کے احکام جاری کرنے کی درخواست کروں۔

میں نے جو ٹیلی گرام دیا اس کی عبارت یہ ہے۔

"بحوالہ عبیداللہ کے خطوط کا معاملہ"

ہم نے ان خطوط کا بڑی دقت نظر کے ساتھ مطالعہ کیا ہے اور عبدالحق کا طویل تفصیلی بیان

بھی حاصل کرلیا ہے جوان خطوط کو کابل سے لایا تھا۔

پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر، یوپی کے چیف سیکرٹری اور انسپکٹر جنرل پولیس کو نیز ہوم اور فارن ڈیپارٹمنٹوں اور سر جارج اروس کیپل کو سارے معاملہ کی زبانی وضاحت کردی گئی ہے۔

متفقہ رائے ہے کہ یہ اسکیم بڑی خطرناک اور نہایت اہم ہے۔ نیز یہ کہ عام صورت حال اور انکشافات کا تقاضا یہ ہے کہ حکومت کوئی قدم اُٹھائے تاکہ افغانستان عرب اور ہندوستان میں سازشیوں کے درمیان خط وکتابت، سازشوں اور روپے کے لین دین کا سلسلہ بند جائے۔

آئندہ جمعرات کو پنجاب، دلی اور پشاور میں گرفتاریاں عمل میں لائی جائیں گی۔ میری خواہش تھی کہ حکومت بمبئی کو یہ انتہائی پیچیدہ کیس ذاتی طور پر سمجھانے کے لیے کسی ہوشیار افسر کو روانہ کروں۔ کیونکہ میں اس بات کو پوری طرح سمجھتا ہوں کہ حکومت کے لیے ضروری ہے کہ اس کے احکام کے تحت جو گرفتاریاں، تلاشیاں اور نظر بندیاں کی جاتی ہیں ان کی موزونیت، مناسبت اور جواز کے بارے میں وہ اچھی طرح مطمئن ہوجائے لیکن بدقسمتی سے میرے ماتحت افسر کے لیے اس مختصر وقت میں پونہ اور سندھ دونوں جگہ پہنچنا ممکن نہیں۔

میرے خیال میں لازم یہ ہے کہ میرا ماتحت افسر سندھ جائے تاکہ مقامی پولیس پر معاملہ کی وضاحت کرسکے اور اسے پنجاب میں ہونے والی کارروائیوں سے باخبر رکھ سکے۔ اس لیے میں آپ کی اجازت سے ویویان کو کراچی بھیج رہا ہوں تاکہ وہ مقامی حکام کو سارا معاملہ سمجھا سکے۔ وہ یہاں سے پیر کو روانہ ہوگا اور بدھ کی صبح کو کراچی پہنچ جائے گا۔

میری درخواست ہے کہ ڈیفنس ایکٹ کے رول نمبر ۷ و نمبر ۱۲ الف کے تحت مندرجہ ذیل اشخاص کی (جو واضح طور پر عبیداللہ کی اسکیموں میں ملوث ہیں) گرفتاریوں کے احکام کراچی کے مقامی حکام کو بذریعہ تار بھیج دیے جائیں۔

اوّل شیخ عبدالرحیم آف حیدرآباد (سندھ) عبیداللہ کا پہلا خط اسی شخص کے نام تھا۔ ہمیں یقین ہے کہ سندھ پولیس اس شخص سے واقف ہے اس کے پتہ کی مزید تفصیل ویویان مہیا کر دے گا۔

دوم حکیم عبدالقیوم آف حیدرآباد۔ عبدالحق نے بتایا ہے کہ یہ شخص بہت اہم ہے۔ کیونکہ

وہ شیخ عبدالرحیم کا اور مندرجہ ذیل اشخاص کا نہایت قریبی ساتھی ہے۔ یقیناً عبدالقیوم سے بہت قیمتی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ غالباً سندھ پولیس اس سے ناواقف ہے۔ ویویان اس کے بارے میں مزید تفصیلات مہیا کر دے گا۔

سوم عبداللہ آف حیدر آباد، یہ شخص عبیداللہ کا خادم ہے۔ تین ماہ گزرے یہ شخص کابل سے اہم کاغذات لے کر شیخ عبدالرحیم کے پاس بھیجا گیا تھا۔ عبداللہ حیدر آباد یا پنجاب میں ہوگا لیکن وہ جہاں بھی ملے اسے گرفتار کر لینا چاہیے۔

چہارم فتح محمد آف حیدر آباد، یہ شخص کابل سے عبداللہ کے ہمراہ مذکورہ مقصد کے لیے آیا تھا۔

پنجم محمد میاں منصور آف سندھ، اسے آخری مرتبہ کابل میں دیکھا گیا تھا۔ یہ عبیداللہ کا گہرا دوست ہے۔ اب سندھ میں ہوگا۔ عبیداللہ نے شیخ عبدالرحیم کے نام خط میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ویویان اس کے بارے میں مزید تفصیلات دے گا۔

ان احکام کی اس وقت تک تعمیل نہ کی جائے جب تک ویویان نہ پہنچ جائے اور ضروری ہے کہ ان معاملات میں انتہائی راز داری سے کام لیا جائے تاکہ متاثرہ اشخاص یا حکومت کے خلاف تیاریاں کرنے والے لوگ روپوش نہ ہو سکیں۔ کارروائی کی تکمیل کے بعد ویویان پونہ پہنچ کر تمام معاملے کی ذاتی طور پر وضاحت کرے گا۔ میں نے ہل کو سارا معاملہ سمجھا دیا ہے اور یہ ٹیلی گرام بھی دکھا دیا ہے۔ وہ اس سے متفق ہے۔ (ٹیلی گرام کا اختتام)

مذکورہ بالا ناموں کے سلسلہ میں اتنا اور کہوں گا کہ حکیم عبدالقیوم کا نام عبدالحق کے مطبوعہ بیان میں شامل نہیں ہے۔ عبدالحق کے دوسرے بیان سے اس کا بہت زیادہ ملوث ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جس پر ہمارے شبہ کرنے کی بادی النظر میں کوئی وجہ نہیں۔

مذکورہ بالا ٹیلی گرام میں تیسرے اور چوتھے نمبر کے جن اشخاص کی گرفتاری کی درخواست کی گئی ہے۔ ممکن ہے وہ سندھ میں نہ ملیں کیونکہ پنجاب کی ریاست بہاولپور کے مقام دین پور میں ان کو آخری مرتبہ دیکھا گیا تھا۔ حکومت پنجاب نے ان کی گرفتاری کا فیصلہ کیا ہے۔

لیکن حکومت بمبئی کو اس سلسلہ میں اس لیے مطلع کیا جا رہا ہے کہ شاید یہ لوگ سندھ میں

ہوں۔ ممکن ہے کہ پانچویں نمبر کا شخص بھی سندھ میں نہ ملے۔ کیونکہ ہماری آخری اطلاع میں اس کی کابل میں موجودگی دکھائی گئی تھی۔

مجھے آج کراچی سے اپنے اسسٹنٹ کا ایک تار ملا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مقامی حکام عبدالقیوم سے بخوبی واقف ہیں ان کا خیال ہے کہ وہ شیخ عبدالرحیم کو بھی جانتے ہیں ہمیں اسی کی تلاش ہے۔ ان کا بیان ہے کہ یہ زمیندار ہے۔ ہندو سے مسلمان ہوا ہے اور عبیداللہ سے ملتا رہا ہے۔ سندھ میں گرفتاریاں کل تک ملتوی کر دی گئی ہیں۔

پنجاب عبیداللہ کے خطوط اور عبدالحق کے بیان سے جو باتیں معلوم ہوئیں ان سے ان اطلاعات کی تصدیق ہوئی اور ان میں اضافہ ہوا جو متعصب مذہبی جنونی مسلمانوں کی اسکیموں کے بارے میں ہمیں پہلے سے ملی تھیں اور جن سے پنجاب کے حکام کو کچھ پریشانی لاحق تھی۔ ان نئی اطلاعات کو پوری طرح سمجھ لینے کے بعد افسران متعلقہ کے لیے سارا کیس بالکل آسان ہو گیا۔

چنانچہ پنجاب سی آئی ڈی نے مقامی حکومت کو مشورہ دیا کہ مندرجہ ذیل اشخاص کے خلاف کارروائی کی جائے اور اس نے ڈیفنس ایکٹ رولز کی دفعہ نمبر ۷ اور دفعہ نمبر ۱۲ الف کے تحت تلاشیوں اور گرفتاریوں کے احکام جاری کر دیے نام یہ ہیں:

۱۔ مولوی غلام محمد آف دین پور، ریاست بہاولپور۔ عبدالحق[۲۰۶] کے بیان کے صفحات ص ۲۹-۳۰ سیاس کا سازش سے تعلق صاف معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ عبدالقادر جو نمبر ۱ کا داماد ہے۔ عبدالحق کے بیان ص ۳۰ پر اس کا تذکرہ ہے۔ عبیداللہ کے منصوبہ میں اس لیفٹیننٹ کرنل کا درجہ دیا گیا ہے۔

۳۔ عبداللہ، عبدالحق کے بیان کے ص ۲۴-۳۰ پر اس کا تذکرہ ہے۔ عبیداللہ کے منصوبہ میں اسے کرنل کا درجہ دیا گیا ہے۔

۴۔ فتح محمد، عبدالحق کے بیان کے ص ۲۴-۳۰ پر اس کا ذکر ہے۔ عبیداللہ کی اسکیم میں اسے کرنل کا درجہ دیا گیا ہے۔

اس فہرست میں نمبر ۳ و نمبر ۴ پر جن لوگوں کا نام ہے بمبئی میں مجوزہ گرفتاریوں کی فہرست میں بھی ان کو شامل کیا گیا ہے۔

۵- محمد علی، عبدالحق نے اسے عبیداللہ کا بھتیجا بتایا ہے۔ یہ شخص کابل سے ہندوستان تک اس کے ہمراہ تھا۔ بیان کا ص ۲۹ دیکھئے، یہ شخص پنجاب یا دہلی میں ملے گا۔

۶- احمد علی، یہ شخص نمبر ۵ کا بھائی ہے اور آج کل دلی میں عبیداللہ کے قائم کردہ جنونی اسکول کا پرنسپل ہے۔ عبیداللہ کی اسکیم میں اسے کرنل ظاہر کیا گیا ہے۔

۷- مولوی احمد لاہوری، شیخ عبدالرحیم کے نام عبیداللہ کے خط میں اس کا تذکرہ ہے۔ عبیداللہ کے منصوبہ میں اسے کرنل بتایا گیا ہے۔

۸- عبدالحق، عبدالحق کے بیان ص ۳۱ پر اس کا تذکرہ ہے۔ عبیداللہ کی اسکیم میں اسے کرنل بتایا گیا ہے۔ پنجاب پولیس اسے بخوبی جانتی ہے۔

۹- مولوی حمداللہ آف پانی پت، شیخ عبدالرحیم کے نام عبیداللہ کے خط میں اس کا تذکرہ ہے وہ دیوبند کے مدرسہ کے سابق طالب ہیں۔ جہاں وہ حضرت مولانا مولوی محمودالحسن کا چہیتا شاگرد تھا۔

میں کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے ہر نام کے سامنے دو ایک باتیں بہت مختصر طور پر تحریر کر دی ہیں جو ان لوگوں کے خلاف شہادت کے لیے کام دیں گی۔ عبیداللہ کے خطوط کے سلسلہ میں میں نے جو انڈیکس تیار کی ہے اس میں کچھ زیادہ تفصیلات ہیں۔ پنجاب پولیس کی اطلاعات زیادہ تفصیلی ہیں۔

آج میں نے سنا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگوں کو صبح گرفتار کر لیا گیا ہے۔

پشاور، چند دن گزرے جب سر جارج روس کیپل یہاں تھے۔ تب انہوں نے میرے ساتھ ان کاغذات کو دیکھا تھا۔ ماہ رواں کی دسویں تاریخ کو انہوں نے پنجابی سی آئی ڈی کے اس افسر سے ملاقات کی تھی جس نے عبدالحق کا بیان لیا تھا اور اس کو تحریر کیا تھا۔ انہوں نے

عبدالحق پر خود بھی جرح کی تھی۔ انہوں نے ہماری اس بات سے پورا اتفاق کیا تھا کہ محمد اسلم انگریزی دوافروش اور سالک خاں کو جو پشاور میں پناہ گزین ہے آج ہی گرفتار کرلیا جائے۔ عبدالحق کے بیان ص ۲۹ پر ان کا تذکرہ ہے۔

دلی، ماہ رواں کی دسویں اور گیارہویں کو کرنل بیڈن، قائم مقام چیف کمشنر نے میرے ساتھ مل کر ان کاغذات کو دیکھا اور میری اس بات سے اتفاق کیا تھا کہ اگر احمد علی اور محمد علی دلی میں مل سکیں جن کے نام مندرجہ بالا پنجابی فہرست میں دیے گئے ہیں تو ان کو گرفتار کرلیا جائے۔

صوبہ جات متحدہ۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات بالکل صاف ہے کہ عبیداللہ کی سازش کی ایک اہم شاخ یا اس کی ایک جڑ یوپی میں ہے۔ دیوبند کے مدرسہ اور سہارنپور اور دوسرے مقامات کی کٹر متعصب مذہبی جماعتیں اس سازش میں خوب ملوث ہیں اور عبیداللہ کی فہرست میں یوپی کے بہت سے لوگوں کے نام ملتے ہیں۔ یوپی کے حکام کی یہ رائے تھی کہ ملوث لوگوں کے مجرم ہونے کا پوری طرح یقین کرنے کے لیے مزید تفتیش مفید اور ضروری ہے۔ اس لیے فوری گرفتاریوں پر مزید تفتیش کو ترجیح دی گئی۔

میں یاد دلاتا ہوں کہ کئی مہینے ہوئے حکومت یوپی نے ڈیفنس ایکٹ رولز کے تحت مولوی محمودالحسن، (حضرت مولانا) اور مولوی خلیل احمد (جو خلیل الرحمٰن سے بھی موسوم ہیں) کے نام آرڈر جاری کیے تھے کہ اگر وہ عرب سے ہندوستان آئیں تو ان کی تعمیل کی جائے۔ چند دن گزرے آخرالذکر ہندوستان آ گیا۔ مجھے ٹیلی گرام ملا ہے کہ اس کو پولیس کی حراست میں نینی تال پہنچا دیا گیا ہے۔ جہاں اس سے پوچھ تاچھ ہو رہی ہے۔

بہار و اڑیسہ، عبدالحق نے اپنے بیان کے ص ۳۰ پر ڈاکٹر صدرالدین کو ملوث کیا ہے میں نے تصدیق کر لی ہے کہ چند برس پہلے پٹنہ میں اس نام کا ایک آدمی تھا۔ میں نے اس کے بارے میں مزید تفتیش کرنے کی ہدایت دے دی ہے۔

عرب میں دیوبند اور سہارنپور کے مولویوں کے مشن پر سنٹرل انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر کی رپورٹ ۱۶-۱۹۱۵ء

یہ ان اطلاعات کا خلاصہ ہے جو عربستان میں دیوبند اور سہارنپور کے مولویوں کے مشن کے بارہ میں ریشمی خطوط پکڑے جانے سے پہلے اس دفتر کے ریکارڈ میں تھیں۔

اگست ۱۹۱۵ء کے آخر میں دلی سے اطلاع ملی کہ دیوبند کے مولوی محمود حسن اور سہارنپور کے خلیل احمد عرف خلیل الرحمٰن حج کے لیے جاتے ہوئے دلی سے گزرے اور ۲۱ اگست کو مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نے انہیں ریلوے اسٹیشن پر وداع کیا۔

خلیل الرحمٰن چند طالب علموں اور مریدوں کے ہمراہ ستمبر کے شروع میں بمبئی پہنچے۔ محمود حسن ستمبر کے آخر ہفتہ میں پھر دلی میں دیکھے گئے اور آٹھویں کو روانہ ہو گئے۔ انہیں ڈاکٹر انصاری اپنی موٹر میں اسٹیشن پر چھوڑنے گئے تھے۔ سات مولویوں اور تین مریدوں کے ہمراہ وہ تقریباً وسط ماہ میں بمبئی پہنچے اور انہوں نے بمبئی میں انجمن خدام کعبہ کے دفتر میں قیام کیا۔

بمبئی پولیس نے اطلاع دی کہ اس جماعت کے بعض ممبروں نے بیان کیا کہ وہ عربستان میں متوطن ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں کیونکہ وہ ہندوستان میں خود کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں اور ان کو یقین ہے کہ حکومت ہند ان مولویوں کے خلاف سخت قدم اُٹھانے والی ہے۔ جنہوں نے دہلی کے مولوی عبدالحق کے وفاداری کے فتوے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ بمبئی کے پولیس کمشنر نے ایس ایس اکبر نامی جہاز کے ذریعہ ان لوگوں کی روانگی کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا تھا کہ:

> ''انہیں شبہ ہے ان مولویوں کی روانگی فریضہ حج کی ادائیگی کی خواہش کے سوا کسی اور مقصد کے لیے ہے۔''

محمود حسن اور خلیل الرحمٰن کے بارہ میں یو پی سی آئی ڈی سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان دونوں کو غیر وفادار سمجھا جاتا ہے۔ نیز محمود حسن کو مسلمانوں سے چندہ کی بڑی بڑی رقمیں مل رہی ہیں اور یہ کہ وہ اور ڈاکٹر انصاری حلیف اور شرکاء کار ہیں اور ان کے بارہ میں شبہ ہے کہ

سرحد پار کے مخالف اور منحرف لوگوں سے ان کا رابطہ ہے اور اس مشن کے سامنے سیاسی مقاصد ہیں۔

۲۷ ستمبر کو یو پی گورنمنٹ نے ہوم ڈیپارٹمنٹ کو تار دیا کہ مناسب ہوگا کہ اگر ممکن ہو سکے تو عدن میں محمود حسن کو حراست میں لے لیا جائے۔ کیونکہ اطلاع ملی ہے کہ ان کے عرب جانے کا مقصد جہاد کے لیے بھڑکانا ہے۔

ہوم ڈیپارٹمنٹ نے حکومت بمبئی سے رابطہ قائم کیا لیکن معلوم ہوا کہ اکبر جہاز عدن سے آگے جا چکا ہے۔

۱۴ اکتوبر ۱۹۱۶ء کے زمیندار میں ایک مقالہ شائع ہوا۔ جس میں انجمن خدام کعبہ کے بارہ میں ہندوستانی علماء کا رویہ بتایا گیا تھا۔ اس کے مقالہ نگار نے اس واقعہ پر زور دیا تھا کہ محمود حسن مکہ کو روانگی کے وقت انجمن کے ممبر بن گئے تھے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انجمن کے مقاصد سے دیوبند کے مولویوں نے پوری طرح اتفاق کر لیا ہے۔

اکتوبر میں ہمیں حکومت یو پی کی طرف سے ایک رپورٹ ملی۔ یہ رپورٹ اور بعد میں ایسی مزید رپورٹیں ایک ایسے شخص کی دی ہوئی اطلاعات پر مبنی تھیں جو اگرچہ محمود حسن اور ان کے پیروؤں کا معتمد تو نہ تھا لیکن ان کے منصوبوں اور ان کی نقل و حرکت کے بارہ میں کافی واقفیت حاصل کر سکتا تھا۔

پہلی اطلاع یہ تھی کہ عربستان کو روانہ ہونے سے پہلے محمود حسن نے ابوالکلام آزاد سے جو کلکتہ کے ''الہلال'' کے ایڈیٹر ہیں مشورہ کیا تھا (ابوالکلام آزاد کو ڈیفنس ایکٹ کے تحت کئی صوبوں سے نکالا جا چکا ہے اور آج کل وہ بہار میں مقیم ہیں) اور مراد آباد[۲۰۷] کے مولوی عبدالرحیم سے صلاح کی تھی۔

اوّل الذکر نے جواب دیا تھا کہ ممکن ہے زیادہ عرصہ گزرنے سے پہلے ترکی و جرمنی کی فوج ایران کے راستہ ہندوستان کی طرف پیش قدمی کرے۔ اس لیے مولانا محمود حسن کا ہندوستان میں رہنا اور مسلمانوں کو مناسب موقع آنے پر بغاوت کے لیے آمادہ کرنا زیادہ بہتر ہوگا لیکن عبدالرحیم نے مجوزہ سفر کی تائید کی اور یہ طے پایا کہ محمود حسن مدینہ جائیں اور انور پاشا

کے ایک ایلچی سے ملاقات کریں (جس کو پہلے ہی مطلع کیا جاچکا ہے) اور ان کو یقین دلائیں کہ مسلمانانِ ہند مدد کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ایلچی سے صلح ومشورے کے بعد معاملات طے کیے جائیں گے۔ اس کے بعد یہ جماعت ہندوستان لوٹ آئے گی اور طے شدہ منصوبہ کو نافذ کرے گی۔

مخبر نے کئی آدمیوں کے نام بتائے جو اس پلان سے واقف ہیں لیکن جو ہندوستان ہی میں رہ گئے ہیں ان میں سے دو آدمیوں کے نام ہیں عبدالرزاق جو ڈاکٹر انصاری (دہلی) کے بھائی ہیں دوسرے حکیم محمد حسن ہیں جو محمود حسن کے بھائی ہیں۔

اسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ دلی سے روانہ ہونے سے پہلے محمد حسن نے ڈاکٹر انصاری سے ایک کثیر رقم وصول کی ہے اور انہیں ان سے مدینہ اور انور پاشا کے متعلق گفتگو کرتے سنا گیا ہے۔

محمود حسن اور اس کی جماعت کا دلی میں جو استقبال کیا گیا اس کا انتظام عبیداللہ سندھی نے کیا تھا جو سکھ مذہب سے مرتد ہو گیا ہے اور نظارۃ المعارف ایک باغیانہ ادارہ کا صدر ہے۔ اس کا ہیڈکوارٹر فتح پوری مسجد دلی میں ہے۔

نومبر میں اس مخبر نے بتایا کہ محمود حسن نے مدینہ میں انور پاشا کے ایلچی سے ملاقات کی ہے اور اس مقصد سے ہندوستان آرہا ہے کہ سرحدی علاقہ میں اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ شورش پھیلائے اور ہندوستان میں غداری کے جذبات کو فروغ دے۔

یہ اطلاع ملنے پر کہ محمود حسن واپس ہندوستان آنے والا ہے۔ حکومت یو پی نے حکومت بمبئی کو تار دیا کہ ہندوستان پہنچتے ہی اس کو نظر بند کر دیا جائے۔ حکومت بمبئی کو خوف ہوا کہ اس کارروائی سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوگا۔ اس لیے مزید خط وکتابت کے بعد طے کیا گیا کہ اگر محمود حسن اور خلیل واپس آئیں تو بمبئی میں ان کی تلاشی لی جائے اور پولیس کے دستہ کے ساتھ الٰہ آباد بھیج دیا جائے۔ اس کے بعد مقامی حکومت فیصلہ کرے گی کہ کیا کارروائی ضروری ہے۔

دسمبر میں مخبر نے اطلاع دی کہ محمود حسن ابھی تک ہندوستان واپس نہیں آیا ہے اور اس

نے ایک ہفتہ سے زائد ہوا انور پاشا کے باپ سے صلاح و مشورہ کیا ہے (ہمیں پہلے سے علم تھا کہ انور پاشا کے والد احمد نوری حال ہی میں مکہ گئے تھے)۔

اس جماعت کا ایک ممبر مطلوب الرحمٰن جو محمود حسن کا بھائی تھا واپس آ چکا تھا اور ڈاکٹر انصاری کے بھائی عبدالرزاق اس سے ملنے اکثر دیو بند جایا کرتے تھے۔ یہ دونوں جرمنوں کے حق میں افواہیں پھیلایا کرتے تھے۔

اس نے سیف الرحمٰن کے بارے میں کچھ باتیں بتائیں۔ جو دلی میں مسجد فتح پوری کے اسکول میں ملازم تھا اور ایک سال گزرا محمود حسن سے طے کر کے سرحد چلا گیا تھا تا کہ وہاں پر بے چینی پھیلا سکے۔ سیف الرحمٰن کی خطرناک سرگرمیوں کے بارہ میں ہم کو پہلے سے علم تھا۔

مارچ ۱۹۱۶ء میں سہارنپور کے سپرنٹنڈنٹ پولیس نے اطلاع دی کہ خلیل الرحمٰن اپنی اہلیہ کو اپنے ہمراہ عربستان لے گئے ہیں اور ہندوستان کو واپسی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ بتایا گیا تھا کہ وہ اور محمود حسن مکہ کے ایک مدرسہ میں عربی پڑھاتے ہیں۔

مئی کے شروع میں حکومت یو پی کے مخبر نے اطلاع دی کہ اسے سندھ کے ایک مولوی سے (جس کے شاگرد کابل میں ہیں) اطلاع ملی ہے کہ محمود حسن نے امیر افغانستان کو عبیداللہ کی معرفت خط لکھا ہے اور امیر نے اپنے سرداروں کی ایک میٹنگ طلب کی ہے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ اگر وہ اسلام کی خاطر جنگ شروع کر دے تو کیا وہ اس کا ساتھ دیں گے۔

کچھ عرصہ بعد مخبر نے اطلاع دی کہ محمود حسن کابل پہنچ گیا ہے لیکن یہ اطلاع غلط ثابت ہوئی۔

جون میں مخبر نے اطلاع دی کہ ڈاکٹر انصاری اور ان کے بھائی محمود حسن کے کنبہ کی کفالت کر رہے ہیں اور بمبئی کی فرم حاجی زین علی کے ذریعہ انہوں نے بیس ہزار روپے محمود حسن کو بھیجے ہیں۔

اس فرم کے بارے میں بمبئی میں انکوائری کی گئی روپے بھیجنے کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا لیکن اس بات کا انکشاف ہوا کہ کئی فرموں نے محمود حسن اور اس کے دوستوں کی مکہ روانہ ہونے سے قبل مہمانداری کی ہے۔ یہ بھی اطلاع ملی کہ اس جماعت کے ممبران بجز محمود حسن اور خلیل

الرحمٰن ۱۹۱۶ء کے شروع میں ہندوستان واپس آ گئے تھے اور اس وقت بھی ان کی مہمانداری کی گئی تھی۔ اُوپر کے پیراگرافوں میں میں نے ان تمام اطلاعات کا خلاصہ پیش کیا ہے جو اگست ۱۹۱۸ء کے بعد سے حالات حاضرہ کے بارے میں ہمیں موصول ہوئیں۔ نومبر ۱۹۱۵ء میں مجھے دیوبند کے مدرسہ اور عربستان کے مشن کے بارے میں یو پی سی آئی ڈی کا ایک نوٹ ملا جس میں ساری اطلاعات درج تھیں۔ اس نوٹ میں وہ ساری باتیں درج تھیں جو اُوپر مذکور ہوئیں۔ اس میں ان لوگوں کے حالات بھی درج ہیں جن کا ذکر آیا ہے۔

مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں سرکشی کا آغاز عبیداللہ سے ہوتا ہے۔ یہ شخص نومسلم سکھ ہے۔ اس نے ۸۶-۱۸۸۱ء کے درمیان مدرسہ میں تعلیم پائی۔ ۱۹۰۹ء میں اُستاذ بن کر مدرسہ میں غداری کے جذبات پیدا کرنے کے ارادہ سے شامل ہوا۔ ۱۹۱۳ء میں غیر ملکی مال کا بائیکاٹ کرنے کی تلقین پر اس کو برطرف کر دیا گیا لیکن اس دوران اس نے صدر مدرس محمود حسن کو اپنا ہم عقیدہ بنالیا تھا۔

دیوبند سے رخصت ہونے کے بعد وہ دلی چلا گیا۔ جہاں اس نے نظارۃ المعارف قرآنیہ قائم کیا۔ بظاہر جس کا مقصد انگریزی جاننے والے مسلمانوں کو قرآن سکھانا تھا لیکن درحقیقت باغیانہ خیالات پھیلانا تھا۔

ایس سیکرٹ ڈیپارٹمنٹ	رجسٹر نمبر ۴۵۲۲	قرطاس کارروائی

ZZM

سیکرٹری کا خط ہندوستان سے ۷۷-ایم

تاریخ ۲۹ ستمبر

موصولہ یکم نومبر ۱۹۱۶ء

تاریخ | دستخط | موضوع

انڈر سیکرٹری ۲۰ نومبر

افغانستان

سیکرٹری آف اسٹیٹ ۲۱ نومبر

عبید اللہ کی سازش سر کلیولینڈ کی مزید یادداشتیں

کاپی بنام پولیٹیکل اینڈ فارن ڈیپارٹمنٹ

ڈی ایم آئی — ۴ ستمبر ۱۹۱۶ء

میجر و مینگر

برائے اطلاع

سیکرٹری فارن اینڈ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ

برائے اطلاع

دستخط — ۸ نومبر

دیکھ لیا اور شکریہ کے ساتھ واپس ہے۔ تاخیر کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

دستخط — ۱۸ نومبر

ریشمی خطوط کے معاملہ میں دوسری یادداشت

(پہلی یادداشت کی تاریخ ۱۶-۹-۱۴ ہے)

۱- ریشمی خطوط میں جو نام آئے ہیں ان میں سے کچھ ناموں کو ہم اس وقت پوری طرح نہیں سمجھ سکے تھے۔ جب ہم نے انڈکس تیار کی تھی اب صوبہ جات کی سی آئی ڈی کی مدد سے ہم نے ان میں سے بعض ناموں کے بارہ میں تفصیل حاصل کر لی ہے۔

چنانچہ حکیم جمیل اور امیر شاہ جنہیں عبیداللہ نے ''خدام'' کے خلاف بدگوئی کا بگلچی قرار دیا ہے۔ان دونوں سے صوبہ جات متحدہ کی سی آئی ڈی بخوبی واقف ہے۔ یہ دارالعلوم دیوبند کے وفادار پرنسپل کے وابستگان میں، سے ہیں۔

کاظم بے جنہیں عبیداللہ کی فہرست میں میجر جنرل لکھا گیا ہے وہ ترکی کا ایک افسر اعلیٰ ہے جو ترک جرمن مشن کے ہمراہ کابل آیا تھا۔

کچھ دن بعد میں نظرثانی شدہ انڈکس جاری کروں گا۔ ہم نے ان خطوط کا جو مزید مطالعہ کیا ہے اس سے ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ان خطوط میں جتنے بھی نام آئے ہیں وہ سب اس قابل ہیں کہ ان کے بارے میں چھان بین کی جائے۔

عبیداللہ جس شخص کو اپنی فہرست میں شامل کرنے کے لائق سمجھتا ہے اس کے بارے میں یقین کیا جا سکتا ہے کہ وہ بے حد خطرناک ہے۔

۲- میں نے اس بات کو نوٹ کیا ہے کہ عبیداللہ کی اسکیم میں کسی شیعہ کا نام شامل نہیں ہے۔اس نے شیعہ لوگوں پر جو بے اعتمادی ظاہر کی ہے اس پر خاص طور سے توجہ کرنی چاہیے۔

۳- گزشتہ ہفتہ کئی گرفتاریاں کی گئی ہیں۔ میں مختصراً بیان کرتا ہوں کہ مختلف صوبوں میں پیش رفت کیا رہی۔ پہلی یادداشت پر میں نے بعد میں جو عبارت لکھی ہے اس سے اکثر ناموں کی وضاحت ہوتی ہے۔

بمبئی:

مقامی حکومت نے دو آرڈر جاری کرائے جن کے لیے میں نے نہم ماہ رواں کو بذریعہ تار درخواست کی تھی۔

شیخ عبدالرحیم جو سندھ کا سب سے اہم سازشی ہے۔ بدقسمتی سے گھر پر نہیں مل سکا۔ وہ کٹر جنونی کی حیثیت سے بہت مشہور ہے۔ وہ نومسلم ہندو ہے۔ بارتبہ اور صاحب حیثیت ہندوؤں کے تبدیل مذہب کی کامیاب کوششوں کے باعث وہ کافی بدنام ہے۔ پولیس اس کی تلاش میں ہے۔

عبدالقیوم کا پتہ پولیس نے بڑی آسانی سے چلا لیا۔ وہ حیدرآباد کا میونسپل کمشنر اور شیخ عبدالرحیم کا ساتھی ہے۔ اسے گرفتار کر کے ضمانت پر رہا کر دیا گیا ہے۔

عبداللہ جو عبیداللہ کا ملازم ہے۔ پنجاب پولیس نے بہاولپور اسٹیٹ میں گرفتار کر لیا ہے۔

فتح محمد کا پتہ نہیں چل سکا اس کی تلاش جاری ہے اس نام کا ایک مشتبہ شخص گرفتار کیا گیا لیکن اس کو بعد میں رہا کر دیا گیا۔ اس پر شبہ اس لیے تھا کہ وہ عبدالقیوم کا بھائی ہے۔

محمد میاں منصور کا پتہ نہیں چل سکا۔ شاید وہ ابھی تک افغانستان میں ہے۔ میں نے حکومت بمبئی کو جو تار بھیجا تھا اس میں یہ پانچوں نام تھے۔ مقامی حکام نے اپنے طور پر ان کے علاوہ تین دوسرے اشخاص کو بھی گرفتار کر لیا جن کا شیخ عبدالرحیم کے گروہ سے گہرا تعلق ہے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ مولانا تاج محمود، پیر اسد اللہ شاہ اور حاجی شاہ بخش۔

ان میں سے آخر الذکر ابھی عربستان سے اسی جہاز میں واپس آیا ہے جس میں سہارنپور کا خلیل احمد آیا تھا۔ ہندوستان پہنچتے ہی اس نے شیخ عبدالرحیم کو تار اور پھر آخر الذکر سے ملاقات کرنے حیدرآباد گیا۔ وہ عبدالرحیم کا پرانا شریک کار ہے۔ عبیداللہ کی اسکیم میں اس کو لفٹنٹ کرنل بنایا گیا ہے۔ شاید وہ اس معاملہ میں کافی گہرائی تک ملوث ہے۔

مسٹر ویویان اب پونہ کے راستہ میں ہیں تاکہ حکومت بمبئی پر ذاتی طور سے وضاحت کر سکیں۔

پنجاب:

جن نو آدمیوں کے خلاف مقامی حکومت نے آرڈر جاری کیے تھے ان سب کو گرفتار کر لیا گیا۔ بجز فتح محمد کے جو ہاتھ نہیں آ سکا۔ مجھے ابھی اطلاع ملی ہے کہ عبداللہ نے بیان شروع کر دیا ہے۔

پشاور:

محمد اسلم ڈرگسٹ کو گرفتار کر لیا گیا ہے لیکن سلیم خان نہیں مل سکا۔ کہا جاتا ہے کہ شاید وہ بنیر میں ہے۔

دہلی:

احمد علی کو گرفتار کر لیا گیا جسے عبیداللہ نے اپنا مدرسہ سپرد کر دیا تھا لیکن اس کا بھائی محمد علی ہاتھ نہیں آ سکا ہے۔ احمد علی نے بتایا کہ ۱۹۱۵ء کے رمضان کے بعد سے وہ ان سے نہیں ملا ہے لیکن دلی پولیس نے جو اطلاعات حاصل کی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ گزشتہ عید کے پندرہ دن بعد محمد علی خفیہ طور پر اپنے بھائی سے ملنے آیا تھا۔

یاد رہے کہ عبدالحق قاصد نے بیان کیا تھا کہ محمد علی جو اس کے ہمراہ کابل سے ہندوستان آیا تھا بیان کرتا تھا کہ اسے ایک خفیہ مشن پر لاہور جا کر مولوی احمد لاہوری سے ملاقات کرنی ہے اور پھر دلی جا کر اپنے بھائی احمد علی سے ملنا ہے جس کے واسطے وہ بڑی اہم خبر لایا ہے اور وہ اسے مجبور کرے گا اس کے ہمراہ کابل واپس چلے۔

احمد علی نے پہلے عبیداللہ کی ایک لڑکی سے شادی کی تھی۔ اس کی موت کے بعد اس نے لاہور کے مولوی احمد کی دختر سے نکاح کر لیا تھا۔

دلی پولیس کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ احمد علی پر جرح کرنے سے پتہ چلا کہ رمضان ۱۹۱۵ء میں ایک اہم میٹنگ ہوئی تھی۔ جس میں احمد علی نے عبیداللہ محمد علی اور عبداللہ نیز شاید دوسرے اشخاص سے ملاقات کی تھی۔ عبیداللہ کے سفر حجاز سے فوراً پہلے کا یہ واقعہ ہوگا۔

صوبہ جات متحدہ:

مولوی خلیل احمد کے سوا کسی کی گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔ وہ حال ہی میں حجاز سے واپس آیا ہے۔ عبیداللہ کے خطوط پکڑے جانے سے پہلے سے آمد کو روکنے کے آرڈیننس کے ذریعہ اس کو نظر بند رکھا جارہا ہے۔

یو، پی سے مجھے آخری اطلاع انسپکٹر جنرل پولیس کے خط مورخہ ۱۸ ماہ رواں میں دی گئی کہ سینڈس نے مسل کو ذہن نشین کرلیا ہے اور ہدایات کو سمجھ لیا ہے۔ اب وہ خلیل سے پوچھ تاچھ کر رہا ہے۔ ہم جلد ہی آپ کو کسی بات سے مطلع کریں گے۔

بہار واڑیسہ:

مجھے حکومت بہار واڑیسہ کا ایک تار ملا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ڈاکٹر صدر الدین کا پتہ چل گیا ہے۔ اس کا کیس بڑی دلچسپی کا موجب ہوگا۔

۴- پنجاب میں گرفتاریوں کی خبریں اخبارات میں چھپی ہیں لیکن ان پر بہت کم تبصرے کیے گئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلم عوام کو ان میں کافی دلچسپی ہے۔

شاہی قانون ساز کونسل کے ایک مسلم ممبر نے کل کی گفتگو میں گرفتاریوں کی اصل حقیقت کو جاننے کے لیے مجھ سے کافی اصرار کیا۔

۵- یہ بات بتانی ضروری ہے کہ اس معاملہ کی تحقیقات کرنے والے ایک مسلم پولیس افسر نے مجھے ایک خط دکھایا جو اس کو دوسرے مسلم پولیس افسر نے لکھا ہے اور اس سے درخواست کی ہے کہ وہ اپنے اثرات سے کام لے کر مولوی خلیل احمد کے خلاف کیس کو بند کرا دے کیونکہ یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے خود کو مذہبی کاموں کے لیے وقف کر رکھا ہے اور کسی سیاسی سازش سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

خط لکھنے والے نے بتایا ہے کہ وہ اس مولوی کا مرید ہے اور یہ کہ اسے اور بہت سے مسلمانوں کو اس خیال سے صدمہ ہے کہ حکومت نے اس مولوی کے خلاف غلط اطلاعات کی بنا پر کارروائی کی ہے۔

اس سلسلہ میں میں یہ بات ظاہر کرنی چاہتا ہوں کہ اس مولوی کے سفر حجاز سے پہلے ہمیں نہ صرف مختلف ذرائع سے اطلاعات ملی تھیں کہ وہ سیاسی مشن پر جا رہا ہے بلکہ ہندوستان کو واپسی پر اس کے ہمراہ سفر کرنے والے ایک حاجی نے بتایا تھا کہ اس نے اور اس مولوی نے غالب پاشا اور دوسرے لوگوں سے حجاز میں ملاقات کی تھی اور وہاں بہت کافی سیاسی کام کیا گیا تھا۔

میرے خیال میں یہ خط ایک واجب الاحترام مرشد سے ہمدردی کا بالکل سچا اظہار ہے۔ بادی النظر میں مولوی خلیل احمد کے خلاف بڑے سنگین الزامات ہیں لیکن یہ بات عین ممکن ہے کہ اس کے مریدوں کو اس کی حالیہ حرکات کے بارہ میں کچھ بھی معلوم نہ ہو۔

عبیداللہ کی پارٹی کے دوسرے بہت سے لوگوں کے مریدوں میں بلاشبہ سرکاری ملازمین کی قابل لحاظ تعداد شامل ہے۔

دستخط سی آر کلیولینڈ

۲۱-۹-۱۶

ریشمی خطوط پر تیسری یادداشت

تاریخی ۱۶-۹-۲۸

دوسری یادداشت کی تاریخ ۱۷-۱۹-۲۱ ہے

بمبئی:

حیدرآباد (سندھ) کے شیخ عبدالرحیم کا پتہ نہیں چل سکا ہے۔ اس کیس میں اس کی اہمیت روز بروز زیادہ واضح ہوتی جاتی ہے۔ بمبئی میں تحقیق و تفتیش جاری ہے لیکن گزشتہ ہفتہ میں کسی اہم واقعہ کی اطلاع نہیں ملی۔

پنجاب:

گزشتہ یادداشت میں جن مختلف لوگوں کی گرفتاری کی اطلاع ملی تھی ان سب سے پوچھ تاچھ جاری ہے۔ عبداللہ جسے سابقہ خطوط میں عبیداللہ کا ملازم ظاہر کیا گیا ہے تعلیم یافتہ آدمی نکلا۔ اسے بالعموم مولوی عبداللہ کہا جاتا ہے۔ پنجاب سی آئی ڈی کی رپورٹ درج ذیل ہے۔

''عبداللہ کا بیان ہمیں زیادہ آگے نہیں لے جاتا لیکن اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ سازش بہت کمزور اور پھس پھسی [۲۰۸] ہے اور بالکل آغاز ہی میں اس کا انکشاف ہو گیا ہے۔ جو خطوط پکڑے گئے ہیں ان کے علاوہ بھی کچھ خطوط ہندوستان میں شورش پسندوں کو بھیجے گئے ہیں۔ جن میں ان لوگوں کو کابل جانے کو کہا گیا ہے سازش ابھی ایسی حد تک پہنچی ہے۔

یہ امر صاف ہے کہ ہمیں بالکل شروع [۲۰۹] ہی میں سازش کا پتہ چل گیا اور ہم نے ہندوستان میں ان لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ جن کی سازش کے منصوبہ میں ذرا بھی اہمیت تھی ہم سمجھتے ہیں کہ اس کارروائی سے سازش کو شروع ہی میں کچل دیا گیا۔ [۲۱۰]

بہاولپور کے پولیٹیکل ایجنٹ نے ایک حالیہ مراسلہ میں اس بات کا اظہار کیا تھا کہ

(گرفتار شدہ) پیر غلام محمد ایک مشہور معروف پیر ہے۔ جس کی زیارت کے لیے ہر سال سندھ سے ہزاروں مرید آتے ہیں۔ اب تک اس کی شہرت سیاسی رجحانات اور سرگرمیوں کے داغ سے پاک ہے۔ اس کی گرفتاری مقامی طور پر موضوع گفتگو بنی ہوئی ہے۔

پنجاب کے سی آئی ڈی افسروں نے مزید مطلع کیا ہے کہ پروپرائٹر رفاہ عام پریس (عبدالحق) اور امام مسجد صوفیاں والی (مولوی احمد) کی گرفتاریوں پر لوگوں میں بڑا استعجاب ہے۔ ایک قیاس آرائی ہے کہ انہیں کابل کو فرار ہو جانے والے طالب علموں سے خط و کتابت کرنے پر پکڑا گیا ہے۔

شمالی مغربی سرحدی صوبہ:

شمالی مغربی سرحدی صوبہ کے چیف کمشنر نے تحریراً اطلاع دی ہے کہ (گرفتار شدہ) محمد اسلم کا منہ پھولا ہوا ہے اور اس کا نہ تو ایسا ارادہ ہے اور نہ وہ کچھ بتانے پر تیار معلوم ہوتا ہے۔

دلی:

کوئی ایسی بات نہیں جس کی اطلاع دی جاسکے۔

صوبہ جات متحدہ:

سازش میں شامل یا اس میں ملوث مختلف لوگوں کے بیانات وصول ہو رہے ہیں۔ ان بیانات سے اور ان خطوط کے گڈے سے جو جہاز میں گزشتہ ماہ اگست میں لکھے گئے تھے۔ یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مولویوں کی مختلف پارٹیاں جو اگست و ستمبر ۱۹۱۵ء میں حجاز گئی تھیں۔ انہوں نے سیاسی صورت حال کے بارے میں اور اس سلسلہ میں اچھے (دیندار) مسلمانوں کے فرائض کے متعلق کافی غور و خوض اور بات چیت کی۔

بمبئی اور جدہ کے درمیان عرشہ جہاز پر بھی اور جدہ پہنچنے کے بعد بھی اس مسئلہ پر اکثر بات چیت ہوئی کہ آیا سچے مسلمانوں کے لیے جو صحیح اسلامی زندگی گزارنا چاہیں ہجرت یعنی ہندوستان جیسے ناپاک ملک سے فرار ہو کر کسی پاک ملک کو چلے جانا فرض ہے یا نہیں۔

اسی ذریعہ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جب عربوں نے بغاوت کی تو ہندوستانی

مسلمانوں نے خواہ وہ مقام وقوع کے قریب ہوں یا اس سے دور، ترکوں سے قلبی ہمدردی ظاہر کی نہ کہ شریف مکہ سے لیکن کافی لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ آخرالذکر دوہرا کھیل کھیل رہا ہے۔
مولوی خلیل احمد جو اس وقت نینی تال میں زیر حراست ہیں حجاز میں بدیہی طور پر حضرت مولانا محمود حسن کے بہت ہی قریب رہے۔ وہاں وہ ایک ہی اُونٹ پر سوار ہو کر مدینہ گئے اور دوسرے اوقات میں بھی ایک دوسرے سے بہت زیادہ ملتے رہے۔

کہا جاتا ہے کہ محمود حسن نے یہ فتویٰ دیا کہ ہجرت [۲۱۱] صرف ان مسلمانوں پر فرض ہے جو گھربار کے اور دوسری طرح کے علایق سے سبکدوش ہو سکتے ہیں اور چونکہ حجاز میں خلیل احمد کے ہمراہ ان کی اہلیہ بھی تھیں لہٰذا وہ ہندوستان واپس آ گئے۔

ہندوستان بھر میں خلیل احمد سے جو ہمدردی پائی جاتی ہے اس کی مجھے مزید شہادتیں بھی ملی ہیں۔ بلاشبہ وہ ایک ایسے مولوی ہیں جن کا بدیہی طور پر بہت زیادہ احترام ہے اور جن سے بڑی عقیدت ہے۔

یہ بات ممکن معلوم ہوتی ہے کہ خلیل احمد کے افکار اور عزائم پختہ نہ ہوں ۱۹۱۵ء میں جب وہ ہندوستان سے روانہ ہوئے بظاہر اس وقت تک انہوں نے فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ کون سی راہ عمل اختیار کریں گے اور بعد میں حجاز میں اپنی اہلیہ کی موجودگی کے بوجھ کے باعث وہ مجبور ہو رہے ہوں۔

اس کے ساتھ ساتھ بظاہر انہیں یہ جاننے کا بھی کافی وقت ملا تھا کہ ان کے ساتھی مولوی محمود حسن، ترک افسروں اور برطانیہ کے مخالف جنونیوں سے ملاقاتوں اور سازشوں کے ذریعہ کیا کر رہے ہیں۔

خلیل احمد نے بہت سی دلچسپ باتیں ظاہر کر دی ہیں لیکن اب بھی اس نے بہت کچھ محفوظ رکھا ہے اور وہ سب باتیں جو انہیں معلوم ہیں ان کا انکشاف نہیں کیا ہے۔

جس طرح امریکہ میں اور دوسرے غیر خطوں میں جب کوئی ہندوستانی سیاح غدر پارٹی کے کسی ممبر سے ملتا ہے تو اس کا ہم خیال ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حجاز میں اور افغانستان میں ہندوستانی مسلمان کا رجحان انگریز دشمنی کا ہو جاتا ہے جو ہندوستان میں پائے جانے والے اس

قسم کے رجحان سے جس کا وہ عادی ہوتا ہے بہت زیادہ ہوتا ہے۔

ہمیں اس مقصد کی پوری کوشش کرنی چاہیے کہ پکے سازشیوں میں اور ان لوگوں میں فرق کریں جو صحبت کے اثر سے اور غیر پابند فضا سے متاثر ہو جاتے ہیں۔

بہار و اڑیسہ:

مجھے اُمید ہے کہ ڈاکٹر صدر الدین کے خلاف کسی اقدام کی مجھے جلد اطلاع ملے گی۔

دستخط

سی آر کلیولینڈ

۲۸ ستمبر ۱۹۱۶ء

ٹیلی گرام پی

پی۴۵۲۲/ ۱۶

ازطرف شہنشاہ برطانیہ کے کونسل مامور مشہد

بنام

سیکرٹری فارن اینڈ پولیٹکل ڈیپارٹمنٹ حکومت ہند۔ شملہ

(فارن ڈیپارٹمنٹ اور چیف آف جنرل اسٹاف کو بھیجا گیا)

نمبر ۱۱۵سی

تاریخ ۲۲ستمبر ۱۹۱۶ء

موصولہ ۲۲ستمبر ۱۹۱۶ء

آپ کا تار ۱۶۸۳یس روسی جنرل کے دوسرے تار کے جواب میں تربت حیدری سے روسی کونصل میخائلوف نے کہا ہے۔کہ اس کی تفتیش ۲۶ ستمبر تک مکمل ہو سکے گی۔ تفتیش ۷ ستمبر کو شروع ہوئی تھی اور برطانوی ایجنٹ کی اطلاع کے مطابق ۱۴ستمبر کو ختم ہو چکی ہے جس کا مقصد ہمیں جلد از جلد ایسی اطلاعات دینا تھا کہ ہم زیادہ لوگوں کو گرفتار کر سکیں۔

میخائلوف نے تاخیر کی نہ تو کوئی جائز وجہ بتائی ہے اور نہ ہی کوئی یادداشت بھیجی ہے۔اس کو اندیشہ ہے کہ کہیں اس کی حکومت کی پوزیشن مشتبہ نہ ہو جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس سے ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہتا ہو۔ میں میخائلوف سے اور ان پولیٹکل ایجنٹوں کے رویہ سے بالکل غیر مطمئن ہوں جنہوں نے کاریز میں مامور ایجنٹ کو جب کہ اسے مرزا آغا کے پاس سائفر (خفیہ زبان کی کلید) مل گیا تھا۔ میری ان ہدایات کی تعمیل سے روکا کہ ہندوستانیوں کی جامہ

تلاشی کی جائے۔ یہاں پر روسی پوری طرح وفادار ہیں اور جنرل نے میرا ٹیلی گرام فوری تعمیل کے واسطے روانہ کیا ہے جس میں قیدیوں کی فوری جامہ تلاشی اور قیدیوں کو نورگر روانہ کرنے کی ہدایت ہے۔

میرا خیال ہے کہ اگر ان ہدایات کی تعمیل میں دیر ہو تو پیڈ وگراڈ سے ہدایات حاصل کروں۔ تاہم مجھے اُمید ہے کہ اس کی ضرورت نہ ہوگی۔

ازطرف وائسرائے فارن ڈیپارٹمنٹ
۲۳ ستمبر ۱۹۱۶ء پی......۳۸۴۷

خفیہ۔ افغانستان میں حامیان بغاوت

ہمارا ٹیلی گرام مورخہ ۱۵ ماہ رواں (کونسل یا نمائندہ مامور) مشہد نے اطلاع دی ہے کہ یونس اور اس کے ساتھی محمد حسین کو اپنے قبضہ میں لینے میں مشکلات پیش آ رہی ہیں۔ ان کے اپنے اعتراف کے مطابق یہ لوگ جرمن مشن سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کو ایرانیوں نے گرفتار کیا تھا۔ اس وقت یہ لوگ تربت حیدر میں روسیوں کے قبضہ میں ہیں (بحوالہ ہمارے ٹیلی گرام مورخہ ۲۱ ماہ گزشتہ) انہوں نے مقامی روسی قونصل کو بتایا ہے کہ وہ راجہ مہندر پرتاپ کے نمائندے ہیں انہوں نے زار روس کو بھیجی جانے والی سفارت نیز اس مشن کا حوالہ دیا۔

آپ کے ٹیلی گرام مورخہ ۸ ماہ رواں میں جس کا تذکرہ ہے اور کہا کہ ان کی گرفتاریوں سے ان کے قسطنطنیہ جانے کا پروگرام اُلٹ گیا ہے۔

ہمارے خیال میں یہ دونوں لاہور کے طلباء شجاع اللہ اور عبدالباری ہیں جن کے متعلق حال ہی میں کابل سے اطلاع ملی تھی کہ ان کے لباس میں ریشمی خطوط سی کر انہیں قسطنطنیہ اور برلن روانہ کیا گیا ہے۔

خراساں میں مامور روسی جنرل نے فوری نفاذ کے لیے ناقابل تغیر احکام جاری کیے ہیں کہ انہیں لے جا کر ہمارے حوالہ کر دیا جائے لیکن تربت حیدری میں مامور روسی قونصل اس میں مشکلات پیدا کر رہا ہے۔ آپ کی امداد باعث مسرت ہوگی۔

ٹیلی گرام پی

ازطرف۔قونصل جنرل شہنشاہ برطانیہ، مامور مشہد
بنام سیکرٹری فارن اینڈ پولیٹکل ڈیپارٹمنٹ حکومت ہند شملہ
(چیف آف جنرل اسٹاف کے لیے تکرار کی گئی)

نمبر۱۱۶سی

بتاریخ ۲۶ ستمبر ۱۹۱۶ء

وصول شدہ ۲۶ ستمبر ۱۹۱۶ء

پیدل فوج کی تین کمپنیاں اور ایک بیٹری کچھ چھوٹے دستوں کے ساتھ استر آباد پہنچ گئی ہیں۔۲۳ ستمبر کو ہندوستانی قیدی رم روانہ ہو گئے ہیں۔

روسی جنرل کو یہ تار تاشقند سے وصول ہوا ہے۔(تار کا مضمون ہے) راجہ پرتاپ کی سفارت کو ترمز میں روک لیا گیا ہے۔ان کی شدید نگرانی ہو رہی ہے۔جب تک کہ ان سے پوچھ تاچھ کے بارے میں پیڈوگراڈ اور لندن کا فیصلہ نہ ہو جائے اس وقت تک ان کو افغانستان جانے کی اجازت نہ ملے گی۔

(تار کا مضمون ختم)

پولیٹکل ڈیپارٹمنٹ
۲۵ اکتوبر ۱۹۱۶ء
میں وصول ہوا

رجسٹر نمبر ۲۹۹

محکمہ خفیہ قرطاس کارروائی

ہندوستان سے آئے ہوئے کاغذات بتاریخ

تاریخ موصولہ ۱۷ جنوری ۱۹۱۷ء

تاریخ	دستخط	موضوع
انڈر سیکرٹری ۱۸-۱-۱۷	دستخط	افغانستان
سیکرٹری آف اسٹیٹ ۱۸	دستخط	ریشمی خطوط کی سازش پر سی آئی ڈی کی یادداشت

نقول بنام

برائے اطلاع

یہ بہت مفید تفصیل ہے لیکن اس سے ہماری معلومات میں چنداں اضافہ نہیں ہوتا

سرائے ہرٹزل

مسٹر سیٹون

آپ کے دیکھنے کے لیے

میرے خیال میں ان میں کوئی نئی بات نہیں

پولیٹکل ڈیپارٹمنٹ

۱۷ جنوری ۱۹۱۷ء

میں وصول شدہ

دیکھ لیا

اے ایچ

۱۶ جنوری ۱۹۱۷ء

محکمہ ایس ایس ان کاغذات کو دفتر میں رکھنا مناسب سمجھے گا۔ آپ کے محکمہ کا کیا خیال ہے؟

دستخط (پڑھے نہ جا سکے)

دیباچہ

مجھے جو اطلاعات اور دیگر مواد مل سکا اس سے میں نے اس رپورٹ کو زیادہ سے زیادہ مکمل بنانے کی کوشش کی ہے اور تحقیقات میں آسانی کے لیے اسے تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

پہلے حصہ میں مقدمہ کا خلاصہ دیا گیا ہے۔ حاشیہ پر ان لوگوں کے نام دیے گئے ہیں[۲۲۱] جو متن میں بیان کردہ واقعات کے گواہ ہیں۔ نسخ میں لکھے ہوئے نام ان لوگوں کے ہیں جو ان واقعات کے بارہ میں بیان دے چکے ہیں لیکن یہ توقع نہیں کہ وہ عدالت میں اس بیان کا اعادہ کرسکیں گے۔

حاشیہ پر جو نام دیے گئے ہیں صرف ان ہی سے اس مقدمہ کے گواہوں کی فہرست مکمل نہیں ہوئی۔ کیونکہ دوسرے گواہ بھی ہیں جو استغاثہ کے بیان کے ان اہم نکات کی شہادت دے سکتے ہیں جن کی تصدیق ضروری سمجھی جائے اور جن کا اس سازش کے واقعات کے بیان میں تذکرہ نہیں کیا گیا۔

دوسرے[۲۱۳] حصہ میں اس رپورٹ کے تتمے جمع کیے گئے ہیں جو گواہوں کے بیانات کتابوں اور دستاویزات سے متعلق یادداشتوں اور بعض اہم دستاویزات کے تراجم پر مشتمل ہیں۔

ان کے علاوہ بھی دوسرے بہت سے ''ایگزیبٹ'' (دوران مقدمہ پیش ہونے والی دستاویزات وغیرہ) ہیں جنہیں اس رپورٹ تتموں میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

تیسرا[۲۱۴] حصہ ان یادداشتوں پر مشتمل ہے جو تمام سازشیوں کے لیے اور سازش سے متعلق دوسرے لوگوں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے خلاف کیا کیا شہادتیں ہیں۔

جو بیانات اور عبارات خط نسخ میں درج کی گئی ہیں ان کو قوی شہادت نہیں کہا جا سکتا۔ چنانچہ انہیں عدالت میں پیش نہیں کیا جائے گا۔

رپورٹ میں استعمال ہونے والی اصطلاحات کی تشریح

فتویٰ: باصلاحیت اور مجاز عالم دین اسلام کا مذہبی سیاسی وسماجی مسائل پر اظہار رائے۔

ہجرت: لغوی معنی میں ہیں جدائی علیحدگی۔ اس کا اطلاق کسی مسلمان کے لیے ترک وطن کرنے پر ہوتا ہے کہ اسے مذہبی رسوم وفرائض کی ادائیگی کی آزادی نہ ہو۔

مہاجر: وہ شخص جو ہجرت کرے۔

جہاد: مذہبی جنگ جو بااختیار امام مسلمانوں پر فرض کر سکتا ہے۔ اسے ان حالات میں فرض کیا جاتا ہے۔ جبکہ مسلمان ہجرت پر مجبور ہوں۔

مجاہد: وہ شخص جو جہاد میں حصہ لے رہا ہو یا جس نے خود کو جہاد کے لیے وقف کر دیا ہو۔

مجاہدین: یہ نام ہندوستان کے متعصب وہابیوں کی ایک بستی کے رہنے والوں کو دیا گیا ہے۔ جو آزاد علاقہ میں یوسف زئی قبائل کے درمیان قائم ہے۔ یہ بستی ۱۸۲۳ء میں وہابی لیڈر سیّد احمد شاہ بریلوی نے قائم کی تھی۔ اس وقت سے اس کے اراکین کا رویہ حکومت برطانیہ کے ساتھ خصومت اور جنگ ہے۔

ریشمی خطوط کے کیس کا خلاصہ

زیرنظر کیس کو ہم اپنی آسانی کے لیے ریشمی خطوط کا کیس اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس بارہ میں ہمیں گہری اور مکمل واقفیت اگست ۱۹۱۶ء میں ریشمی کپڑے پر لکھے ہوئے تین خطوط کے پکڑے جانے سے حاصل ہوئی۔ جو کابل میں موجود سازشیوں نے حجاز میں موجود سازشیوں کو بھیجنے کے لیے روانہ کیے تھے۔

یہ واقعات جو اس تفتیش اور تحقیقات کا باعث ہیں ان کا سلسلہ ۱۹۱۵ء کے اوائل سے شروع ہوتا ہے۔

(۱) افغانستان کو پنجابی طلباء کا مشن:

اس سال ماہ فروری میں پنجاب کے مختلف کالجوں کے پندرہ طلباء خفیہ طور سے اپنے گھروں سے روانہ ہوئے اور شمالی مغربی سرحد کو عبور کر کے آزاد علاقہ میں پہنچے۔

پھر دوسرے طلباء نے ایک ایک کر کے یا چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کی صورت میں ان کی پیروی کی۔ بعد کی اطلاعات سے ظاہر ہوا کہ ان کی اس کارروائی کا محرک سلطنت برطانیہ کی مخالفت کا جذبہ تھا۔ ترکی سے برطانیہ کی جنگ اس کا سبب تھی۔ جس کے خلاف غیر وفادار واعظوں اور مبلغوں نے نہایت زبردست مکروہ پروپیگنڈہ کیا تھا۔ ان جوانوں کا ارادہ اور کوشش یہ ہوتی تھی کہ پہلے تو وہ برطانیہ قلمرو سے نکل جائیں اور پھر جس کام کے لیے بھی ان میں صلاحیت ہو جیسے جاسوس، قاصد، واعظ یا مبلغ جہاد یا فوجی اس کام کے لیے وہ اپنی خدمات ترکوں کو پیش کر دیں۔

انہیں اُمید تھی کہ افغان گورنمنٹ کی عنایت اور تعاون سے وہ ترکی پہنچ سکیں گے۔ انہیں

توقع تھی کہ افغانستان برطانیہ عظمیٰ سے برسرجنگ ہونے والا ہے یا ہندوستان کے غیر وفادار لوگ بدگمانیاں پیدا کر کے اور دباؤ ڈال کر اسے لڑائی پر مجبور کر دیں گے۔

۱۹۱۵ء میں جو تفتیش اور تحقیقات کی گئی اس سے اہم واقعہ کا بھی انکشاف ہوا کہ صوبہ سرحد تک طلباء کے سفر کا انتظام پنجاب اور شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں وہابیوں کی ایک جماعت کرتی تھی اور برطانوی قلم رو کے عبور کر لینے کے بعد طلباء کو سرحد پار کے وہابی بنیر پہنچا دیتے تھے جو آزاد علاقہ میں ان وہابیوں کی بستی ہے جن کو مجاہدین یا متعصب ہندوستانی کہا جاتا ہے۔

(۲) ہندوستان میں وہابیت:

انیسویں صدی کے شروع میں عرب کے وہابیوں کی تحریک ہندوستان میں داخل ہوئی۔ بریلی کے مولانا سیّد احمد شاہ [۲۱۵] نے گنگا کی وادی میں اسے رائج کیا (جہاں سے یہ بڑی تیزی سے بالائی ہندوستان میں پھیل گئی) انہوں نے ۱۸۲۳ء میں کچھ پیروں کے ہمراہ خود بھی شمالی مغربی سرحدی صوبہ کو عبور کیا اور یوسف زئی قبائل کے علاقہ میں مجاہدین یا متعصب ہندوستانی مسلمانوں کی ایک بستی قائم کی تب سے یہ ہندوستان کے بے دین حکمرانوں کے لیے عذاب بنی ہوئی ہے۔

شروع میں اس کا قیام خاص اس مقصد کے لیے عمل میں آیا تھا کہ سرحدی قبائلیوں کو سکھوں [۲۱۶] کے خلاف جہاد کے لیے اُکسائے جو اس وقت پنجاب پر قابض تھے تب سے یہ بستی ہندوستانی وہابیوں کی مالی امداد سے اور ہندوستان سے یہاں آتے رہنے والے نوجوان وہابیوں کی وجہ سے (میدانِ جنگ میں ہزیمتیں اُٹھانے اور برطانیہ کے دوست قبائل کی طرف سے سیاسی مشکلات اور دُشواریوں کا سامنا کرنے کے باوجود) تاہنوز قائم ہے۔

ہندوستان میں ۱۸۶۵ء سے ۱۸۷۳ء تک [۲۱۷] وہابیوں کے خلاف عدالتی تحقیقات اور مقدمات کے طویل سلسلہ کے دوران ہندوستان میں سازشیں کرنے اور روپیہ جمع کر کے اسے سرحد پار کے متعصب ہندوستانیوں کو بھیجنے والی ایک جماعت کا پتہ چلا تھا جس پر کئی بڑے بڑے وہابیوں کو سزائیں دی گئی تھیں اور یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ اب یہ تحریک ہندوستان میں گویا ختم ہوگئی ہے۔

اس کے بعد ہندوستان میں وہابی عقائد کے ماننے والے مختلف ناموں سے پکارے جانے لگے جیسے اہل حدیث، غیر مقلد، فرازی وغیرہ اور جلد ہی ہندوستان سے وہابیوں کا بظاہر نشان مٹ گیا۔ سرحد پار بھی مجاہدین کی بستی کی طاقت اور اثر گھٹ گیا۔ بعد میں اس کا اثر نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔

۱۹۱۰ء میں یہ تحریک پھر سر اُٹھاتی ہوئی معلوم ہوئی۔ کیونکہ افغانستان کے انگریز دشمن جماعت کے ایک نہایت طاقتور رکن نے متعصب ہندوستانیوں کی مالی امداد اور ہمت افزائی شروع کر دی۔

(۳) کابل کو طلباء کے مشن کی اہمیت:

یہ تھی وہ جماعت جس کے احیاء کی جھلک فروری ۱۹۱۵ء میں پنجابی طالب علموں کے فرار کے واقعہ میں دکھائی دی۔ اس وقت اس معاملہ کی تیزی سے انکوائری نہیں کی گئی۔ کیونکہ یہ بات اس وقت کی پالیسی سے ہم آہنگ نہ تھی کہ مسلمانوں کے معاملات میں ایسے نازک موقعہ پر اتنی گہرائی میں جا کر تحقیقات کی جائے۔ چند لوگوں کے بارے میں یقین ہو گیا کہ انہوں نے اس مہم میں عملاً مدد کی ہے۔ ان کو نظر بند کر دیا گیا لیکن اتنی گہرائی تک تحقیق نہ کی گئی۔ جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ مہم وہابیوں کی اپنی کوشش تھی یا کسی دوسرے سازشی نے وہابیوں کی جماعت کی اس باقیات کو باغیانہ اور اتحاد اسلامی کے مقاصد کے لیے بالقصد استعمال کرنے کی کوشش کی۔

(۴) مولوی عبید اللہ تحریک کا سربراہ:

ابھی حال ہی میں اس امر کا پتہ چلا ہے کہ آخری بات درست ہے اور یہ کہ طالب علموں کی ہجرت کا محرک اصلی مولوی [۲۱۸] عبید اللہ ہے جس نے کلکتہ کے ابوالکلام کی رضامندی اور تعاون سے جو اتحاد اسلامی کا حامی مولوی ہے۔ نیز کچھ اور وہابی لیڈروں کی مدد سے اس مہم کو چلایا ہے اور اس کے مصارف برداشت کیے ہیں۔

مولوی عبید اللہ نو مسلم سکھ پنجابی ہیں۔ انہوں نے دار العلوم دیو بند ضلع سہارنپور یوپی میں تعلیم پائی ہے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد انہوں نے بارہ برس سندھ میں گزارے۔ جہاں

وہ بہت بااثر ہو گئے تھے اور انہوں نے جنونی جذبات رکھنے والوں کے لیے مدرسہ قائم کیا تھا۔ پھر وہ دیوبند میں اُستاد بن کر واپس آئے اور انہوں نے جمعیۃ الانصار قائم کی۔ یہ دیوبند کے پرانے طالب علموں کی انجمن تھی۔ بظاہر یہ بالکل بے ضرر تھی لیکن اس کے مقاصد جیسا کہ اب واضح ہوا ہے باغیانہ تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں ایک اُستاد کی حیثیت سے مولوی عبیداللہ نے بڑی کامیابی کے ساتھ کئی اساتذہ کی وفاداری کو متاثر کیا جن میں خصوصیت سے مولانا محمود الحسن صدر مدرس شامل ہیں۔ وہ نہایت بااثر عالم ہیں۔ اس معاملہ میں آگے پھر ان کا ذکر آئے گا۔

اساتذہ میں اختلاف [۲۱۹] کے باعث بالآخر مولوی عبیداللہ کو برطرف کر دیا گیا۔ ۱۹۱۳ء میں وہ دلی میں متوطن ہو گئے اور ترکوں کے مشہور حامی رام پور کے مولانا محمد علی مدیر کامریڈ کے گہرے دوست بن گئے۔

عبیداللہ نے دلی میں نظارۃ المعارف القرآنیہ کے نام سے عربی کا ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ [۲۲۰] حالیہ تحقیقات سے ظاہر ہوا ہے کہ اس کے قیام کا مقصد اسے اتحاد اسلامی کی سازش کا ہیڈ کوارٹر بنانا تھا۔

(۵) آزاد علاقہ کو مولوی سیف الرحمٰن کا مشن:

آیئے اصل واقعات کی طرف لوٹیں جون ۱۹۱۵ء میں مولوی سیف الرحمٰن جو فتح پوری مسجد میں اُستاد تھے اچانک غائب ہو گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ شمالی مغربی سرحد کو عبور کر کے آزاد علاقہ میں پہنچ گئے ہیں۔

وہ فوراً حاجی صاحب ترنگ زئی سے وابستہ ہو گئے۔ وہ ضلع پشاور کا ایک پرجوش لیکن بااثر کٹر متعصب ہندوستانی تھا اور ہجرت کر کے آزاد علاقہ میں آ گیا تھا۔

اس [۲۲۱] نے حاجی صاحب کو مجبور کیا کہ علم جہاد بلند کرنے کی ان تھک کوشش میں سرحد کا دورہ کریں وہ کامیاب رہا۔ اس کا ثبوت ان واقعات سے مل گیا جن کے نتیجہ میں ۱۵ اگست ۱۹۱۵ء کو رستم کے مقام پر جنگ ہوئی۔ جس میں کئی متعصب ہندوستانی کام آئے۔

اس کے بعد ہماری سرحدوں پر رہنے والے قبائل کی بے چینی اور شورشیں بھی حاجی

صاحب کی کوششوں کا نتیجہ تھیں۔ اس وقت یہ بات معلوم نہ تھی لیکن بعد میں اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ سیف الرحمٰن کے مشن کی ذمہ داری بھی عبیداللہ[۲۲۲] پر ہے۔ یہ اس کی سازش کا ایک لازمی حصہ تھا۔

مولوی عبیداللہ کا فرار کابل

کابل میں ہندوستانیوں کی سازشیں اگست ۱۹۱۵ء اور بعد کے واقعات:

اسی ماہ یعنی جون ۱۹۱۵ء سے سرکاری کاغذات سے مولوی عبیداللہ کا کچھ پتہ نہیں چلتا اس کے بعد سے انہیں برطانوی ہند میں نہیں دیکھا گیا۔

اب معلوم ہوا ہے کہ سندھ میں چند ماہ کے قیام میں انہوں نے اپنے پرانے روابط کو تازہ کیا۔ اپنے باغی دوستوں سے صلاح ومشورہ کیا اور ان سے خط وکتابت کے طریقے متعین کیے اور اس کے بعد اپنے حلیفوں کے ہمراہ براہ کوئٹہ وقندھار کابل کو روانہ ہوگئے۔ ۱۸ اکتوبر کو وہ کابل پہنچے اور لاہوری طلباء کو پیرا نمبر ۲ جو اس وقت کابل پہنچ چکے تھے اور ترک جرمن مشن سے جس کے سرغنہ دو غدار ہندوستانی مہندر پرتاپ اور برکت اللہ تھے ان سے وہ جا کر مل گئے۔ مہندر پرتاپ اور برکت اللہ نے براہ برلن وقسطنطنیہ کابل کا سفر کیا تھا۔ وہ قیصر جرمنی اور سلطان ترکی کے خطوط لائے تھے کہ افغانستان کو ہندوستان پر حملہ کے لیے آمادہ کرسکیں۔ کابل میں ہندوستانی سازشیوں نیز سردار نصراللہ خاں اور افغانستان میں جنگ کے حامی عناصر کے درمیان کئی بار صلاح ومشورہ ہوا۔

روسی ترکستان قسطنطنیہ اور برلن کو برطانیہ کے خلاف مشن روانہ کیے گئے کابل میں موجود ہندوستانی سازشیوں اور ہندوستان میں موجود ان کے مشیروں کے درمیان بہت کافی خط و کتابت ہوئی جس کا نقطہ عروج[۲۲۳] اگست ۱۹۱۶ء میں ریشمی خطوط کا پکڑا جانا ہے جو ایک لاہوری طالبعلم کے پاس سے برآمد ہوئے جو قاصد کا کام کررہا تھا۔

(۶) مولوی محمود حسن کا حجاز کو مشن ستمبر ۱۹۱۵ء:

دریں اثنا دیو بند کے ممتاز مولویوں کی دو جماعتیں ستمبر ۱۹۱۵ء میں حجاز کے لیے روانہ ہوئیں۔ یہ عام طور پر افواہ تھی کہ ان کا ارادہ ہجرت کرنے کا ہے اور مخالف حکومت جذبہ نے ان کو اس اقدام پر آمادہ کیا ہے۔

یہ بھی افواہ تھی کہ وہ حجاز میں چند خاص ترک افسروں سے ملاقات کریں گے لیکن بروقت کوئی ایسی اطلاع نہیں مل سکی جس سے ان کو ہندوستان ہی میں روکا جا سکے۔

بمبئی میں گرم جوشی سے رخصت کیے جانے کے بعد یہ دونوں جماعتیں ستمبر ۱۹۱۵ء میں بمبئی سے روانہ ہوگئیں۔ مولوی خلیل احمد اور ان کی پارٹی ۸ ستمبر ۱۹۱۵ء کو اور مولانا محمود حسن اور ان کی پارٹی ۱۸ ستمبر ۱۹۱۵ء کو روانہ ہوئیں۔

۱۹۱۵ء کے موسم خزاں میں اور ۱۹۱۶ء کے موسم بہار میں ان پارٹیوں کے بعض اراکین ہندوستان لوٹ آئے لیکن جب تک کہ ریشمی خطوط کے ذریعہ ہمیں عبید اللہ کی سازش اور محمود حسن کے اس سے تعلق کے بارہ میں قابل اطمینان واقفیت حاصل نہ ہوئی ان میں سے کسی سے پوچھ تاچھ نہیں کی گئی۔

(۷) ساری سازش کا انکشاف ریشمی خطوط کے ذریعہ ہوا:

اس سازش کے اراکین کو ''جنود ربانیہ'' (خدائی فوج) نام دیا گیا تھا۔ اس کے تمام اراکین کو فوجی عہدے دینا اور مدینہ کو اس کا خاص مرکز بنانا طے پایا تھا۔ جہاں دیو بند کے مولوی محمود حسن کو القائد یا جنرل مقرر کیا گیا تھا۔ اس کے ثانوی مراکز استنبول، تہران اور کابل تھے۔ کابل میں مولوی عبید اللہ کو قائم مقام جنرل مقرر کیا گیا تھا۔

اس فوج کا مقصد کافروں کے تحت حکومت ممالک اسلامیہ بالخصوص ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے سلاطین اسلامیہ کو متحد کرنا تھا۔ مولانا محمود حسن کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ حجاز کے ذریعہ خلافت عثمانیہ سے رابطہ قائم کریں اور اس حکومت کو چند شرطیں ماننے پر آمادہ کریں۔ جن کے پورے ہونے پر حکومت افغانستان، برطانیہ سے برسر جنگ ہو جائے گی۔ اس فوج کے جو

افسران کابل میں تھے ان کے ذمہ تھا کہ وہ بھی اسی مقصد کے لیے افغانستان کے انٹی برٹش[۲۲۴] عناصر سے جوڑ توڑ کرتے رہیں اور آزاد قبائل میں برطانیہ کے خلاف ہر وقت عداوت اور دشمنی کے جذبات کو مشتعل کرتے رہیں۔

ہندوستان میں جو سازشی موجود تھے ان کا کام (غالباً پرانی وہابی تحریک کے ذریعہ) روپیہ جمع کرنا تھا تا کہ کابل ہندوستانی مسلمانوں میں مذہبی جنون کو اتنا زیادہ بڑھا دینا تھا کہ افغانستان اور ہندوستان کے درمیان جنگ چھڑتے ہی وہ بھڑک کر ہر طرف آگ لگا دیں۔

اس فوج کے افسروں کی ایک فہرست خطوط کے ساتھ منسلک تھی جس سے ظاہر ہو گیا کہ سازش کی ہدایت کرنے والی طاقت عبیداللہ کی تھی۔ اس فوج کے افسران واضح طور پر چار گروپوں میں منقسم تھے۔

۱- عبیداللہ کے کٹر متعصب جنونی دوست، پیرو اور رشتہ دار جو سندھ میں تھے اور ان کے رابطے ہندوستان کے سب حصوں میں تھے۔

۲- دیوبند (سہارنپور) اور دلی کے مولویوں کا گروپ جنہیں عبیداللہ نے جب وہ دارالعلوم دیوبند میں اُستاد تھا۔ نیز جمعیۃ الانصار اور نظارۃ المعارف القرآنیہ سے تعلق کی بنا پر اپنے اثر میں لے لیا تھا۔

۳- بہار۔ یوپی، پنجاب اور شمالی مغربی سرحدی صوبہ کے وہابی جو چندہ جمع کیا کرتے تھے۔

۴- اتحاد اسلامی کے حامی مشہور لیڈر۔

جنود ربانیہ کی اسکیم ایک جماعت سے مربوط تھی جسے حکومت موقتہ ہندیہ کہا جاتا تھا۔ جس کے کارکنوں کے لیے مسلمان ہونا لازم نہ تھا۔ راجہ مہندر پرتاپ اس کے صدر تھے۔ وزیر اعظم مولوی برکت اللہ اور وزیر امور ہند مولوی عبیداللہ تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جماعت کا مقصد تھا ہند اور افغانستان میں تصادم اور افغانستان میں جو غیر مطمئن ہندوستانی تھے ان کے وفود کو غیر جانب دار یا دشمن ممالک میں بھیج کر جوڑ توڑ اور سازباز کرنا۔

مختصر یہ کہ عبیداللہ کی اسکیم یہ تھی کہ ہندوستان میں اسلامی عسکریت کی سوکھی ہڈیوں میں سے جن اجسام میں زندگی کی رمق باقی ہے ان سے کام لیا جائے۔ اس طرح اس نے اپنی سازش میں وہابی تحریک کی باعمل مشینری مولوی طبقہ کا اسلامی جوش وجذبہ اور اتحاد اسلامی کے حامیوں کی سیاسی توانائی اور تلخی کو یکجا کر دیا تھا۔

اس کا مزید منصوبہ یہ تھا کہ ایک دوسری سازشی جماعت (یعنی حکومت موقتہ ہند) کے پہلو بہ پہلو کام کیا جائے تاکہ ہندوؤں کے انقلاب پسند عناصر اس کی جانب رہیں۔

(۸) حجاز میں مولوی محمود حسن کی سرگرمیاں:

ان خطوط کے برآمد ہونے سے جو مدینہ طیبہ میں مولوی محمود حسن کے نام تھے مولوی محمود حسن کی پارٹی کے ان لوگوں کے خلاف تحقیقات شروع ہوئی جو واپس آچکے تھے۔ ان کے بیانات سے ہمیں حجاز میں مولوی محمود حسن کی سرگرمیوں کا کچھ اندازہ ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روانگی کے وقت بجز اس کے اور کچھ پیش نظر نہ تھا کہ ہمدردی رکھنے والے ترک افسروں سے ملاقات اور جوڑ توڑ کر کے ہندوستان کے خلاف یا افغانستان کی مدد کے لیے فوج بھجوانی ہے کہ وہ ہم پر حملہ کر سکے۔

اس کی اور خلیل احمد کی جماعتیں [۲۲۵] حجاز میں باہم مل گئیں لیکن اس بات کا یقین نہیں کہ کیا مولوی خلیل احمد سازشیوں کے اندرونی رازوں سے واقف تھا اور نہ اس بات کا کہ کیا دونوں جماعتوں کے اراکین مساوی طور پر سازش میں ملوث تھے۔

محمود حسن نے حجاز کے والی غالب پاشا سے یقیناً غدارانہ سازباز کی لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آخر الذکر نے اس مہم میں اس کی کچھ زیادہ ہمت افزائی کی۔ غالب پاشا نے کہا کہ ترک دوسرے قصوں میں اُلجھے ہوئے ہیں اور وہ نہ تو افغانستان کو مدد بھیج سکتے ہیں اور نہ ہندوستان کو لشکر روانہ کر سکتے ہیں۔

تاہم انہوں نے مولانا کو ایک فرمان جہاد دے دیا جسے مولوی محمد میاں [۲۲۶] نے ہندوستان پہنچا دیا۔ وہ اس جماعت میں شامل تھے جو جنوری ۱۹۱۵ء میں ہندوستان لوٹی تھی کہا جاتا ہے کہ آزاد علاقہ کے کٹر متعصب قبائل کو ہمارے خلاف مقابلہ میں لانے کے لیے اسے

بڑے مؤثر طریقہ پر استعمال کیا گیا۔اس کی نقلیں کر کے ہندوستان میں بھی تقسیم کی گئی تھیں۔

یقین کیا جاتا ہے کہ مولوی محمود حسن اور مولوی خلیل احمد دونوں نے ۱۹۱۶ء میں کسی وقت حجاز میں جمال بے اور انور بے سے ملاقات کی تھی لیکن ان ملاقاتوں کے بارے میں کسی اور تفصیل کا علم نہیں۔مولوی خلیل احمد ستمبر ۱۹۱۶ء میں ہندوستان واپس آ گئے۔جبکہ مولوی محمود حسن اور ان کی جماعت کے چند منتخب اراکین حجاز ہی میں ٹھہرے رہے اور شاید اب بھی مدینہ میں ہیں۔

کسی وقت مولوی محمود حسن کو خیال ہوا تھا کہ وہ حجاز سے قسطنطنیہ جائے لیکن ہم نہیں سمجھتے کہ اس نے اپنا یہ ارادہ پورا کر لیا ہو۔ابھی حال ہی تک وہ مکہ میں تھا۔

دستخط

وی وی ویان

ایس سیکرٹ ڈیپارٹمنٹ	رجسٹر نمبر ۳۶۸۸	قرطاس کارروائی

حکومت ہند کا تار

بتاریخ ۱۲ ستمبر ۱۹۱۷ء
موصولہ ۱۳ ستمبر ۱۹۱۷ء

تاریخ	مختصر دستخط	موضوع
انڈر سیکرٹری ۱۵ ستمبر سیکرٹری آف اسٹیٹ ۱۵ ستمبر		افغانستان ریشمی خطوط کا کیس باغیوں کی کارروائیاں سرحدی قبائل علاقہ میں

نقول بنام ڈی ایم آئی ایف آر
۱۹ ستمبر ۱۹۱۷ء

برائے اطلاع

ایم سیہاں — اسے ملاحظہ کریں

دستخط — ۱۳ ستمبر ۱۹۱۷ء

دیکھ لیا اور شکریہ کے ساتھ واپس ہے

دستخط — ۱۴ ستمبر ۱۹۱۷ء

پولیٹکل ڈیپارٹمنٹ۔ اس ٹیلی گرام کو چھاپنے سے پہلے کیا اس میں نمایاں غلطیوں کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔

دستخط

۱۵ ستمبر ۱۹۱۷ء

ایس آف ایس

حکومت ہند کے تار مؤرخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۱۶ء میں ریشمی خطوط کی سازش کو مختصراً بیان کیا گیا ہے (اس پر فلیگ (کاغذ کی چٹ) لگا دی گئی ہے) یہ بڑا خلاف عقل اور بعید از قیاس معاملہ تھا لیکن اس کا انکشاف ہونے سے حکومت ہند ہندوستان میں ترکوں کے حامی ایجی ٹیٹروں کی ایک تعداد کو گرفت میں لے سکی۔ اس وقت جو کاغذات ہاتھ لگے ہیں وہ امیر کی روش کی شاندار سند ہیں۔

یاغستان: شمالی مغربی سرحد پر آزاد قبائلی علاقہ

مجاہدین: ہندوستانی متعصب جن کے ساتھ حکومت ہند نے حال ہی میں عارضی التوائے جنگ کیا ہے۔

محمود حسن: ترکوں کا حامی ہندوستانی مسلمان ہے۔ جو جنگ کے شروع میں مدینہ چلا گیا تھا۔

پھر ہم نے اسے مالٹا جلاوطن کر دیا تھا۔

دستخط

۱۵ ستمبر ۱۹۱۷ء

ٹیلی گرام از طرف وائسرائے فارن ڈیپارٹمنٹ

مورخہ ۱۲ستمبر ۱۹۱۷ء موصولہ ۱۱ بجے شب

پی ۳۶۸۸-۱۹۱۷ء

خفیہ: ریشمی خطوط کا کیس ہمارا ٹیلی گرام مورخہ ۲۳ستمبر ۱۹۱۷ء

سی آئی ڈی کے ایک ایجنٹ کے ذریعہ مزید دستاویزات ہمارے ہاتھ لگی ہیں جس نے باجوڑ میں موجود سازشیوں کا اعتماد حاصل کرلیا تھا اور حج و زیارت کے بہانے انور پاشا کو کچھ دستاویزات پہنچانے کے لیے خود کو نامزد کرالیا تھا۔

ان دستاویزات میں یہ چیزیں شامل ہیں۔

(پہلی دستاویز) سلطان کی خدمت میں حزب اللہ کی طرف سے عرض داشت جس پر حاجی ترنگ زئی، ببر املا اور دو ہندوستانی مجاہدین کی مہریں ثبت ہیں۔

(دوسری دستاویز) یاغستان کے خانوں اور علماء کی عرضداشت جس پر ببر املا چار باجوڑی باشندوں اور دو مجاہدین کے دستخط ہیں۔

(تیسری دستاویز) محمد میاں مہاجر کا وضاحتی خط جو ''جنود ربانیہ'' میں لفٹنٹ جنرل ہے اور ریشمی خطوط میں جس کا تذکرہ ہے۔

دونوں عرضداشتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ صلح کانفرنس میں ترکوں کے اقتدار اعلیٰ کے تحت اس علاقہ کی آزادی کا تعین کرایا جائے۔ ترکی افسروں کو روانہ کیا جائے کہ وہ یہاں شہری نظم قائم کریں اور اسے ترقی دیں۔

عرضداشت نمبرا میں مزید کہا گیا ہے کہ اگر دوران جنگ ایک ترکی فوج اسلحہ و رسد لے کر

یاغستان پہنچ جائے تو لاکھوں غازی اُٹھ کھڑے ہوں گے اور افغانستان کو جنبش میں لانے کے واسطے بھی یہ چال مناسب ہوگی۔ عرضداشت نمبر۲ میں کہا گیا ہے کہ مزید تشریح اور تفصیلی وضاحتیں دستاویز نمبر۳ میں ملیں گی۔

محمد میاں مجاہد کا خط اگرچہ مولانا محمود حسن کے نام ہے جو اس وقت مالٹا میں نظر بند ہیں لیکن یہ خط انور (بے) کو بھی دیا جانا تھا۔

اس میں بتایا گیا ہے کہ افغانستان میں تحریک کی ناکامی کا سبب انگلستان سے امیر کی دوستی اور اسلام سے غداری۔

اس نے علماء اور قبائلی ملکوں کی کونسل قائم کر دی۔

نصراللہ کے ایما سے تیراہ میں جو عرب سفارت روانہ کی گئی تھی اس کی منظوری واپس لے لی اور نصراللہ کو سرحدی معاملات کے محکمہ سے ہٹا دیا۔ اس لیے ''راقم الحروف'' نے افغانستان کے ذریعہ کام کی اسکیم کو ترک کر دیا ہے اور سلطان کے نام پر یاغستان میں کام شروع کر دیا ہے۔ یہاں پر امیر کے اثر سے تحریک میں رکاوٹ پڑ رہی ہے۔ تیراہ میں کوگی خیل قبائل میں امیر کی مخالفت کے باعث کوئی کامیابی نہیں ہوسکی۔ امیر کی انگریز دوستی کی وجہ سے باجوڑ میں جوش و جذبہ سرد پڑ رہا ہے لیکن ابھی حالات مایوس کن نہیں ہیں۔

امیر کی غداری کے باعث یاغستان میں اتحاد اسلامی کی تحریک کو جو نقصان پہنچا ہے اس کی کسی طرح تلافی نہیں ہوسکتی۔ عام صورت حال مقامی طور پر اُمید افزا ہے لیکن امیر اب تک نہیں بدلا ہے۔

اگر ہندوستان پر حملہ کرنا ہے تو عثمانی فوج کے کچھ افسران اور رسد یاغستان روانہ کی جائے۔ اگر یہ ناممکن ہے تو عثمانی سیاستدان عثمانی سرمایہ سے یاغستان کو ترقی دیں اور وسط ایشاء میں یاغستان کی وہی حیثیت بنا دیں جو افغانستان کی ہے لیکن انگلستان سے امیر کے میثاق کے باعث اس میں بھی مشکلات پیش آئیں گی۔

خط کے اختتام پر حکومت موقتہ ہند (میں نے اپنے تار مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۱۶ء میں جس کو بیان کیا تھا) کو کٹر ہندو قرار دے کر اس کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ جس کا رکن خود مراسلہ نگار ہے۔

محمد میاں نے ایک الگ خط میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ایران کے ذریعہ یا روس کے ساتھ گفتگو ہونے پر روسی ٹرین کے ذریعہ ترکی فوج اگر ہرات پہنچ سکے تو نصر اللہ امیر کے خلاف افغانستان میں علم بغاوت بلند کر کے ہندوستان پر حملہ کر سکتا ہے۔

اصل خط اور عرضداشتوں کے لہجہ اور انداز سے نیز اس واقعہ سے کہ مراسلہ نگار ایک برس سے افغانستان نہیں گیا تھا اور اس کے ایلچی سے جسے اس نے ذرا پہلے روانہ کیا تھا۔ نصر اللہ نے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا تھا ان سب باتوں سے ان الفاظ کی تردید ہوتی ہے جو خط کے آخر میں بڑے اعتماد کے ساتھ بڑھائے گئے تھے۔

ان دستاویزات کے فوٹو لیے جانے کے بعد مخبر سازشیوں کے پاس واپس چلا جائے گا۔ اصل خط اس کے ساتھ ہوں گے۔ وہ جا کر انہیں بتائے گا کہ حاجیوں کا جہاز نکل گیا تھا۔ اس کے بعد ممکن ہے یہ کوشش کی جائے کہ اس کو روس کے راستہ سے بھیجا جائے۔

اگر یہ خط انور پاشا کو مل بھی گئے تو بھی کوئی نقصان نہ پہنچے گا ہمیں اس کا جواب مل جائے گا اور سازش کی ڈوریاں ہمارے ہاتھوں میں رہیں گی۔

استغاثہ

از ملک معظم شہنشاہ ہند، بنام عبید اللہ وغیرہ

سلسلہ واقعات

۱۹۰۹ء عبید اللہ نے دیوبند میں جمعیۃ الانصار قائم کی ستمبر ۱۹۱۱ء جنگ طرابلس کا آغاز۔

۱۹۱۲ء ابوالکلام آزاد نے کلکتہ میں جمعیۃ حزب اللہ قائم کی۔ ماہ اکتوبر ۱۹۱۲ء جنگ طرابلس کا خاتمہ

ماہ اگست ۱۹۱۳ء دوسری جنگ بلقان کا اختتام۔

یکم نومبر ۱۹۱۳ء عبید اللہ نے دلی میں نظارۃ المعارف القرانیہ قائم کی۔

نومبر ۱۹۱۴ء ترکی برطانیہ کے خلاف جنگ میں شامل ہوگیا۔

۵ فروری ۱۹۱۴ء لاہور کے پنجابی مہاجر طلبہ نے سرحد پار کرلی۔

جون ۱۹۱۵ء مولانا محمود الحسن نے مہاجر علماء کو سرحد پار روانہ کردیا۔

اگست ۱۹۱۵ء ابوالکلام آزاد نے کلکتہ میں دارالارشاد کا آغاز کردیا۔

اگست ۱۹۱۵ء مہمند اور دوسرے قبائل کی سرحد پر لڑائیاں۔

اگست ۱۹۱۵ء عبید اللہ کی ہندوستان سے آزاد علاقہ کے لیے روانگی۔

اگست ۱۹۱۵ء مہندر پرتاپ اور برکت اللہ کے ہمراہ مخالف مشن کا کابل میں ورود۔

۱۸ ستمبر ۱۹۱۵ء ابوالکلام آزاد نے صدر الدین کو مجاہدین میں روانہ کردیا۔

۱۸ ستمبر ۱۹۱۵ء مولانا محمود الحسن اور ان کے ساتھی ہندوستان سے حجاز جانے کے لیے روانہ ہوگئے۔

نومبر ۱۹۱۵ء حجاز سے مطلوب الرحمٰن کی ہندوستان میں واپسی۔
فروری ۱۹۱۵ء حجاز سے محمد میاں اور مرتضٰی کی ہندوستان میں واپسی۔
۳۱ مارچ ۱۹۱۶ء فضل الرحمٰن نے برکت اللہ کا خط اور جہاد کا فتویٰ مولانا حبیب الرحمٰن کو علی گڑھ میں دکھایا۔
اپریل ۱۹۱۶ء محمد میاں نے غالب نامہ لے کر سرحد پار کی۔
۹/۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء عبید اللہ اور محمد میاں نے مولانا کو ریشمی خطوط لکھے۔
۱۵ اگست ۱۹۱۶ء عبدالحق مع ریشمی خطوط ملتان میں گرفتار۔
ستمبر ۱۹۱۶ء ہندوستان میں بعض سازشیوں کی گرفتاری اور تلاشیاں۔
ستمبر ۱۹۱۶ء عبدالرزاق نے مسعود کو روپیہ دے کر مولانا کے پاس مکہ روانہ کیا۔
دسمبر ۱۹۱۶ء جدہ میں مولانا اور ان کے ساتھی گرفتار۔ برطانوی حکام نے انہیں خارج البلد کر دیا۔

بالکل خفیہ

استغاثہ

ملک معظم شہنشاہ ہند

بنام عبیداللہ وغیرہ[۲۲۷]

دفعہ ۱۲۱ الف ضابطہ فوجداری ہند

بیان استغاثہ سپرنٹنڈنٹ پولیس عرض گداز ہے کہ

مندرجہ ذیل اشخاص نے یکم جنوری ۱۹۱۳ء اور یکم جنوری ۱۹۱۷ء کے درمیان برطانوی ہند کے اندر اور باہر سازش کی ہے۔ ملک معظم شہنشاہ کی افواج کے خلاف جنگ کرنے کی، جنگ کے لیے کوشش کرنے کی اور جنگ میں مدد دینے کی کوشش کرنے کی یا اس بات کی کوشش کی ہے کہ ملک معظم شہنشاہ کو برطانوی ہند کے اقتدار اعلیٰ سے محروم کر دیں۔

یہ کارروائیاں ضابطہ فوجداری ہند کی دفعہ ۱۲۱ الف کے تحت مستلزم سزا ہیں۔

(۱) عبدالعزیز مولوی پسر حیا گل آف اتمان زئی پشاور (مفرور ہے)

(۲) عبدالباری بی، اے پسر غلامی جیلانی آف لائل پور

(ہندوستان میں داخلہ روکنے کے آرڈی نینس کے تحت پنجاب میں نظر بند ہیں)

(۳) عبدالحئی خواجہ پسر خواجہ عبدالرحمٰن آف گورداسپور۔ (ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے تحت پنجاب میں اس کی نقل وحرکت پر پابندی ہے)۔

(۴) عبدالحق شیخ۔ عرف جیون داس آف ضلع شاہ پور۔

(ڈیفنس ایکٹ کے تحت اس کی نقل وحرکت کو پنجاب میں محدود کر دیا

گیا ہے) یہ سلطانی گواہ ہے[۲۲۸]۔

(۵) عبدالحق مولوی آف رفاہ عام پریس لاہور۔

(۶) عبدالمجید خاں۔
پندرہویں گھڑسوار فوج کے ایک رسالدار میجر کا لڑکا ہے۔(وفات پاچکا ہے۔)

(۷) عبداللہ مولوی پسر نہال خاں آف ضلع سکھر۔
(ڈیفنس ایکٹ کے تحت اس کی نقل وحرکت کو پنجاب میں بند کر دیا گیا ہے) سلطانی گواہ ہے۔

(۸) عبدالقادر بی اے پسر احمد دین آف لائل پور۔

(۹) عبدالرحیم سندھی شیخ پسر لالہ بھگوان داس آف حیدر آباد سندھ (مفرور ہے)

(۱۰) عبدالرحیم مولوی پسر رحیم بخش مسجد چینیاں والی لاہور (مفرور ہے)

(۱۱) عبدالرشید۔

(۱۲) عبدالرزاق۔ انصاری حکیم پسر عبدالرحمٰن آف دہلی۔

(۱۳) عبدالواحد (یا عبدالوحید) پسر صدیق احمد[۲۲۹] آف ٹانڈہ صوبہ جات متحدہ (برطانوی ہند کے باہر نظر بند ہے)۔

(۱۴) ابوالکلام آزاد مولوی، کنیت محی الدین پسر مولانا خیر الدین آف کلکتہ (ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے تحت بہار واڑیسہ میں اس کی نقل وحرکت کو محدود کر دیا گیا ہے)۔

(۱۵) ابومحمد احمد مولوی عرف مولوی احمد پسر غلام حسین آف لاہور و چکوال۔
ڈیفنس ایکٹ کے تحت اس کی نقل وحرکت کو پنجاب میں محدود کر دیا گیا ہے۔

(۱۶) احمد علی مولوی پسر حبیب اللہ گوجرانوالہ ضلع (ڈیفنس ایکٹ کے تحت اس

کی نقل وحرکت کو پنجاب میں محدود کر دیا گیا ہے)(سلطانی گواہ ہے)

(۱۷) احمد میاں مولوی، پسر عبداللہ انصاری آف انبیٹھ ضلع سہارنپور صوبہ جات متحدہ (سلطانی گواہ)

(۱۸) اللہ نواز خاں پسر خاں بہادر رب نواز خاں آنریری مجسٹریٹ ملتان پنجاب (مفرور ہے)۔

(۱۹) انیس احمد بی اے مولوی، پسر ادریس احمد اسسٹنٹ سیکرٹری اینگلو اورینٹل کالج، علی گڑھ صوبہ جات متحدہ۔

(۲۰) عزیز گل مولوی پسر شہید گل آف درگائی شمالی مغربی سرحدی صوبہ (برطانوی ہند کے باہر نظر بند ہے)

(۲۱) برکت اللہ مولوی محمد آف بھوپال وجاپان (مفرور ہے)

(۲۲) فتح محمد، سندھی آف روک سندھ (مفرور ہے)

(۲۳) فضل الحسن مولوی عرف حسرت موہانی آف علی گڑھ (ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے تحت صوبہ جات متحدہ میں دو برس قید محض کی سزا بھگت رہا ہے)

(۲۴) فضل الٰہی مولوی پسر میراں بخش آف ہری پور ھتانہ وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ پنجاب (مفرور ہے)

(۲۵) فضل محمود مولوی پسر مولوی نور محمد آف چارسدہ شمالی مغربی سرحدی صوبہ (مفرور ہے)

(۲۶) فضل ربی، مولوی آف پشاور (مفرور ہے)

(۲۷) فضل واحد مولوی پسر فیض احمد عرف حاجی ترنگ زئی شمالی مغربی سرحدی صوبہ (مفرور ہے)

(۲۸) حبیب اللہ غازی پسر روح اللہ آف کاکوری ضلع لکھنو صوبہ جات متحدہ (مفرور ہے)

(۲۹) ہادی حسن سیّد، آف خان جہان پور ضلع مظفر نگر صوبہ جات متحدہ۔

(۳۰) حمد اللہ مولوی پسر حاجی سراج دین آف پانی پت (ڈیفنس ایکٹ کے تحت نقل وحرکت پنجاب میں محدود ہے)

(۳۱) حسین احمد مدنی مولوی پسر مولوی حبیب اللہ آف فیض آباد مدینہ (ہندوستان سے باہر نظر بند ہے)

(۳۲) ابراہیم سندھی، ایم اے شیخ پسر عبداللہ آف کراچی (مفرور ہے)

(۳۳) کالا سنگھ لدھیانہ پنجاب کا تارک وطن جو واپس آ گیا تھا (مفرور ہے)

(۳۴) خان محمد خان حاجی آف پشاور (وفات پا گیا)

(۳۵) خوشی محمد پسر جان محمد آف تلولی ضلع جالندھر پنجاب (مفرور ہے)

(۳۶) مہندر پرتاپ کنور، پسر سورگباشی راجہ گھنشیام سنگھ آف مرساں صوبہ جات متحدہ (مفرور ہے)

(۳۷) محمود حسن مولانا سابق صدر مدرس مدرسہ دیوبند صوبہ جات متحدہ (برطانوی ہند کے باہر نظر بند ہے)

(۳۸) مطلوب الرحمٰن مولوی آف دیوبند۔ ایگریکلچرل ڈیپارٹمنٹ حکومت یو پی کا ملازم ہے۔

(۳۹) محی الدین عرف برکت علی مولوی آف قصور۔ (ڈیفنس ایکٹ کے تحت نقل وحرکت پنجاب میں محدود ہے)

(۴۰) محی الدین خان مولوی آف مراد آباد (قاضی بھوپال)

(۴۱) محمد عبداللہ بی اے پسر شیخ عبدالقادر سیکرٹری میانوالی ڈسٹرکٹ بورڈ (مفرور ہے)

(۴۲) محمد علی بی اے پسر عبدالقادر آف قصور (مفرور ہے)

(۴۳) محمد علی، سندھی پسر حبیب اللہ آف گوجرانوالہ (مفرور ہے)

(۴۴) محمد اسلم عطار، آف پشاور (ہندوستان میں داخلہ کے لیے آرڈیننس کے تحت شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں نظر بند ہے)

(۴۵) محمد حسن بی اے آف لاہور جس کا باپ پیسہ اخبار میں ملازم تھا۔ (مفرور ہے)

(۴۶) محمد ہاشم مولوی سیّد آف کوڑا جہاں آباد فتح پور (ہندوستان میں داخلہ روکنے کے آرڈیننس کے تحت یو پی میں نظر بند ہے)۔

(۴۷) محمد مسعود۔[229] مولوی پسر مظہر حسین آف دیوبند صوبہ جات متحدہ (سلطانی گواہ)

(۴۸) محمد میاں مولوی پسر مولوی عبدالانصاری آف انبیٹھ ضلع سہارنپور صوبہ جات متحدہ (سلطانی گواہ)

(۴۹) محمد مبین، مولوی پسر محمد مومن آف دیوبند (سلطانی گواہ)

(۵۰) محمد مرتضیٰ، مولوی سیّد پسر بنیاد علی آف بجنور صوبہ جات متحدہ (سلطانی گواہ)

(۵۱) نورالحسن، سیّد آف رتھیڑی، ضلع مظفر نگر، یو پی۔

(۵۲) عبیداللہ مولوی عرف بوٹا سنگھ آف سیالکوٹ پنجاب۔ (مفرور ہے)

(۵۳) صدر الدین عرف ڈاکٹر عبدالکریم برلاسی پسر امیر علی آف بنارس (ہندوستان میں داخلہ روکنے کے آرڈیننس کے تحت یو پی میں نظر بند ہے)

(۵۴) سیف الرحمٰن مولوی پسر غلام خاں آف پشاور ضلع سرحدی صوبہ (مفرور ہے)

(۵۵) شاہ بخش، حاجی پسر امام بخش انصاری آف حیدر آباد سندھ۔ ہندوستان میں داخلہ روکنے کے آرڈیننس کے تحت سندھ میں (نظر بند ہے)

(۵۶) شاہ نواز خاں، پسر خان بہادر رب نواز خاں آنریری مجسٹریٹ ملتان، پنجاب (مفرور ہے)

(۵۷) شجاع اللہ پسر حبیب اللہ آف لاہور (ہندوستان میں داخلہ روکنے کے

آرڈیننس کے تحت پنجاب میں نظر بند ہے)

(۵۸) ولی محمد مولوی آف فتوحی والا، ضلع لاہور۔(مفرور ہے)

(۵۹) ظہور محمد مولوی آف رڑکی پسر عنایت اللہ سہارنپور

(۲) سازش کے مقاصد:

یعنی ہز مجسٹی کی افواج کے خلاف جنگ لڑنے کی کوشش کرنا۔ جنگ لڑنے میں مدد کرنا یا ہز مجسٹی کو اقتدار اعلیٰ سے محروم کرنا۔

سازش کے مقاصد کس طرح حاصل کیے جاتے تھے

طریقے اور منصوبے:

ہندوستانی مسلمانوں میں قرآن کی غلط تاویلات اور دوسرے طریقوں کے ذریعہ مذہبی تعصب کو بھڑکا کر، سرحدی قبائل اور افغانستان میں برطانیہ کے خلاف نفرت (کے جذبات) اُبھار کر، ان ممالک کے عوام کو برطانیہ کے خلاف جنگ پر آمادہ کر کے سلطنت ترکیہ سے جنگی امداد لے کر اور ان مقاصد کے لیے چندہ جمع کر کے بالآخر ارادہ یہ تھا کہ جونہی بیرون سے کافی امداد وحمایت کا یقین ہو جائے ہندوستان میں برطانوی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی جائے۔

عمومی طور سے کیا بات ثابت کرنی ہے

(۳) یہ بات ثابت کی جائے گی کہ سازش کے ارکان میں ربط و تعلق تھا۔ یہ کہ ان کی بعض نشستوں کا مقصد سازش کرنا اور اپنے مشترک مقصد کو آگے بڑھانا تھا۔ یہ کہ بعض سازشیوں نے جمعیۃ الانصار، جمعیۃ حزب اللہ جیسے ادارے اور نظارۃ المعارف القرانیہ اور دارالارشاد جیسی تعلیم گاہیں قائم کیں اور برطانیہ کے خلاف جذبات بھڑکائے گئے اور ہندوستان کو دارالحرب یا ایسی سرزمین قرار دیا گیا جس میں دیندار مسلمانوں کو نہیں [۲۳۰] رہنا چاہیے اور یہ کہ جہاد (مقدس جنگ) کی تبلیغ کے لیے لٹریچر جمع کیا گیا اور اسے تقسیم کیا گیا اور یہ کہ بعض

سازشیوں نے فروری ۱۹۱۵ء میں ہجرت (مذہب کی خاطر کسی مسلم ملک کو ترک وطن) کی اور ہندوستان سے جہاد کرنے کے ارادہ سے سرحدی علاقہ کو چلے گئے اور یہ طے کیا گیا کہ مجاہدین (ہندوستانی متعصبین) کے ساتھ تعاون کیا جائے گا جو حکومت برطانیہ کے اعلان کردہ دشمن ہیں۔ ان کو روپیہ اور گولی بارود مہیا کرنے کے واسطے قدم اُٹھائے گئے۔

یہ کہ بعض سازشی جو مولوی ہیں جون ۱۹۱۵ء میں ہندوستان سے آزاد علاقہ کو چلے گئے اور وہاں انہوں نے قبائل کو برطانیہ کے خلاف جنگ کے لیے بھڑکایا جس کے نتیجہ میں قبائلی لڑے اور یہ کہ دو سازشیوں نے حقیقتاً لڑائی میں کچھ حصہ لیا۔

یہ کہ اگست ۱۹۱۵ء میں ہندوستان سے کابل گئے۔ یہ کہ دشمن ملک کا ایک مشن جس کے دو ارکان سازش کے رُکن بن چکے تھے پہلے ہی کابل پہنچ چکے تھے۔

یہ کہ مختلف سازشیوں نے کابل میں مفید مشورے کیے جن میں برطانوی اقتدار کے خاتمہ کے بعد بننے والی حکومت ہند کے قیام کے بارہ میں مشورہ کیے گئے۔ ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے مسلمانوں کی فوج بنانے کا خیال کیا گیا اور تمام اہم سازشیوں کو عہدے دیے گئے اور بعض سازشیوں پر مشتمل سفارتیں بعض خاص غیر ملکی طاقتوں کو اس عارضی حکومت کی طرف سے بھیجی گئیں۔

اس امر کی بار بار اور مصمم کوششیں کی گئیں کہ امیر کابل کو اُکسا کر ناطرفداری ترک کرنے اور اپنے آپ کو ملک معظم کے دشمنوں کی رفاقت اختیار کرنے پر تیار کیا جائے۔

یہ کہ ہندوستان میں روپیہ جمع کیا گیا اور مولانا محمود الحسن بعض سازشیوں کے ہمراہ ہندوستان سے عرب روانہ ہوئے تاکہ ملک معظم کے دشمنوں کے ساتھ اقدامات میں ہم آہنگی پیدا کریں۔

اور یہ کہ واقعتاً انہوں نے ایسی موافقت اور ہم آہنگی پیدا کی اور سازشیوں کو ہندوستان واپس بھیجا تاکہ ان مشوروں اور ہدایات کو پورا کریں جو انہیں دیے گئے تھے۔ اس اثناء میں ہندوستان میں جو سازشی موجود تھے انہوں نے عربستان کی اور سرحد پار کی سازشی پارٹیوں سے رابطہ قائم رکھا اور روپیہ جمع کیا اور ان دونوں پارٹیوں کو بھیجا۔

عبیداللہ بانی سازش اور دیوبند جہاں سے سازش کی ابتدا ہوئی

(۴) سازشیوں نے ابتدا ہی میں سمجھ لیا تھا کہ عوام میں انتہائی تعصب جنون وتشدد پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان میں تبلیغ کرنے کے لیے مشنری تیار کیے جائیں۔ نیز یہ لوگ مولوی طبقہ کے ہونے چاہئیں۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ سازش کے بانی مبانی مولوی عبیداللہ نے دیوبند میں مولویوں کے اہم مدرسہ کا استعمال کیا ہے تاکہ یہ کہا جاسکے کہ سازش کی شروعات دیوبند سے ہوئی ہے۔

عبیداللہ جو نومسلم سکھ تھا (اس کا مذہبی جنون انتہا کو پہنچا ہوا تھا) اس نے خود بھی دیوبند میں تعلیم پائی تھی۔

دیوبند کا مدرسہ اور مولانا محمود الحسن [۲۳۱]

(۵) دیوبند کا مدرسہ مولانا محمد قاسم نے قائم کیا تھا۔ وہ مشہور عالم دین ہے تاہم غدر کے وقت برطانیہ کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں مولوی حاجی امداداللہ کا شریک ہوگیا تھا۔ ان دونوں مولویوں کو چھپ جانا پڑا تھا۔ حاجی امداداللہ خفیہ طور پر ملک چھوڑ کر حجاز جانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ جہاں کئی برس بعد اس کی وفات ہوگئی تھی۔

مولوی محمد قاسم ہندوستان میں ہی رہے۔ اس [۲۳۲] کو گرفتار کیا گیا۔ اس پر مقدمہ چلا لیکن وہ بری ہوگیا۔ اس نے دیوبند میں زندگی گزاری اور وہیں اس کی وفات ہوئی جہاں اس کا سب سے زیادہ احترام کیا جاتا تھا۔ مولانا محمود الحسن شاید اس کا سب سے زیادہ وفادار پیرو تھا جو برسوں دیوبند کے مدرسہ کا صدر مدرس رہا۔

مولانا پر عبیداللہ کے اثرات

(۶) مدرسہ میں عبیداللہ کا ضرر رساں اثر تیزی سے پھیلنے لگا اور اس نے مدرسہ کے

اساتذہ اور طلبہ میں بہت سے لوگوں میں اپنے باغیانہ افکار بھر دیے۔

اس نے مولانا محمود الحسن کو اس سے پہلے ہی مکمل طور پر اپنا ہم خیال[۲۳۳] بنا لیا تھا کہ مدرسہ کے منتظمین مدرسہ کو درپیش خطرات کا اندازہ کر سکیں اور عبید اللہ کو اسے چھوڑنے پر مجبور کریں۔

مولانا کو ان کے تبحر علمی کی وجہ سے نیز علوم دینیہ کے عالم اور رہنما ہونے کے باعث جو شہرت حاصل تھی اس وجہ سے ان کو سازش کا علامتی سربراہ بتایا گیا تھا۔

مدرسہ دیوبند سے کس طرح کام لینا تھا

(۷) عبید اللہ کا منصوبہ تھا کہ مدرسہ کو اپنے کام کا ہیڈ کوارٹر بنائے اور اتحاد اسلامی اور برطانیہ دشمنی کی اپنی تحریک کو ان سینکڑوں مولویوں سے کام لے کر پورے ہندوستان میں پھیلا دے جو دیوبند کے مدرسہ میں تعلیم پا کر مذہب اسلام کے پرچار اور تبلیغ کے لیے ہندوستان میں ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔

جمعیۃ الانصار کا قیام

(۸) اس مقصد کے لیے اس نے ۱۹۰۹ء میں ایک انجمن قائم کی جس کا نام جمعیۃ الانصار رکھا جس کو انجمن طلبائے قدیم دیوبند کہا جا سکتا ہے طلبائے قدیم کی ایک تعداد کو وہ اس میں شامل کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا۔

چندے جمع کیے جاتے تھے جن سے دیگر اشیاء کے علاوہ نئے اور قابل اعتراضات افکار و نظریات کے حامل اخبارات ہند و بیرون ہند میں تقسیم کرنے کے لیے خریدے جاتے تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ عبید اللہ نے انگریزی تعلیم پائے ہوئے لوگوں مثلاً انیس احمد بی اے خواجہ عبدالحئی اور قاضی ضیاء الدین بی اے کو مدرسہ میں داخل کیا ان پر سیاسی رنگ چڑھا ہوا تھا ان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ اعتدال پسند مسلم مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔

جمعیۃ کا اندرونی حلقہ

ان اشخاص کو جمعیۃ الانصار کے فنڈ سے وظائف دیے جاتے تھے۔ مولوی مرتضیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ عبید اللہ نے جمعیۃ الانصار کے اندر ایک خفیہ جماعت بنائی تھی۔ یہ ایک قسم کا اندرونی حلقہ تھا جس کے اغراض و مقاصد ظاہر نہیں کیے گئے تھے لیکن رُسوا کن حد تک قابل اعتراض تھے۔ چنانچہ مدرسہ کے سربراہ[۲۳۴] نے موقعہ نکال کر مولوی عبید اللہ کو طلب کیا اور اس بارہ میں سخت سرزنش کی۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جمعیۃ الانصار میں اس سازش کی بنیاد رکھی گئی تھی اور جب محمد میاں نے مولانا محمود الحسن کے نام خط میں لکھا تھا کہ جمعیۃ کے تین اراکین سرفروشی کر رہے ہیں تو مرتضیٰ کی رائے میں اس کا مطلب اندرونی حلقہ کے تینوں اراکین سے تھا۔ سازشیوں میں سے ان اشخاص کا تعلق جمعیۃ الانصار سے ہے۔

(۱) مولوی عبید اللہ (جو ناظم تھا)
(۲) مولوی ابو محمد احمد (جو نائب ناظم تھا)
(۳) مولوی محمد میاں
(۴) مولوی حمد اللہ
(۵) مولوی انیس احمد
(۶) مولوی خواجہ عبد الحئ
(۷) مولوی مرتضیٰ
(۸) اور مولوی ظہور محمد

مولوی مرتضیٰ دیوبند سے کافی غیر حاضر رہا۔ چنانچہ جمعیۃ کی اندرونی سرگرمیوں کے بارہ میں اطلاعات دستیاب نہیں کر سکا۔

دیوبند کا مدرسہ اب تک سیاست سے الگ تھلگ رہا تھا

(۹) دیوبند کا مدرسہ شمس العلماء حافظ محمد احمد پسر مولانا محمد قاسم بانی مدرسہ کے محتاط انتظام میں ماضی کے بہت سے برسوں میں سیاست سے بالکل پاک و صاف رہا تھا اور اس کے مدرسوں اور متعلموں نے جدید سیاست یا امور خارجہ میں نہایت خفیف دلچسپی لی تھی یا مطلق دلچسپی نہ لی تھی۔ عبید اللہ کی آمد سے اور اس کے اثر سے مدرسہ کا رنگ بدلنا شروع ہو گیا۔

مسلمانانِ ہند پر اٹلی اور بلقان کی جنگوں کے اثرات

(۱۰) اس کی کوششیں نہایت بروقت تھیں کیونکہ مسلمانانِ ہند نے بیرون ہند کے مسائل میں نسبتاً زیادہ دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔

مسلمانانِ ہند کے جذبات اٹلی اور ترکی کی جنگ (ستمبر ۱۹۱۱ء تا اکتوبر ۱۹۱۲ء) کے باعث برانگیختہ ہو گئے تھے اور بلقان کی جنگوں (اکتوبر ۱۹۱۲ء تا اکتوبر ۱۹۱۳ء) اور ان جنگوں سے متعلق برطانوی وزراء کے رویہ کی وجہ سے یہ جذبات اور زیادہ مشتعل ہونے لگے۔ یہاں تک کہ مولویوں کو آسانی سے یقین دلا دیا گیا کہ حکومت برطانیہ کی پالیسی مسلم دشمنی ہے اور مدرسہ کا کام جاری رکھنے سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ چندہ جمع کر کے ترکوں کو روانہ کیا جائے۔ جب ترکوں کی مدد کے لیے چندہ جمع کرنے کا سوال آیا تو مولانا محمود حسن نے خود مشورہ دیا کہ مدرسہ بند کر دیا جائے اور یہ رائے دی کہ مدرسہ کے لیے اس کام سے بڑھ کر اور کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ مولوی مرتضٰی نے جو مولانا کا معتمد تھا بتایا ہے کہ مولانا کی اس تجویز کے پس پردہ یہ خیال چھپا ہوا تھا کہ یہ مسلمانوں کے لیے اعلانِ جہاد کا وقت ہے اس لیے انہوں نے مشورہ دیا کہ مدرسہ کو بند کر دیا جائے اس کے بعد واقعتاً مدرسہ کو مختصر مدت کے لیے بند کر دیا گیا اور بہت سے مولویوں نے گشت کرنا اور ترکوں کے لیے چندہ جمع کرنا شروع کر دیا۔

مدرسہ میں برطانیہ دشمن جذبہ

(۱۱) یہ کام تو علانیہ اور کھلے خزانہ ہو رہا تھا لیکن باغیانہ اثرات بھی کارفرما تھے جن کی ایک علامت برطانوی مال کے بائیکاٹ کی تحریک تھی۔ مولوی فضل الرحمٰن جو علی گڑھ میں پہلے سے برطانیہ کے خلاف بائیکاٹ تحریک چلا رہے تھے دیوبند پہنچے اور مولوی انیس احمد نے مولانا محمود حسن سے ان کا تعارف کرایا۔

دیوبند میں بائیکاٹ کی تحریک کو فروغ دینے میں انیس احمد نے خود بھی بڑا حصہ لیا۔ وہ گاؤں کے (بنے ہوئے) موٹے کھدر کے کپڑا پہنا کرتا تھا۔ اس نے دیوبند کے ایک سینئر[۲۳۵] مولوی کو بھی ایسا ہی کرنے کی ترغیب دی۔

کانپور کی مسجد کا قضیہ اور مسلمانوں کے جذبات

(۱۲) اگست ۱۹۱۲ء میں کانپور کی مسجد کا واقعہ پیش آیا اور مولوی عبید اللہ نے اس سے فائدہ اُٹھانے میں دیر نہ کی تا کہ حکومت برطانیہ سے مولانا کو جو آزردگی تھی اسے اور بڑھا دے اور انہیں یہ رائے قائم کرنے پر اُکسائے کہ ہندوستان دارالحرب بن گیا ہے کیونکہ حکومت اپنی رعایا کی مذہبی آزادی میں مداخلت کرتی ہے۔

(۱۳) برطانوی حکومت سے اس آزردگی سے مستزاد[۲۳۶] وہ تلخی تھی جو مولانا کے احساسات (مزاج) میں شمس العلماء حافظ محمد احمد مہتمم و مولانا حبیب الرحمٰن نائب مہتمم مدرسہ کے رویہ سے پیدا ہوئی تھی۔

یہ لوگ محسوس کرتے تھے کہ مولانا کی عظمت کے باعث اور لوگوں میں مولانا محمود حسن کا جو احترام ہے اس کی وجہ سے مدرسہ میں ان لوگوں کا اثر کم ہوتا ہے۔ یوں مولانا سنجیدہ اور دوستانہ مشوروں سے محروم[۲۳۷] ہو گئے اور عبید اللہ اور ابوالکلام آزاد وغیرہ کے مضر اثرات میں آ گئے۔

ذمہ داران مدرسہ نے عبید اللہ انیس احمد وغیرہ نیز محمد میاں کو دیوبند سے نکال دیا

(۱۴) مدرسہ کی نیک نامی کی بقا کے لیے مجلس منتظمہ نے فیصلہ[۲۳۸] کیا کہ عبید اللہ کو انیس احمد اور اس کے دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ مدرسہ سے خارج کر دینا چاہیے۔

مولانا نے اس فیصلہ کو پسند نہیں کیا۔ وہ پہلے بھی مہتمم کی بات سے ناراض تھے کہ اس نے مولوی محمد میاں[۲۳۹] کو کسی قصور کی بنا پر مولانا کے مشورہ یا اطلاع کے بغیر دیوبند سے رخصت کر دیا تھا جو ان کے نزدیک اُن کی شان کے خلاف تھا۔

یہ مولانا محمد میاں اس لیے دیوبند بلائے گئے تھے کہ بعض کاموں میں مولانا کی مدد کریں لیکن بعد میں یہ نہایت سرگرم سازشی بن گئے تھے۔

مولانا کی رہائش گاہ سازشیوں کی جلسہ گاہ بن گئی

(۱۵) دیو بند سے عبید اللہ[۲۴۰] کے اخراج کے معنی یہ نہیں تھے کہ اس کا وہاں آنا جانا بند ہو گیا۔ کیونکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مولانا کی نشست گاہ (بیٹھک) ستمبر ۱۹۱۵ء تک جب کہ مولانا ہندوستان سے حجاز روانہ ہوئے سازشیوں کی جلسہ گاہ بنی رہی عبید اللہ اور دوسرے لوگ مشوروں میں شریک ہونے کے لیے دیو بند آتے رہے۔

مہاجر مولویوں نے بھی دیو بند میں تعلیم پائی

(۱۶) جہاد کی غرض سے سرحد کو جانے والے مولویوں میں فضل الٰہی، فضل محمود اور عبدالعزیز سب کے سب نے دیو بند میں تعلیم پائی تھی جب کہ حاجی عبدالرزاق چیف جج کابل جو وہاں سازشیوں کا گہرا دوست تھا مولوی ابومحمد احمد اور شاید دوسرے سازشیوں سے اس وقت سے واقف ہو گیا تھا جب کہ وہ گنگوہ ضلع سہارنپور میں دینیات کا طالب علم تھا۔

نظارۃ المعارف القرآنیہ

(۱۷) دیو بند کو اپنے مشنریوں کی تربیت گاہ بنانے میں ناکام ہو جانے پر عبید اللہ[۲۴۱] نے فیصلہ کیا کہ ایک مدرسہ دلی میں اسی مقصد کے لیے قائم کرے۔

انیس احمد نے اپنے باپ مولوی ادریس احمد اسسٹنٹ سیکرٹری علی گڑھ کالج کو اس نئے مدرسہ میں دلچسپی لینے پر راغب کر لیا اور آخر الذکر نے علی گڑھ کے محمد اسحاق خاں کو اس کی سرپرستی پر آمادہ کر لیا جس کے باعث ذی اثر اور باوقار لوگ بھی مدرسہ کے منتظمین میں شامل ہو گئے اور ان کی ذمہ داری پر ہز ہائنس بیگم بھوپال اس کی سرپرست بن گئیں اور مدرسہ کو دو سو روپے ماہانہ تک کی مدد دینے لگیں۔

یہ مدرسہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے قرآن کی مبینہ اصلی وحقیقی تشریح کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ عربی زبان کی تعلیم بھی دی جاتی تھی لیکن اس کا کوئی تعلق اس معاملہ سے نہیں۔

سازشیوں میں عبیداللہ اور احمد علی ناظم اور نائب ناظم تھے۔ عبدالحئی اور انیس احمد کو وظیفہ ملتا تھا۔ مولانا محمود حسن، مولوی ابوالکلام آزاد اور مولوی فضل الحسن وزیٹر اور قصور کے محی الدین اس کے رفقاء میں شامل تھے۔

عبیداللہ کی طرف سے جہاد کی تعلیم

(۱۸) عبیداللہ نے قرآن کی جو خاص تشریح وتفسیر بنائی وہ جہاد کی فرضیت کے بارہ میں تھی۔ بتایا کہ اس موضوع پر عبیداللہ کی تعلیمات کو انیس احمد نے تعلیم قرآن اور کلید قرآن نام کی دو کتابوں میں ۱۹۱۴ء، ۱۹۱۵ء میں تعین وصراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

تعلیم قرآن اور کلید نامی کتابوں میں جہاد کی ترغیب

(۱۹) ان دونوں کتابوں میں مختصراً ہندوستانی مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ ان کی موجودہ حالت محکومی کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے ایک بڑے مذہبی فریضہ جہاد کو نظر انداز کر دیا ہے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شروع کے متبعین نے اس فریضہ پر عمل کر کے دنیاوی اقتدار اور مذہبی سربلندی حاصل کی تھی۔

کم از کم ان میں سے ایک کتاب عبیداللہ کی ہدایت پر احمد علی کی مدد سے اس وقت لکھی گئی جب کہ انیس احمد اور احمد علی دونوں نظارۃ سے تنخواہ پاتے تھے۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ قانون کے مطابق ان کتابوں کے نسخے حکومت کو پیش کیے گئے بغیر ہی ان کی تقسیم شروع کر دی گئی۔

نظارہ سازشیوں کی جلسہ گاہ

(۲۰) اس درس کے علاوہ جو نظارۃ میں دیا جاتا تھا اور جو صریحاً درست نہیں تھا یہ ادارہ سازشیوں کے وقتاً فوقتاً مل بیٹھنے کے لیے بھی ایک تخلیہ گاہ کا کام دیتا تھا۔ نظارۃ کے مجرمانہ مقاصد کے بارے میں صاف اشارہ ایک سازشی (محمد علی) کی اس توضیح سے ملتا ہے جو اس نے

دوسرے سازشی (عبدالحق) کو کابل میں کی تھی کہ اس کا بھائی احمد علی دلی میں عبیداللہ کے مذہبی مدرسہ کا انچارج ہے اور قومی کام کر رہا ہے اور اسے اندیشہ ہے کہ اسے کسی بھی وقت گرفتار کر لیا جائے گا۔

ابوالکلام آزاد نے جمعیۃ حزب اللہ قائم کی

(۲۱) ان اداروں کے علاوہ جو مولوی عبیداللہ نے شمالی ہند میں شروع کیے تھے ایک اور سازشی نے کلکتہ میں کام کرتے ہوئے عوام میں جنون پیدا کرنے کی شروعات کی تھی۔

مولوی ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۲ء میں ایک انجمن بنام ''جمعیۃ حزب اللہ'' قائم کی جس کا مقصد ظاہری اسلام کا احیاء تھا۔ اس کا بانی قابل اعتراض اخبار الہلال کا ایڈیٹر تھا جو بعد میں پریس ایکٹ کے تحت کارروائی کی وجہ سے بند ہو گیا تھا۔ وہ باغی صحافی، مقرر کی حیثیت اور اتحاد اسلامی کے کٹر حامی کی حیثیت سے پہلے ہی شہرت حاصل کر چکا تھا۔

جمعیۃ حزب اللہ کے قواعد

(۲۲) الہلال اخبار مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۱۴ء۔ اس جماعت کے قواعد میں سے یہ اقتباسات معنی خیز ہیں ''حزب اللہ کے مختلف شعبوں میں ایک شعبہ السائحون العابدون'' (مخلص لوگوں کا ہوگا جن کا فرض ہوگا کہ اسلام کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے لیے مستقلاً دورے پر رہیں۔''

''یہ سوسائٹی ایسے لوگوں کا مجموعہ ہوگی جو اللہ کی خاطر جہاد کریں گے۔ جنہوں نے اپنی تمام دنیاوی اُمیدوں، آرزوؤں اور رشتوں سے صرف نظر کر لیا ہوگا اور اپنی زندگی مذہب اور عقیدہ کی خدمت کے لیے وقف کر دی ہوگی خدا کو اس کے فرشتوں کو اپنی قربانی کے حلف کا گواہ بنالیا ہوگا۔''

یہ لوگ مسلمانوں کے مذہبی عقائد کی اصلاح کریں گے اور انہیں عقیدہ و عمل میں سچا مسلمان بنائیں گے۔ جن کا عقیدہ غیر متزلزل ہوگا جو باعزم و با ارادہ ہوں گے اور خدا کی راہ

میں بلند اصولوں کے لیے جہاد کرنے والے ہوں گے۔

ان کے درس قرآن کے طریقے اور ان کے درس کے اصولی رہنما وہی ہوں گے جو الہلال کی تحریروں کے اصولی رہنما ہیں۔

جہاد کا مشورہ

(۲۳) راہ خدا کی جو اصطلاح مندرجہ بالا تیسرے پیراگراف میں استعمال کی گئی ہے یہ وہ اصطلاح ہے جو ہمیشہ مخصوص طور پر جہاد کے تعلق سے استعمال کی جاتی ہے اور یہ قدرتی طور پر مسلمان کے ذہن کو جہاد کی طرف لے جاتی ہے۔

جمعیۃ حزب اللہ کے مشنری الہلال کی تعلیمات پر عامل ہوں گے

(۲۴) آخری پیراگراف میں بھی جہاد کے طریقوں اور مقاصد کی طرف کھلا اشارہ ہے۔کوئی بھی شخص جسے اس زبان کا اچھا علم ہو جس میں یہ تحریر ہے۔الہلال کے فائل پڑھ کر ان اصولوں کے بارے میں جو اس کی تحریروں کے رہنما ہیں یہ رائے قائم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ صاف طور پر ان کا مقصد اپنے قارئین کے دماغوں میں برطانوی حکومت کے خلاف دشمنی پیدا کرنا ہے۔لوگوں کی ایسی جماعت (جو حلف کے تحت پابند ہو کہ جیسا کہ مندرجہ بالا دوسرے پیراگراف میں بیان کیا گیا ہے اپنے آپ کو اس طریقہ سے قرآنی تعلیمات کے لیے وقف کر دے جس طریقہ سے اس کی الہلال میں تعلیم دی گئی ہے) تو وہ مملکت کے لیے سنگین خطرہ ہے۔

جمعیۃ حزب اللہ کی رکنیت

(۲۵) اس انجمن کے اراکین کا رجسٹر اس لحاظ سے باعث دلچسپی ہے کہ اس میں ہندوستان کے مختلف حصوں کے ۱۷۰۰ اشخاص کے نام ہیں۔ان میں سے بعض ناموں کے سامنے اس قسم کے ریمارک ہیں جیسے کہ ’’ہر قربانی کے لیے تیار ہے‘‘ یا ملت کی خاطر‘‘ یا مذہب کی

خاطر جان بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہے۔

یہی ریمارک اس آدمی کے نام کے سامنے بھی ہے جو صوبہ جات متحدہ کے ضلع لکھنؤ مقام انو پورہ کا رہنے والا ہے اور اس کا نام عبدالرزاق ہے جو ۱۹۱۲ء میں ہندوستان سے مصر چلا گیا تھا وہاں وہ اتحاد اسلامی کے بدنام شورشیوں کے ساتھ مل گیا اور ترکی کے ساتھ جنگ شروع ہونے سے پہلے اس نے ترکی فوج میں بھرتی ہونے کی کوشش کی۔

بعد میں مصری پولیس کو اس پر شبہ ہوا کہ وہ مصر میں موجود ہندوستانی فوجیوں کی وفاداری پر اثر انداز ہونے کی کوشش میں شریک ہے۔ اعلانِ جنگ کے بعد تک وہ قسطنطنیہ میں رہا اور ترکی کے اخبار ''جہاں اسلام'' کے فروری ۱۹۱۵ء کے شمارہ میں اس نے ایک قابل اعتراض مقالہ لکھا جس میں اس نے اپنے نام کے ساتھ رکن انجمن آزادی ہندوستان بھی تحریر کیا تھا۔ چند ماہ بعد وہ ہندوستان لوٹ آیا۔

جمعیۃ حزب اللہ ناکام رہی

(۲۶) جمعیۃ حزب اللہ کی توقعات کے مطابق کامیابی نہ ہونے کی وجوہ شاید جزوی طور پر اس کے بانی کی اپنے منصوبہ میں وہ ناکامیاں ہیں جو الہلال بند ہونے سے پیش آئیں اور لڑائی کا چھڑ جانا بھی ایک وجہ ہے نیز تقریباً اسی نوعیت کی ایک زیادہ قوی جماعت جس کا نام انجمن خدام کعبہ تھا اس کے قیام کے باعث بھی یہ جمعیۃ ماند پڑ گئی لیکن اس آخر الذکر جماعت کا تعلق اس سازش سے نہیں ہے۔

ابوالکلام نے کلکتہ میں دارالارشاد قائم کیا

(۲۷) مولوی ابوالکلام آزاد نے اگست ۱۹۱۵ء میں مولوی عبیداللہ سے مشورہ کے بعد نظارۃ المعارف القرآنیہ کے خطوط پر کلکتہ میں مدرسہ قائم کیا جس کا نام دارالارشاد رکھا۔ اس مدرسہ میں ابوالکلام آزاد تعلیمات قرآنی کا درس دیا کرتا تھا۔

مولوی ابوالکلام آزاد نے جن لوگوں کو ملازم رکھا تھا ان میں سے ایک مولوی مظہر الدین

سے ایک قابل اعتراض عربی کتاب الخواطر فی الاسلام (اسلام کے راستہ کی رکاوٹیں) کا ترجمہ کرایا گیا۔ ترجمہ مکمل ہوگیا اور ابوالکلام آزاد نے مارچ ۱۹۱۶ء میں اس کی اشاعت اپنے اخبار البلاغ میں شروع کردی۔

اسی وقت حکومت نے ابوالکلام آزاد کی نقل وحرکت پر پابندیاں لگادیں جس کے باعث اخبار کی اشاعت بند ہوگئی۔ اس کتاب کے ذریعہ ملک معظم کے دشمن ترکوں کے حق میں مسلمانانِ ہند کے جذبات ہمدردی کو یقینی طور پر بھڑکانے کی کوشش کی گئی ہے۔

ابوالکلام کی طرف سے فرضیت جہاد کا درس

(۲۸) عبیداللہ کی طرح ابوالکلام کے درس میں بھی سچے مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت کے بارے میں زور دیا گیا ہے (ابوالکلام آزاد کی) تقریروں کی یادداشتوں کے مجموعے طلبہ نے تیار کیے تھے۔ ان میں سے چھ مجموعے ہمارے قبضہ میں آئے ہیں دربھنگہ کے طالب علم مولوی نورالہدیٰ نے جو یادداشتیں تیار کی تھیں وہ سب سے زیادہ مفصل ہیں۔

لکچروں کے نوٹ جو نورالہدیٰ نے تیار کیے

کلکتہ پولیس نے ۱۹۱۵ء میں عاریتاً اس کی نوٹ بک لے کر ان کی مکمل نقل کرلی تھی اور اب یہی ایک نقل ان یادداشتوں کی باقی ہے کیونکہ نورالہدیٰ کا بیان ہے کہ اس نے خوف زدہ ہو کر اصل نوٹ بک کو ضائع کردیا تھا۔

ان یادداشتوں کی گنجلک اور غیرواضح عبارتوں کی نورالہدیٰ نے وضاحت کردی ہے۔ یہ مدرسہ بھی دلی والے ادارہ کی طرح ہندوستان میں نظریہ جہاد کے مبلغ تیار کرنے کے واسطے قائم کیا گیا تھا۔

ترکی کے شریک جنگ ہونے سے سازشی عملی قدم اٹھانے پر راغب ہوئے

(۲۹) جنگ عظیم کے شروع ہونے تک سازشیوں کی حرکتیں جہاد کی تبلیغ کرنے تک محدود تھیں لیکن جب ترکی حکومت، برطانیہ کے دشمن کی حیثیت سے جنگ میں شامل ہوئی تو سازشیوں کے جذبات زیادہ بھڑک گئے اور اس پر آمادہ ہوگئے کہ سازش کے مقاصد کو عمل میں لانے کے واسطے سرگرمی سے قدم اُٹھائیں۔

جنگ بلقان کے[۲۴۲] وقت سے مولانا محمود الحسن کا یہ خیال تھا کہ شمالی مغربی سرحد کو عبور کر کے برطانیہ کے خلاف شورش برپا کرے جب ترک برطانیہ کے دشمن ہوگئے تو مولانا محمود حسن کو قدرتی طور پر خیال آیا کہ برطانیہ کو پریشان کرنے کے لیے سرحد بہترین مقام ہے۔

مجاہدین کے نمائندوں کی مولانا سے ملاقات اور سازشیوں سے مشورے

(۳۰) نومبر یا دسمبر ۱۹۱۴ء کی بات ہے کہ مولانا کو پہلی مرتبہ سرحد کے لوگوں سے مشورے کرتے دیکھا تھا۔ کابلیوں جیسے دو آدمی آئے اور اس کے گھر میں اس وقت مقیم ہوئے جب کہ عبیداللہ، انیس احمد، عزیز گل اور حمداللہ بھی وہاں موجود تھے۔ چند ماہ (شاید دو ماہ) بعد یہ لوگ دوبارہ آئے۔ مولوی فضل ربی ان کے ساتھ تھا۔ اس موقعہ پر دو جلسے ہوئے۔ مولانا حمداللہ، عزیز گل، انیس احمد اور ظہور محمد ان میں شامل ہوئے۔ وہ لوگ تیسری مرتبہ بھی آئے۔ اس موقعہ پر مولانا کے علاوہ محمد میاں، ولی محمد آف لاہوری، عزیز گل اور خان محمد موجود تھے اور شاید مولوی احمد چکوالی و محمد مبین بھی اس وقت ان کے گھر آ گئے تھے۔

ہندوستان متعصبین

یہ لوگ مجاہدین کے پاس سے آئے تھے۔ تاکہ مولانا سے اور دوسرے سازشیوں سے ان شورشوں کے بارہ میں صلاح و مشورہ کریں۔ سرحد پار کے علاقہ میں حکومت برطانیہ کے خلاف جنگی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

سرحد پار کے انتہائی تکلیف دہ قبائلیوں میں سے ایک وہ لوگ ہیں جو نہایت کٹر اور متعصب وہابی ہیں اور مجاہدین کہلاتے ہیں۔ انہوں نے جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے اپنی زندگی راہ خدا میں جہاد کے لیے وقف کر رکھی ہیں۔

اس سلسلہ میں مولانا دلی بھی گئے اور فتح پوری مسجد دلی کے مولوی سیف الرحمٰن اور عبیداللہ سے مشورے کیے۔

مولانا نے جون ۱۹۱۵ء میں مہاجر مولویوں کو سرحد پار روانہ کر دیا

(۳۱) آزاد علاقہ میں منصوبہ کی پیش رفت سے بظاہر مولانا مطمئن نہ تھے۔ کیونکہ ان کی ہدایت پر جون ۱۹۱۵ء میں چار سازشی یعنی سیف الرحمٰن، حاجی ترنگ زئی[۲۴۳] فضل ربی اور فضل محمود اس لیے سرحد پار بھیجے گئے تا کہ سرحدی قبائل کو جہاد کے لیے اور برطانیہ کے خلاف جنگ کے لیے اُکسائیں۔ ان مولویوں نے جو کچھ کیا وہ اس مقدمہ کی تفصیل کا ایک حصہ ہے۔

ہندوستان کو دارالحرب قرار دے دیا گیا

(۳۲) اس اثناء میں پنجاب میں ایک اور واقعہ پیش آیا جیسا کہ اس سے پہلے متوجہ کیا جا چکا ہے کہ ہندوستان میں سازشیوں نے ایک اور نقشہ عمل یہ اختیار کیا تھا کہ ہندوستان کو ایسا ملک قرار دے دیا جائے جس میں سے سچے مسلمانوں کو ہجرت کر کے کسی ایسے ملک میں چلے جانا چاہیے جہاں مسلمان حاکم ہوں۔ کچھ تو اس وجہ سے اور کچھ اس خیال سے کہ ترکوں کی سرگرمیوں کے ساتھ مدد کر سکیں جو اس وقت برطانیہ کے خلاف جنگ میں اُلجھے ہوئے تھے۔

فروری ۱۹۱۵ء میں پنجاب کے کالجوں کے پندرہ مسلم طلباء زیادہ تر گریجویٹ خفیہ طریقہ پر برطانوی ہند سے روانہ ہوئے اور مجاہدین میں اس ارادہ سے شامل ہو گئے کہ ان کے علاقہ بنیر سے ترک فوج میں شامل ہونے کا راستہ نکالیں گے اور اپنی خدمات کسی بھی نوعیت میں پیش کریں گے۔ ان کی پیروی چند اور طالب علموں نے بھی کی۔

مہاجر طلباء کی جماعت کی پنجاب سے سرحد کو روانگی

(۳۳) انہوں نے روانگی سے قبل لاہور کے عبدالرحیم، فضل الٰہی، ابومحمد احمد، ابوالکلام آزاد[۲۴۴] اور عبیداللہ سازشیوں سے مشورہ لیا تھا اور یہ واضح ہے کہ ان کی روانگی سازش کے مقاصد کی تکمیل کے لیے عمل میں آئی تھی۔

ان مہاجرین میں سب سے زیادہ اہم وہ لوگ ہیں جن کے نام اس مقدمہ میں سازشیوں کے ساتھ ملے ہیں۔

عبدالباری بی اے، عبدالحق، عبدالقادر، عبدالمجید خان (وفات پا چکا ہے) عبدالرشید، اللہ نواز خاں، خوشی محمد، محمد عبداللہ بی اے، محمد حسن بی اے، شاہنواز خاں اور شجاع اللہ۔

سرحد پار کرنے کے بعد سے ان کی سرگرمیوں کی تفصیلات آگے آئیں گی۔

مولانا محمود حسن مہاجر بن گئے

(۳۴) عوام کو متاثر کرنے کے اعتبار سے ایک بہت زیادہ اہمیت کا فیصلہ یہ تھا کہ مولانا محمود حسن ہجرت کر جائیں۔ کیونکہ بہت سے لوگ انہیں شمالی ہند کا سب سے زیادہ محترم اور متبحر عالم سمجھتے تھے۔ اس ترک وطن سے تحریک کو جو مذہبی جواز و محرک حاصل ہونے والا تھا اس کی قدر و قیمت کو جانتے ہوئے حکیم عبدالرزاق انصاری اور دوسرے سازشیوں نے اصرار کر کے مولانا کو مجبور کیا کہ وہ ہندوستان سے ہجرت کرنے کے ارادے کا اعلان کریں۔

اس فیصلے کو سورت سے رنگون تک ان کے متبعین کے درمیان زیادہ سے زیادہ نشر کرنے کے لیے قدم اُٹھائے گئے۔ مولوی محمد مبین اور محمد میاں کو مامور کیا گیا کہ وہ اس فیصلے کا اعلان کریں اور اس مقصد کے واسطے روپیہ جمع کریں۔

مولانا اور ان کے ساتھیوں کا عزم حجاز

(۳۵) ابتداء میں مولانا کی منزل سفر غیر یقینی تھی یعنی کہ وہ سرحد پار جائیں یا حجاز، آخر کار

یہ فیصلہ ہوا کہ وہ حجاز جائیں۔ روپیہ اکٹھا کیا جانے لگا اور رفقائے سفر کا انتخاب ہونے لگا۔

حجاز پہنچنے کے بعد انہیں وہاں سے حکومت برطانیہ کے خلاف جہاد کی مہم کی رہنمائی کرنی تھی۔ وہاں کے ترک حکام سے مدد لینی تھی ضرورت پڑے تو قسطنطنیہ یا کابل جانا تھا۔

فیصلہ یہ تھا کہ ترکوں کو یا تو ہندوستان کے خلاف خود فوج کشی کرنے پر آمادہ کریں یا اس پر آمادہ کریں کہ امیر کابل ہندوستان پر حملہ کرے تو وہ امیر کی امداد کریں۔

مولوی محمد میاں، مولوی مرتضٰی، مطلوب الرحمٰن، مولوی عزیز گل اور حاجی خان محمد وسید ہادی حسن کا رفقائے سفر کی حیثیت سے انتخاب کیا گیا۔

حکیم عبدالرزاق اور نور الحسن کی سرگرمیاں

(۳۶) مولوی محمد مبین کے علاوہ جن دوسرے سازشیوں نے سفر کی تیاریوں میں ان کی مدد کی وہ حکیم عبدالرزاق انصاری، مولوی حمداللہ اور سیّد نورالحسن ہیں۔

جیسا کہ معلوم ہے پہلے مولانا کا رجحان یہ تھا کہ سرحد کو چلے جائیں لیکن انہوں نے اس بنا پر ایسا کرنے سے احتراز کیا کہ حکام کو اس کا جلد علم ہوسکتا تھا اور دیوبند کا مدرسہ بھی حکام کی نظر میں مشتبہ ہوجاتا۔

مولانا کا یہ بھی خیال تھا کہ مسلمانوں کی کسی سازش کی رہنمائی کرنے کے واسطے مدینہ منورہ زیادہ بہتر مقام ہے۔

انہوں نے جانے کا فیصلہ ابوالکلام آزاد کے مشورہ کے خلاف کیا جو یہ چاہتے تھے کہ وہ ہندوستان میں ٹھہریں اور حکومت کو مجبور کریں کہ وہ ان کے خلاف قدم اُٹھائے۔ تاکہ عوام میں حقارت ونفرت کے جذبات پیدا ہوں۔

عبیداللہ کی ہند سے روانگی

(۳۷) مولوی عبیداللہ نے مولوی ابوالکلام آزاد اور مولوی فضل الحسن سے مشورہ ۲۴۵ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ وہ خود کابل جائیں تاکہ اثر ڈال کر امیر کو برطانیہ سے معاہدہ توڑنے پر

آمادہ کرسکیں اور سرحدی قبائل کو شورش پر تیار کرسکیں اور حکومت برطانیہ کے خلاف ایسے مقام سے جو نسبتاً محفوظ مقام ہے دوسرے طریقوں پر سازشیں کرسکیں۔

ضروری انتظامات اور دین پور میں مولوی احمد چکوالی کو کچھ خاص ہدایات دینے کے بعد شروع اگست ۱۹۱۵ء میں عبیداللہ، عبداللہ، فتح محمد اور محمد علی کے ہمراہ افغانستان کو روانہ ہوگیا۔

محمد علی بی اے اور شیخ ابراہیم ایم اے کا عزم کابل

(۳۸) ہندوستان سے روانہ ہونے سے چند ماہ قبل عبیداللہ نے مولوی محمد علی بی اے قصوری اور شیخ ابراہیم سندھی ایم اے آف کراچی کو کابل بھجوا دیا تھا تاکہ وہاں تدریسی ملازمتیں کرلیں۔ انہوں نے کابل میں کابل کے حبیبیہ کالج میں بالترتیب پرنسپل اور پروفیسر کی حیثیت سے جگہیں حاصل کرلیں۔

مولانا کی حجاز کو روانگی

(۳۹) عبیداللہ کی روانگی کے چند ہفتہ بعد مولانا محمود حسن (۱۸ ستمبر ۱۹۱۵ء کو) بمبئی روانہ ہوگئے۔ مرتضیٰ، محمد میاں، عزیز گل، مطلوب الرحمٰن، خان محمد اور دوسرے لوگ ان کے ہمراہ تھے۔ اس سے پہلے جانے والا حاجیوں کا جہاز سیّد ہادی حسن اور حیدر آباد سندھ کے ڈاکٹر شاہ بخش کو جدہ لے جاچکا تھا۔ یہ لوگ مکہ میں پارٹی سے مل گئے تھے۔

بحری سفر کے دوران مرتضیٰ، مطلوب الرحمٰن اور محمد میاں کے درمیان اور مرتضیٰ نیز عزیز گل کے درمیان مقاصد سفر کے بارہ میں اور سازش کے مقاصد کو آگے بڑھانے کے سلسلہ میں بات چیت ہوتی رہی۔

اس جماعت کو شبہ تھا کہ جہاز میں حکومت کے جاسوس ہیں جو ان کی نگرانی کررہے ہیں۔ چنانچہ جدہ پہنچنے پر بعض مسافروں کے ساتھ جاسوسوں کا سا سلوک کیا گیا۔

مولانا مکہ میں

(۴۰) مکہ پہنچنے کے بعد مولانا کی پارٹی میں ایک غیر معمولی شخص شامل ہوگیا۔ جس کا نام تھا حبیب اللہ غازی آف کاکوری ضلع لکھنو۔ اس شخص نے جنگ بلقان میں ترکوں کے ساتھ حصہ لیا تھا اور یہ ہندوستان سے پھر اسی مقصد سے روانہ ہوا تھا کہ ترکی فوج میں شامل ہوکر برطانیہ کے خلاف لڑے۔ حبیب اللہ گو ایک ملازم کی سی حیثیت سے اس جماعت میں شریک تھا لیکن سازش کے تعلق سے اس کو اعتماد میں لے لیا گیا تھا۔

مکہ میں وارد ہوتے ہی انہوں نے خفیہ جلسے شروع کر دیے۔ جن میں جماعت کے منصوبوں پر غور وخوض کیا جاتا تھا۔ ان میں خان محمد حصہ نہ لے سکا کیونکہ وہ شدید بیمار ہوگیا تھا اور مکہ پہنچتے ہی وفات پا گیا تھا۔

اس جماعت کے مکہ پہنچنے پر سیّد ہادی حسن بھی آ گیا اور ساتھ ہی رہنے لگا۔ ڈاکٹر شاہ بخش مولانا سے ملاقات کے لیے اکثر آتا رہتا تھا۔

مکہ میں مولانا کی غالب پاشا سے ملاقات

(۴۱) مکہ میں مولانا کا خاص مقصد تھا۔ ترک گورنر غالب پاشا سے ملاقات مکہ میں رہنے والے دو اشخاص حیدر حسین تسبیح فروش اور مولوی احمد میاں کی مدد سے جو دو سال پہلے سے مکہ میں رہائش پذیر تھا۔ یہ ملاقاتیں عمل میں آئیں۔

مولانا نے ان ملاقاتوں کی مکمل تفصیل سازشیوں کو بتا دی اور اس نے غالب پاشا سے ایک دستاویز حاصل کی جسے سازشی غالب نامہ کہتے تھے۔ اس میں ہر اس شخص کو جو یہ دستاویز پڑھے گا مطلع کیا گیا تھا کہ اس دستاویز کے لکھنے والے نے مولانا سے ملاقات کی ہے اور اسے اس پر پورا اعتماد ہے۔ نیز وہ تمام مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ وہ مولانا کو معتمد سمجھیں اور خصوصاً ترک اس کی امداد کریں۔

غالب نامہ اور غالب پاشا کا مشورہ

(۴۲) غالب پاشا نے مولانا کو مشورہ دیا تھا کہ وہ ہندوستان واپس جائیں اور اپنی تنظیم کو مضبوط کریں اور اگر وہ ایسا نہ کر سکیں تو اپنے بعض پیروؤں کو واپس ہندوستان بھیج دیں تا کہ ان کا کام جاری رکھیں۔

مولانا خود واپس نہ آ سکے لیکن مطلوب الرحمٰن کو فوراً واپس بھیج دیا۔ غالب پاشا نے مولانا سے کہا تھا کہ اپنی جماعت کی تعداد بڑھائیں۔ انہیں راز داری کا پابند کریں اور ہندوستان کو امیر کابل کے عین حملہ کے وقت انقلاب کے لیے آمادہ کریں اور جب اس جنگ کے بعد مذاکرات امن شروع ہوں تو ساری قوم کو حقوق طلبی اور ان کے لیے ایجی ٹیشن کے واسطے تیار کر لیں۔

مولانا مدینہ میں

(۴۳) مکہ سے مولانا مدینہ گئے۔ سوائے خان محمد کے جو وفات پا گیا تھا اور احمد میاں کے جو مکہ ہی میں ٹھہرا تھا اور مطلوب الرحمٰن کے جسے ہندوستان واپس بھیج دیا گیا تھا۔ دوسرے تمام سازشی ان کے ہمراہ تھے۔ مدینہ میں انہوں نے مولوی حسین احمد مدنی کے ساتھ قیام کیا وہاں پہنچنے کے چند دن بعد مولانا نے مولوی مرتضٰی اور مولوی محمد میاں کو ہندوستان واپس بھیج دیا۔ غالب نامہ جس کا اُوپر ذکر آیا انہوں نے آخر الذکر کے حوالہ کر دیا تا کہ اسے ہندوستان میں خاص لوگوں کو دکھا کر سرحد کو لے جائیں۔ محمد میاں کے ہمراہ ان کا بھائی احمد میاں بھی ہندوستان واپس آ گیا۔

انور بے اور جمال پاشا سے مولانا کی ملاقات

(۴۴) محمد میاں اور مرتضٰی کی روانگی کے چند دن بعد مدینہ میں مولانا نے انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقاتیں کیں اور ان کے فرامین حاصل کیے۔

مسجد نبوی میں ایک اجتماع انور پاشا اور جمال پاشا کی صدارت میں ترک عساکر کی کامیابی کی دعا کرنے کے واسطے منعقد کیا گیا۔ جس میں مولوی حسین احمد مدنیؒ نے جہاد کا خطبہ دیا۔

طائف میں غالب پاشا سے مولانا کی ملاقات اور فرامین کی ہندوستان کو ترسیل

(۴۵) مدینہ سے مولانا مکہ اور وہاں سے طائف پہنچے جہاں انہوں نے غالب پاشا سے پھر ملاقات کی اور مزید فرامین حاصل کیے۔ مولانا نے یہ اور دوسرے فرامین سیّد ہادی حسن اور ڈاکٹر شاہ بخش کے سپرد کر دیے تاکہ انہیں ہندوستان لے جائیں۔ ان کے ہمراہ وہ کاغذات بھی روانہ کر دیے گئے جو مولانا نے شریف مکہ کے بارے میں جمع کیے تھے۔ جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ موجودہ شریف غاصب ہے اور اس قابل نہیں کہ اسے مقدس مقامات میں رہنے دیا جائے۔ یہ فرامین سیّد نور الحسن کے پاس پہنچائے جانے تھے اور دوسرے کاغذات مولوی ابوالکلام آزاد کو دیے جانے تھے۔ ہادی حسن نے بمبئی سے اپنے ایک واقف کار حاجی کے ذریعہ مولانا کو پیغام روانہ کیا کہ یہ دستاویزیں بہ حفاظت تمام بمبئی پہنچ گئی ہیں۔
شاہ بخش کو بمبئی میں نہیں روکا گیا اور چند روز بعد پروگرام طے کر کے اس نے شیخ عبدالرحیم سندھی سے ملاقات کی اور شاید کاغذات اس کے حوالہ کر دیے کیونکہ جب ۱۲ ستمبر کو اسے گرفتار کیا گیا تو یہ کاغذات اس کے پاس نہ تھے۔

محمد میاں کی ہندوستان واپسی

(۴۶) واقعات کے اس بیان میں تسلسل کو تا حد امکانی برقرار رکھنے کے لیے آسان یہ ہوگا کہ اب اس جماعت کی تقدیر کا لکھا بیان کیا جائے جو غالب نامہ کو ہندوستان لائی تھی۔
(نوٹ) محمد میاں نے اپنے ریشمی خط مورخہ ۶ جولائی ۱۹۱۶ء میں جو مولانا محمود الحسن کے

نام لکھا تھا جہاز سے بمبئی میں اُترنے کے وقت سے خط کی تحریر کی تاریخ تک کی اپنی تمام سرگرمیوں کا اور جن سازشیوں سے اس وقت تک اس کی ملاقات ہوئی ان کی سرگرمیوں کا مفصل حال بیان کیا ہے۔اس کا مطالعہ کیا جانا چاہیے۔

حاشیہ میں اس خط کی عبارات کے صفحات اور سطروں کا حوالہ دیا گیا ہے۔

بمبئی پہنچنے کے بعد وہ کسٹم افسروں سے غالب نامہ کو بچا لینے میں کامیاب ہو گئے۔ کیونکہ اسے ایک آئینہ [۲۴۶] کے پچھلے حصہ میں چھپا دیا گیا تھا۔ بحری سفر میں بھی اور راندیر پہنچ کر بھی مولوی مرتضیٰ نے محمد میاں کو بتایا کہ وہ سازشیوں کے منصوبہ سے متفق نہیں اور وہ مزید سرگرمیوں کے خلاف ہے۔

مرتضیٰ اور محمد میاں کا سفر راندیر

(۴۷) بمبئی میں مرتضیٰ، محمد میاں اور احمد میاں سے مولوی ظہور محمد اور راندیر کے مولوی محمد حسین نے ملاقات کی اور انہیں آخر الذکر راندیر لے گیا۔ راندیر میں پتے بتا دیے گئے لیکن کوئی چندہ نہیں جمع کیا گیا۔ ارادہ یہ تھا کہ مولوی محمد مبین جو کاتب کے نام سے مشہور ہے روپیہ اکٹھا کرنے کے لیے راندیر جائے۔

مرتضیٰ اور محمد میاں کی بھوپال میں قاضی محی الدین سے ملاقات

(۴۸) راندیر سے محمد میاں اور مرتضیٰ بھوپال گئے اور وہاں انہوں نے مولوی محی الدین قاضی بھوپال سے ملاقات کی۔ جس نے ان سے ان تمام واقعات کے بارے میں دریافت کیا جو مطلوب الرحمٰن کی حجاز سے واپسی کے بعد پیش آئے تھے اور کہا کہ آخر الذکر جو کچھ جانتا تھا وہ سب ان سے بیان کر چکا ہے۔

محمد میاں نے قاضی سے جو ملاقاتیں کیں ان میں مرتضیٰ موجود نہ تھا۔ اس دورہ کے کچھ عرصہ بعد مولوی مرتضیٰ کو بھوپال کے قاضی کا عہدہ پیش کیا گیا کیونکہ محی الدین کا ایک سال کی رخصت لینے کا ارادہ تھا۔

محمد میاں بھوپال سے شمال ہند پہنچا اور سازش کے دیگر دوسرے سرگرم ممبران حمداللہ اور محمد مبین سے ملاقاتیں کیں۔ ان کے درمیان خفیہ مشورے ہوئے جن میں ظہور بھی شریک ہوا۔

مولانا کی غیر حاضری میں ہندوستان میں کام

(۴۹) یاد رہے کہ مولانا نے دیوبند سے روانہ ہونے سے پہلے ہندوستان میں کام جاری رکھنے کے لیے ہدایات دے دی تھیں۔ مولوی حمداللہ کو اپنا نمائندہ اور عرب ہند اور شمالی مغربی سرحد پار میں موجود اراکین سازش کے درمیان رابطہ کا ذریعہ مقرر کر دیا تھا۔

ان ہدایات کی پابندی میں حمداللہ ظہور محمد اور محمد مبین وقتاً فوقتاً ملاقاتیں کرتے رہتے تھے۔ تاکہ ہندوستان میں کام کی تفصیلات کی تنظیم کریں۔

خزانچی ڈاک کی تقسیم کرنے والا اور منیجر کی حیثیت سے حمداللہ کی سرگرمیاں

(۵۰) حمداللہ سرحد پار سازشیوں سے خط و کتابت کیا کرتا تھا۔ حمداللہ کے پاس سازش کا روپیہ جمع تھا۔ مولانا انتظام کر گئے کہ جو سازشی ان کے ہمراہ جا رہے ہیں ان میں سے جن کو ضرورت ہو ان کے گھر والوں کو اس فنڈ سے روپیہ دیا جائے اور سرحد پار کے مولویوں کو بھی اس میں سے روپیہ بھیجا جائے۔

چنانچہ حمداللہ مولوی محمد حنیف کو روپیہ دیا کرتا تھا جو مولانا کا داماد تھا اور جس کو ہدایت کی گئی تھی کہ گھر کی دیکھ بھال کرے مطلوب الرحمٰن کے گھر والوں کو بھی وہ روپیہ دیا کرتا اور مولوی سیف الرحمٰن، مولوی فضل ربی اور حاجی ترنگ زئی کو بھی روپیہ بھیجا کرتا تھا۔ ظہور محمد روپیہ جمع کرتا تھا اور بیس روپیہ مہینہ محمد میاں کے گھر والوں کو دیا کرتا تھا۔

حکیم عبدالرزاق مولانا کے گھر والوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں

(۵۱) مولانا کے گھر والوں کی خبر گیری (کفالت) حکیم عبدالرزاق انصاری کیا کرتے

تھے اور متفرق اخراجات پورے کرتے تھے۔ نیز دو ہزار چھ سو روپیہ مکان کی توسیع کے لیے دیے تھے۔ انہوں نے ایک قاصد مولوی محمد مسعود کو بھی ایک ہزار چار سو روپے دے کر مولانا کے پاس مکہ بھیجا تھا۔ قاضی محی الدین نے مزید ایک سو روپے دیے تھے۔

مولانا کے دیوبند سے روانہ ہونے سے پہلے رام پور منہیاران کے مولوی احمد نے اسے تین سو روپے دیے تھے کہ وہ جس مقصد پر چاہیں انہیں صرف کریں۔ مولانا نے کہا کہ ان کے جانے کے بعد یہ روپیہ حمد اللہ کو دے دیں۔ بعد میں جب حمد اللہ کو روپے کی ضرورت ہوئی تب انہوں نے مولوی احمد سے روپیہ مانگا لیکن آخر الذکر ڈرا کہ کہیں سازش میں ملوث نہ ہو جائے اور اس نے روپیہ دینے سے انکار کر دیا۔

محمد میاں کی فضل الحسن اور ابوالکلام آزاد سے ملاقات

(۵۲) محمد میاں نے کم از کم دو مرتبہ مولوی فضل الحسن (حسرت موہانی) سے علی گڑھ میں ملاقات کی اور پھر کلکتہ جا کر مولوی ابوالکلام آزاد سے ملا۔ اس وقت آخر الذکر کو اپنا سامان باندھنے میں مصروف تھا تا کہ رانچی جا سکے۔ کیونکہ حکومت کے حکم سے اسے رانچی میں نظر بند کیا جا رہا تھا۔

جب محمد میاں فرنٹیر جا رہا تھا تو اس نے سہارنپور کے اسٹیشن پر جس وقت ظہور اور مبین کے ساتھ تھا۔ سنا کہ فضل الحسن کو علی گڑھ میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس طرح اسے علم ہو گیا کہ یہ دونوں کام جاری رکھنے کے قابل نہیں رہے۔ (محمد میاں نے ریشمی خطوط میں لکھا ہے۔ حسرت اور آزاد سے ملا دونوں بیکار ہو چکے ہیں)

محمد میاں غالب نامہ کے ساتھ سفر کرتا ہے

(۵۳) مولوی محمد میاں سرحد کو جاتے ہوئے لاہور میں مولوی احمد چکوالی سے ملا۔ اس اُمید میں چند گھنٹہ اس کے ساتھ ٹھہرا کہ مولوی احمد علی سے ملاقات ہو جائے۔ جس کے بارہ میں اس نے سنا تھا کہ خان پور گیا ہوا ہے۔

اس کے بعد اپریل ۱۹۱۶ء کے آخر میں اس نے سرحد پار کر لی اور اپنے بیان کے مطابق غالب نامہ قبائلیوں کو دکھا دیا۔

پنجابی مہاجر پارٹی

(۵۴) اب جب کہ ہماری دلچسپی کا منظر سرحد پار کو منتقل ہو گیا ہے تو اچھا ہو گا کہ مولوی محمد میاں کے کابل پہنچنے تک وہاں سازشیوں نے جو کچھ کیا اس کو بیان کر دیا جائے۔

پنجابی مہاجرین کی پارٹی جو فروری ۱۹۱۵ء میں ہندوستان سے روانہ ہوئی تھی سرحد تک مولوی فضل الٰہی نے اس کی مدد کی۔ آخر الذکر نے خوشی محمد کی بھی مدد کی جو اس پارٹی میں تھا لیکن پیچھے رہ گیا تھا۔

ہندوستان سے روانہ ہونے سے پہلے ان سب لوگوں نے اپنے نام بدل دیے تھے۔ انہوں نے سرحد پار کی اور اسماس[۲۴۷] میں مجاہدین کے پاس قیام کیا جب یہ لوگ اسماس میں تھے تو ایک برطانوی تحصیلدار عجب خان در بند گیا اور ملاقات طے کر کے طلباء کی پارٹی کے نمائندوں کے طور پر عبدالباری اور شجاع اللہ سے ملاقات کی ان کو معافی دلانے کا وعدہ کیا اور ہندوستان لوٹنے پر اصرار کیا۔ اس بات سے انہوں نے انکار کر دیا۔

ان ہی اوقات میں لاہور کی چینیاں والی مسجد کا مولوی عبدالرحیم ان سے آن ملا۔ اس کے بعد ایک شخص کالا سنگھ جو سکھ تھا اور ہندوستان سے ترک وطن کر کے پھر ہندوستان واپس آ گیا تھا اور لاہور سازش کیس میں مطلوب تھا وہ آملا۔ جب پنجابی مہاجرین اسماس میں مقیم تھے تو انہیں مجاہدین کی سرگرمیوں کے بارہ میں بہت کچھ معلوم ہوا۔ وہاں سے انہوں نے کابل کا راستہ لیا۔ کابل میں یہ لوگ کئی ماہ تک زیر حرارت رہے اور کچھ نہ کر سکے۔

قبائل میں شورش پھیلائی گئی

(۵۵) دریں اثناء ۱۹۱۵ء میں حاجی صاحب ترنگ زئی اور مولوی فضل ربی فضل محمود اور عبدالعزیز و سیف الرحمٰن سرحد پار کافی سرگرم رہے ان کو مولانا نے شورش (دیکھئے پیرا نمبر ۳۰)

پھیلانے کے لیے بھیجا تھا۔ چنانچہ برطانیہ کے خلاف جنگ میں بہت سے قبائلیوں نے حصہ لیا۔

مولانا نے ہندوستان سے روانہ ہونے سے پہلے مولوی عزیز گل کو مولویوں کے لیے پیغامات اور روپے دے کر روانہ کیا تھا۔ جاتے وقت بھی اس نے مولوی احمد چکوالی کو اسی مقصد کے لیے دوبارہ روانہ کیا تھا۔

مولانا کے ہندوستان سے روانہ ہونے سے فوراً پہلے اس نے مجاہدین کے ایک قاصد سے ملاقات کی تھی جو مجاہدین کے لیے سات ہزار روپے لے کر اپنے ملک کو جارہا تھا۔ وہ ابوالکلام کے پاس سے مولانا کے لیے ایک پیغام لایا تھا۔

مولوی لوگ اور مجاہدین حمد اللہ سے اور ابوالکلام آزاد سے رابطہ قائم رکھتے تھے۔ ابوالکلام آزاد کی طرف سے بھی اور دوسرے ذرائع سے بھی مجاہدین کو وقتاً فوقتاً روپیہ پہنچتا رہتا تھا۔

صدرالدین مجاہدین میں

(۵۶) جنگ کے تعلق سے جو سرحد پار جاری تھی ستمبر ۱۹۱۵ء میں عبدالکریم برلاسی عرف صدرالدین نام (ایک ڈاکٹر) کو ابوالکلام آزاد نے سازش میں شامل کرلیا اور اسے ہندوستان سے مجاہدین کی طبی امداد (زخموں کے علاج) کے واسطے روانہ کر دیا۔ کچھ عرصہ تک اس نے وہ خدمات انجام دیں جو اس کے سپرد کی گئی تھیں۔ پھر وہ کابل میں دوسرے سازشیوں میں جاملا۔ جون یا جولائی ۱۹۱۶ء میں وہ ہندوستان واپس آ گیا۔

اکتوبر ۱۹۱۵ء میں لاہور کا مولوی عبدالرحیم کابل گیا جہاں سے وہ سردار نصر اللہ خاں کا مجاہدین کے لیے دیا ہوا روپیہ اور گولی بارود ساتھ لے گیا۔

دشمن کا وفد کابل میں

(۵۷) مغربی یورپ سے دشمنوں کا ایک وفد ۱۹۱۵ء میں افغانستان پہنچا جس کے اراکین کنور مہندر پرتاپ آف بندرابن یوپی اور مولوی برکت اللہ آف بھوپال تھے۔

ان کے پاس قیصر جرمنی اور سلطان ترکی کے خطوط تھے۔ امیر کو غیر جانبداری ترک کرنے پر اُکسانا ان کا مقصد تھا۔

محمد میاں اور عبید اللہ نے ریشمی خطوط میں اس وفد کی سرگرمیوں کی تفصیل بیان کی ہے۔ کنور مہندر پرتاپ نے سراج الاخبار کے ایڈیٹر کو ایک خط لکھا تھا جو جولائی ۱۹۱۶ء میں اس اخبار میں شائع ہوا۔

کابل میں سازشیوں کے منصوبے

(۵۸) اگست ۱۹۱۵ء میں مولوی عبید اللہ کے کابل پہنچنے کے بعد کابل میں موجود مختلف سازشیوں نے مشترک مقصد کے لیے مل کر کام کرنا شروع کیا۔

عبید اللہ محمد علی سندھی کے ہمراہ محمد علی پرنسپل حبیبیہ کالج کے پاس

پنجابی مہاجر طلباء کا لیڈر عبد المجید خاں کابل میں فوت ہو گیا تھا۔ عبد الباری اس کا جانشین مقرر ہوا تھا۔ عبید اللہ نے آخر الذکر کو ہندوستان سے اپنی روانگی کے اغراض اور سازش کے مقاصد کا انکشاف کیا۔ سول ہسپتال کابل میں خفیہ مشورے ہوا کرتے تھے جن میں عبد الباری، مولوی عبد الرحیم، مولوی عبید اللہ، مولوی برکت اللہ اور کنور مہندر پرتاپ اور دشمن مشن کے دوسرے اراکین عموماً شامل ہوا کرتے تھے۔

عبید اللہ کے ذریعہ ہندوستان کو خطوط کی روانگی

(۵۹) فروری ۱۹۱۶ء میں مولوی عبد اللہ اور فتح محمد سندھی کو عبید اللہ اور مہندر پرتاب نے روپیہ، خطوط اور پیغامات دے کر ہندوستان روانہ کیا جو شیخ عبد الرحیم سندھی اور احمد علی دہلوی کے ذریعہ پہنچائے جاتے تھے۔

ان کاغذات میں شیخ عبد الرحیم سندھی، احمد علی اور فضل الحسن کے نام خطوط تھے جن میں

ان سے کابل آنے کو کہا گیا تھا۔ ایک خط بندرابن میں مہندر پرتاپ کے کسی دوست کے نام تھا۔ ایک خط حمداللہ کے نام تھا جس میں کہا گیا تھا کہ وہ مولانا محمود الحسن کا جانشین ہوگا۔

ایک خط بعض فوٹو گرافوں کے بارہ میں مولوی احمد چکوالی کے نام تھا۔ فارسی زبان کا ایک خط مولوی برکت اللہ کی طرف سے ابوالکلام آزاد، فضل الحسن اور ڈاکٹر انصاری کے نام تھا جس میں اس نے اپنے تجربات اور مقاصد بیان کیے تھے۔

کچھ ایسے دوسرے لوگوں کے نام بھی خطوط تھے جن کو سازشیوں کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

شیخ الاسلام کے جاری کردہ فتویٰ جہاد کے چار فوٹو بھی تھے جو حمداللہ فضل الحسن اور ابوالکلام آزاد کو دیے جانے تھے۔

شیخ ابراہیم ایم اے اور محمد علی بی اے کے فوٹو گراف بھی تھے جن کی مزید کاپیاں مولوی احمد چکوالی کو بنوانی تھیں تاکہ ان کی پشت پر مولوی ظفر علی خاں اور ڈاکٹر انصاری سے انور پاشا کے نام اس بات کی تصدیق کرائی جاسکے کہ یہ لوگ قابل اعتماد ہیں۔

ہندوستان میں احمد علی کے اقدامات

(۶۰) جو خطوط شیخ عبدالرحیم اور احمد علی کے ذریعہ پہنچائے جانے تھے وہ عبداللہ نے ان کے حوالہ کر دیے تھے۔ عبداللہ نے احمد علی کو کابل کے واقعات بھی مکمل طور پر بتادیے تھے۔

ہمیں اس امر کی یقینی اطلاعات نہیں کہ شیخ عبدالرحیم کو جو خطوط حوالہ کیے گئے تھے وہ مکتوب الیہم کو پہنچادیے گئے۔

احمد علی کو جو خطوط سپرد کیے گئے تھے وہ پہنچا دیے گئے تھے۔ احمد علی نے لاہور میں خط اور فوٹو مولوی احمد کے حوالہ کر دیا تھا اور چند دن بعد اس سے فوٹو گرافس لے لیے تھے۔ ان فوٹو گرافوں کی پشت پر کوئی تصدیق نہیں کرائی گئی۔

کاغذات کی فضل الحسن کو حوالگی

(٦١) احمد علی نے فضل الحسن کو دو خط جو اسی کے لیے تھے فتویٰ کا ایک فوٹو اور لکھنؤ کے مولوی عبدالباری کے لیے ایک خط دیا جن کے پاس مختصر قیام کے لیے فضل الحسن روانہ ہو رہا تھا۔

فضل الحسن نے کابل جانے کا ارادہ ظاہر کیا برکت اللہ کا خط اور فتویٰ کا فوٹوگراف بھیکم پور ضلع علی گڑھ کے مولوی حبیب الرحمٰن نے ۳۱ مارچ ۱۹۱۶ء کو فضل الحسن کے پاس دیکھا تھا۔ فضل الحسن نے ان سے کابل جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

فتویٰ اور پیغام ابوالکلام کو بھیجا گیا

(٦٢) محی الدین قصوری کے ذریعہ احمد علی نے فتویٰ کا فوٹوگراف اس پیغام کے ساتھ ابوالکلام آزاد کو روانہ کیا کہ ان کو کابل چلا جانا چاہیے۔ اس کے جواب میں چند روز بعد محی الدین کے ذریعہ احمد علی کو ابوالکلام کا پیغام ملا کہ وہ کابل جانے کو تیار ہے۔ اس پر احمد علی لاہور اور خان پور گیا اور مولوی احمد وغیرہ سے مشورہ کے بعد طے کیا کہ شیخ عبدالرحیم سندھی ابوالکلام کے سفر کابل کا انتظام کریں۔

سرحد لڑائی میں سازشیوں نے حصہ لیا

(٦٣) ۔ ۱۹۱٦ء کے اوائل میں مولوی عبدالرحیم جو کابل واپس آ چکا تھا اسلحہ اور روپیہ لے کر تیزی سے سرحد پار کے قبائل میں پہنچا اور برطانیہ کے خلاف جنگ میں شرکت کے بعد جس میں کالا سنگھ نے بھی حصہ لیا تھا۔ جون ۱۹۱٦ء میں وہ اس کے ہمراہ کابل واپس ہوا۔ یہ جنگ مجاہدین، بنیر اور سوات اور مہمند قبائل نے لڑی تھی۔ حاجی ترنگ زئی مہمند قبائل کے سردار تھے۔

جنود ربانیہ اور حکومت موقتہ ہند

(۶۴) ان مہینوں میں عبیداللہ اور مہندر پرتاب نے کابل میں موجود دوسرے سازشیوں کی مدد سے ہندوستان کی آزادی کے لیے ایک اسکیم تیار کی تھی۔ جسے جنود ربانیہ کا نام دیا گیا تھا۔ تقریباً تمام سازشیوں کو اس فوج میں عہدے دیے گئے تھے۔ نیز ہندوستان کی عارضی حکومت بنائی گئی تھی۔

یہ سکیمیں حضرت مولانا کے نام عبیداللہ کے ریشمی خط میں پوری طرح بیان کی گئی ہیں اور محمد میاں نے بھی اپنے خط میں ان کا حوالہ دیا ہے اور (عارضی) حکومت موقتہ نے جو کام اپنے ذمہ لیے تھے ان میں غیر ملکی طاقتوں سے خط و کتابت کرنا بھی شامل تھا۔ چنانچہ سفارتیں ترتیب دی گئیں محمد میاں نے (اپنے خط میں) اہمیت کے ساتھ بتایا ہے کہ اس اہم کام میں طلباء نے کیا حصہ لیا۔

روسی ترکستان کو مشن کی روانگی

(۶۵) اپریل ۱۹۱۶ء میں خوشی محمد اور ڈاکٹر متھرا سنگھ کو جنہیں حال ہی میں مقدمہ سازش لاہور میں سزائے موت کا حکم سنایا گیا ہے۔ ان کو عبیداللہ، مہندر پرتاپ، برکت اللہ، سردار نصراللہ خان اور حاجی عبدالرزاق نے ہدایت دی نیز روپیہ اور دستاویزات مہیا کیں اور روسی ترکستان میں تاشقند اور سمرقند میں روسی افسروں کے پاس روانہ کیا۔ یہ دو اشخاص گئے اور سلامتی کے ساتھ واپس آ گئے۔ حکومت روس نے برطانیہ کو اطلاع دے دی کہ ایک ایسا وفد آیا اور یہ وفد جو کاغذات لایا تھا وہ بھی بھیج دیے۔ یہ کاغذات شاید حکومت ہند کے پاس ہیں۔

ترکی اور جرمنی کو مشن

(۶۶) مئی ۱۹۱۶ء میں عبدالباری اور شجاع اللہ کا مولوی عبیداللہ نے قسطنطنیہ اور برلن کی سفارتیں بھیجنے کے لیے انتخاب کیا۔ عبیداللہ، برکت اللہ اور مہندر پرتاب کی موجودگی میں انہیں

روپیہ اور کاغذات دیے گئے۔ یہ لوگ اپنے سفر پر روانہ ہوئے لیکن بعد میں روسیوں نے ان کو ایران میں گرفتار کرلیا اور حراست میں ہندوستان بھیج دیا۔

دریں اثنا مولوی فضل محمود، فضل ربی، عبدالعزیز اور سیف الرحمٰن موقعہ موقعہ سے کابل جاتے اور عبیداللہ کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ اس کے گھر میں یہ لوگ مشورے کیا کرتے تھے۔

آزاد علاقہ سے باغیانہ لٹریچر کی اسکیم

(۶۷) جولائی ۱۹۱۶ء میں مولوی عبدالرحیم کابل سے محمد حسین عبدالرشید شاہنواز محمد علی سندھی اور ایک دوسرے مہاجر کے ہمراہ آزاد علاقہ کو روانہ ہوئے تاکہ وہاں باغیانہ لٹریچر چھاپنے کے لیے ایک پریس قائم کریں۔ اس کام میں اس کی حمایت شیخ ابراہیم اور محمد علی بی اے نے کی جنہیں پرنس عنایت اللہ نے حبیبیہ کالج سے برطرف کر دیا تھا۔ یہ دونوں برطانیہ کے سخت مخالف تھے۔ خفیہ طریقوں سے قتل کرنے کے منصوبہ کی حمایت کرتے تھے۔

برطانیہ کے خلاف جنگ چھیڑنے کے لیے قبائلیوں کو خطوط

(۶۸) مولوی عبدالرحیم اپنے ساتھ قبائلیوں کے لیے چار پانچ ہزار گولیاں اور آزاد علاقہ کے تمام ملاؤں اور خانوں کے واسطے خطوط لے کر گیا تھا جن میں ان سب کو متحد ہو کر حکومت برطانیہ کے خلاف مشترکہ جنگ کرنے کی تلقین کی گئی تھی۔

مولوی فضل محمود اس پارٹی کا دوسرا ممبر تھا جو ان میں سے ایک خط حاجی ترنگ زئی کے واسطے لے گیا تھا۔

محمد علی اور عبدالحق کو خطوط دے کر ہندوستان بھیجا گیا

(۶۹) اسی وقت مولوی عبدالرحیم کی پارٹی کے ساتھ مولوی عبیداللہ نے دو قاصد (اپنے بھتیجے محمد علی اور شیخ عبدالحق) کو بھی ہندوستان روانہ کیا اور ان دونوں کو خطوط سپرد کیے۔ یہ دونوں

قاصد چمرقند میں عبدالرحیم کی پارٹی سے فضل محمود کی رفاقت میں علیحدہ ہو گئے۔ انہوں نے پشاور پہنچ کر محمد اسلم عطار کے پاس قیام کیا اس کو کچھ پیغامات دیے اور دوسرے دن پنجاب کو روانہ ہو گئے۔

محمد علی مولوی احمد چکوالی سے ملاقات کے لیے لاہور گیا اور وہاں اس کی ملاقات احمد علی سے ہوئی جس سے ایک دن بعد وہ دلی میں جاملا۔ محمد علی کے پاس بندرابن کے کسی شخص کے نام ایک خط تھا جس کا تعلق ایک اسکول سے تھا۔ جس کی کنور مہندر پرتاب کفالت کیا کرتا تھا۔ اس آخرالذکر کے لیے روپیہ کا انتظام کرنے کو کہا گیا تھا۔

محمد علی مہندر پرتاب کے لیے سونا لے کر واپس ہوا

(۷۰) محمد علی بندرابن پہنچا تین دن بعد مہندر پرتاب کے لیے سونے کے تین ٹکرے مالیتی ایک ہزار روپیہ اور اپنے مصارف کے لیے دوسو روپے کی اشرفیاں لے کر واپس آیا محمد علی نے واپسی سے پہلے پانی پت میں حمد اللہ سے بھی ملاقات کی تاکہ محمد میاں کے گھر والوں کی خیریت معلوم کر سکے۔

ہندوستان سے روانہ ہونے سے پہلے محمد علی نے مولوی احمد چکوالی کو لاہور میں خط لکھا۔

عبدالحق اور ریشمی خطوط

(۷۱) لیکن عبدالحق کو جس کا کام زیادہ اہم تھا دوسرے حالات کا سامنا ہوا۔ اس کے پاس تین نہایت اہم خطوط تھے جو ریشمی کپڑے پر لکھے ہوئے تھے اور شیخ عبدالرحیم سندھی کو پہنچائے جانے تھے۔ اس کے پاس دوسرے خطوط بھی تھے جو شیخ ابراہیم نے پہلے سندھ میں پہنچانے کے واسطے دیے تھے۔ یہ کم اہم خطوط اس نے مولوی عبداللہ کو دیے تھے لیکن دوسرے خطوط اپنے پاس رہنے دیے تھے۔ یہ کام کرنے کے بعد عبدالحق اپنے پرانے مربی خان بہادر رب نواز خان سے ملنے گیا جو شاہ نواز اور اللہ نواز کا باپ ہے۔ اس شخص نے اس پر اتنا اثر ڈالا کہ اس کو ریشمی خطوط دکھانے پر آمادہ کرلیا۔ اس نے یہ خطوط اپنے قبضہ میں کر لیے اور انہیں اور

عبدالحق کوفوراً کمشنر ملتان ڈویژن کے سامنے پیش کر دیا۔

یہ دستخطی خطوط مولوی عبیداللہ اور مولوی محمد میاں نے اپنے جنرل مولانا محمود الحسن کو لکھے ہیں جوان کو مدینہ میں شیخ عبدالرحیم سندھی کے ذریعہ بھیجے جانے والے تھے۔

ہندوستانی حکام کو پہلے سے اطلاع تھی

(۷۲) ان خطوط کے ہندوستانی حکام کے ہاتھوں میں پہنچنے سے بہت پہلے سے انہیں عبیداللہ کی انقلابی نوعیت کی سرگرمیوں اور مولانا محمود حسن کی ہندوستان سے اس مقصد کے لیے روانگی کا علم تھا کہ وہ حجاز سے حکومت برطانیہ کے خلاف انحراف اور غداری پھیلائیں۔

درحقیقت ستمبر ۱۹۱۵ء میں بھی مولانا کو جب وہ عرب کو جانے کے لیے سمندری سفر کر رہے تھے روکنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن یہ ہدایات اس وقت عدن پہنچیں جب کہ جہاز اس بندرگاہ سے گزر چکا تھا۔

عبدالحق نے سب کچھ اُگل دیا

(۷۳) ریشمی خطوط میں جو تفصیلات دی گئی تھیں وہ ان اطلاعات پر پوری اُترتی تھیں جو سی آئی ڈی کے ڈائریکٹر کو حاصل تھیں پھر قاصد عبدالحق کو آمادہ کیا گیا کہ وہ سازش سے اپنے تعلق کے بارہ میں مکمل بیان دے اور سازش کے بارہ میں جو جو باتیں اسے معلوم ہیں سب بیان کر دے۔

احمد علی، ابو محمد احمد اور عبداللہ بھی بول پڑے

(۷۴) دریں اثنا بعض مقامات پر ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے تحت تلاشیاں لی گئیں اور گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ گرفتار شدگان سے پوچھ تاچھ کی گئی اور مولوی احمد علی، عبداللہ اور ابو محمد احمد عرف احمد چکوالی نے پولیس کے سامنے بلاتاخیر بیانات دے دیے جن سے وہ خود بھی ماخوذ ہوتے تھے اور جن سے سازش کی مزید تفصیلات کا انکشاف ہوتا تھا۔

یو پی میں سازشیوں اور گواہوں سے پوچھ تاچھ

(۷۵) کیونکہ یہ سازش دیوبند سے شروع ہوئی تھی اس لیے تفتیش کی ذمہ داری کا بوجھ یو پی سی آئی ڈی پر تھا۔ چنانچہ صوبہ جات متحدہ میں سازشیوں اور گواہوں کی بڑی تعداد سے پوچھ تاچھ کی گئی اور ان کے بیانات لیے گئے۔ جن میں سازشیوں میں سے مولوی مرتضٰی، ہادی حسن، محمد مبین اور مسعود کے بیانات اور گواہوں میں مظہر الدین اور محمد جلیل کے بیانات زیادہ قابل قدر ہیں۔

ہماری دلچسپی کے دوسرے بیانات یو پی کے لوگوں میں مطلوب الرحمٰن محمد سیف، قاضی محی الدین، ظہور محمد، انیس اور محمد سہول کے بیانات اور پنجاب کے لوگوں میں حمد اللہ، عبد الباری اور شجاع اللہ کے بیانات۔

ان تلاشیوں سے مقدمہ کے سلسلہ میں اہمیت کی کوئی بات معلوم نہیں ہوئی۔ اپریل ۱۹۱۶ء[۲۴۸] میں فضل الحسن کے یہاں تلاشی لی گئی۔ جس سے کچھ ایسے خطوط ملے جن سے اس بات کی تائید ہوتی تھی کہ وہ کابل میں سازشیوں میں شامل ہو جانا چاہتا تھا۔

مولانا اور ان کی پارٹی کا حجاز سے اخراج اور برطانوی حکام کی طرف سے نظر بندی

(۷۶) مولانا اور ان کی پارٹی کو جو حجاز میں تھی اس بات کا یقین نہ تھا کہ شریف مکہ ترکوں کا جواء اُتار پھینکے گا۔ اس واقعہ سے ان کے منصوبے میں کچھ گڑ بڑ ہو گئی۔ ان کے چھکے اس وقت چھوٹ گئے جب شریف مکہ نے حضرت مولانا نیز مولوی حسین احمد مدنی، عزیر گل، عبد الواحد (یا عبد الوحید) اور دوسرے دو اشخاص کو اس بنا پر گرفتار کر لیا کہ وہ اس کی حکومت کے خلاف سازش کر رہے ہیں۔ اس امر کی تائید کہ مولانا نے ایسا کیا ہمیں ہادی حسن اور شاہ بخش کے بیانات میں ملتی ہے۔

مطبوعات کے ذریعہ انقلابی پروپیگنڈہ

(۷۷) اگرچہ ان میں سے بعض کتابوں اور دستاویزوں کا تذکرہ اس بیان میں آئے گا لیکن یہ مناسب ہوگا کہ اشتعال انگیز لٹریچر کے ذریعہ ہندوستان میں انقلاب کا راستہ صاف کرنے اور سرحد پار شورش برپا کرنے کے واسطے سازشیوں کی تیاریوں کی خاص خاص باتوں کو بیان کردیا جائے۔

تعلیم قرآن وکلید قرآن

(۱) انیس احمد کی تحریر کردہ اُردو کتابوں تعلیم قرآن اور کلید قرآن میں صاف الفاظ میں مسلمانانِ ہند کو تلقین کی گئی ہے کہ ان پر اس وقت بھی جہاد اتنا ہی فرض ہے جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانہ کے پیرووٴں پر فرض تھا۔

الخواطر فی الاسلام

(۲) اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ جب ترکی برطانیہ سے برسر جنگ تھا تو ابوالکلام آزاد نے کس نیت سے کتاب الخواطر فی الاسلام کا ترجمہ چھاپنے کی تیاریاں کیں اور پھر اس کی اشاعت شروع کی۔ جس سے مسلم قارئین میں غیر مسلموں کے خلاف عموماً اور برطانیہ کے خلاف خصوصاً جذبات مشتعل ہوئے بغیر اور ملک معظم کے دشمن اور ترکوں سے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

الہلال

دیکھئے تتمہ Z (زیڈ)

(۳) مولوی ابوالکلام آزاد نے اخبار الہلال کو جہاد کے موضوع پر اپنی انقلابی تعلیمات کی تبلیغ کے لیے استعمال کیا اور جب پولیس ایکٹ کے تحت حکومت کی کارروائی سے الہلال بند

ہوگیا تو اس نے کلکتہ سے دوسرا اخبار البلاغ اسی مقصد کے لیے جاری کیا۔ تتمہ Z (زیڈ) میں الہلال کے کچھ اقتباسات اور اس پرچہ کے بارہ میں ایک یادداشت شامل ہے۔

شیخ الاسلام کا فتویٰ

تتمہ W (یہ ترجمہ ہے)

(۴) شیخ السلام کا فتویٰ جہاد جس میں جہاد کو فرض کہا گیا ہے جس کی فوٹو کاپیاں کابل سے عبداللہ کے ذریعہ ہندوستان بھیجی گئیں۔

مولوی اسماعیل دہلوی کے فتاویٰ جہاد

(دیکھئے تتمہ V)

(۵) ہندوستان سے روانہ ہونے سے پہلے مولانا نے ریاست ٹونک سے مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی کے فتاویٰ جہاد کے مجموعہ کی نقل حاصل کی اور مولوی مبین کو اس کی ایک نقل اپنے (یعنی مولانا کے) واسطے اپنے ساتھ لے جانے کو کہا جو مولانا نے نورالحسن کے پاس چھوڑ دی تھی کیونکہ اس کا ساتھ لے جانا اس کے لیے خطرناک تھا۔

قابل اعتراض حصوں کو حذف کرنے کے بعد اس کتاب کا ایک اڈیشن پنجاب میں چھپا ہے۔

دارالحرب کے بارہ میں شاہ عبدالعزیز دہلوی کا فتویٰ

(دیکھئے تتمہ V)

(۶) جب مولانا مدینہ میں تھے تو انہوں نے سیّد ہادی حسن کو یہ کام تفویض کیا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (برادر[۲۴۹] مولانا محمد اسماعیل) کے فتویٰ کو جس میں بتایا گیا ہے کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔ ان کے لیے حاصل کریں اور اس کی فوٹو کاپیاں بنوائیں۔

غالب نامہ

(۷) مولانا نے مکہ میں غالب پاشا سے تین زبانوں میں لکھا ہوا ایک حکم نامہ حاصل کیا جس کو غالب نامہ کہا جاتا ہے جو اس نے بدست مولانا محمد میاں ہندوستان اور سرحد پار کو روانہ کیا تھا۔

انور بے، جمال پاشا اور غالب پاشا کے فرامین

(۸) مولانا نے مدینہ میں انور پاشا اور جمال پاشا سے بھی فرامین حاصل کیے اور بدست حاجی شاہ بخش و ہادی حسن ہندوستان بھیجے تا کہ نور الحسن کو دے دیے جائیں۔
(۹) مولانا نے حجاز میں ایسے کاغذات حاصل کر کے انہیں بدست حاجی شاہ بخش ہندوستان بھیجا جن میں ہندوستانی مسلمانوں پر واضح کیا گیا تھا کہ شریف مکہ غاصب ہے اور اسے اس کے موجودہ عہدہ سے ہٹا دینا چاہیے۔

ابھی باقاعدہ تفتیش نہیں ہوئی ہے

(۷۸) ابھی تک فوجداری مقدمہ قائم نہیں کیا گیا ہے۔ اس لیے باضابطہ تفتیش بھی ابھی تک نہیں ہوئی ہے اور کچھ ایسے نکات باقی ہیں جن کی شہادتوں کے ذریعہ مزید تصدیق حاصل کرنی ضروری ہے۔

دستیاب شہادتیں

(۷۹) بحالت موجودہ بنیاد مقدمہ یہ ہیں۔
(۱) دو بڑے سازشیوں کے دستخطی خطوط جن میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ سازشیوں نے ہندوستان میں اور سرحد پار کیا کیا کیا ہے اور آئندہ کیا کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

(۲) سات سازشیوں عبدالحق، مرتضٰی، مبین، احمد علی، عبداللہ، ہادی حسن اور مسعود کے بیانات جو اعتراف جرم کی حد کو پہنچ جاتے ہیں۔ ان کو سلطانی گواہ[250] بنایا جائے گا۔

(۳) متعدد گواہوں کے بیانات پر۔

(۴) کچھ دستاویزی شہادتوں پر۔

(۵) سازش کے کچھ ایسے بیان کردہ واقعات پر جن کی تائید سی آئی ڈی اور پولیس کے موجودہ ریکارڈوں سے ہوتی ہے۔

مقدمہ کی تمام اہم تنقیحات سے متعلق ان شہادتوں میں مطابقت ہے اور بیانات جن کو آزادانہ طور پر ہر ممکن احتیاط کے ساتھ ریکارڈ کیا گیا ہے ان کو پورے اعتماد کے ساتھ مکمل طور پر حقیقی اور واقعی اور کسی کے سکھائے پڑھائے بغیر دیے گئے بیانات تسلیم کیا جا سکتا ہے جو شرکائے سازش یا قابل اعتماد گواہوں نے دیے ہیں۔

گواہوں کے بیانات[251] مختلف ادوار کے بارے میں

(۸۰) اقبالی مجرموں کے بیانات مختلف ادوار کے واقعات پر مشتمل ہیں۔ مرتضٰی مولانا اور عبیداللہ کے تعلقات اور عبیداللہ اور دیوبند کے روابط اور مولانا کی جماعت کی ہندوستان سے روانگی کے وقت تک کی موقعہ بموقعہ سرگرمیوں کا حال بیان کیا ہے۔

ہادی حسن نے وہ واقعات بیان کیے ہیں جو مرتضٰی کی واپسی کے بعد مکہ اور مدینہ میں پیش آئے۔

مسعود نے ۱۹۱۶ء میں مکہ میں مولانا سے ملاقات کے کوائف اور وہ واقعات بیان کیے ہیں جو مولانا کے مکان پر ان کی واپسی سے پہلے اور بعد میں پیش آئے۔

مبین نے مولانا کی روانگی سے فوراً پہلے سازشیوں کی بحث و گفتگو۔ اس مقصد کے لیے خود اس کے چندہ جمع کرنے کے کام کی تفصیل اور اس کے ذریعہ مولانا ابوالکلام آزاد کے درمیان جو مراسلت ہوئی اس کا حال بیان کیا ہے مولانا کی روانگی کے بعد ہندوستان میں

سازشیوں کی حرکتوں کی تفصیل بھی اس نے بیان کی ہے۔

احمد علی نے نظارۃ المعارف القرانیہ کی تاریخ اور عبیداللہ کی تالیفات اور سرگرمیوں کی تفصیل اور سرحد پار کے سازشیوں سے ملنے والے پیغامات اور خطوط کی تفصیل بیان کی ہے۔

عبدالحق نے پنجابی مہاجر پارٹی کے ترک وطن کا اور سرحد پار کے سازشیوں کے مجاہدین اور سرحدی قبائل سے رابطہ کا اور کابل میں ان کی سرگرمیوں کا حال بیان کیا ہے۔

عبداللہ سندھی نے عبیداللہ کی کابل کو ہجرت کابل کے حالات و واقعات اور عبیداللہ کے خطوط لے کر اپنی ہندوستان کو واپسی کا حال بیان کیا ہے۔

مقدمہ کا مذہبی پہلو

(۸۱) استغاثہ کی یہ عرضی اس قیاس پر قائم ہے جس کی تائید موجودہ اور گزشتہ نسل کے مسلمان علماء ہند کے اعلانات سے ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو ان کا مذہب برطانیہ کا دشمن بننے پر مجبور نہیں کرتا۔

جب سر ولیم ہنٹر نے اس رائے کو شائع کیا تھا کہ مسلمان مذہب کی رو سے ایسے کرنے کے پابند ہیں تو ہندوستانی مسلمانوں نے بلا تاخیر اس سے بے تعلقی کا اظہار کیا تھا۔ غیر مسلمانوں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کا تعین خصوصیت کے ساتھ اس لحاظ سے ہوتا ہے کہ کوئی غیر مسلم ملک یا مملکت دارالاسلام ہے یا دارالحرب مسٹر جسٹس عبدالرحیم نے اپنی کتاب ''مسلمانوں کے اصول قانون سازی'' ص ۳۹۷ پر مستند اور مسلمہ ماخذوں کے حوالے دے کر دکھایا ہے کہ ہندوستان کو دارالاسلام ہی سمجھنا چاہیے۔

شاید اس سلسلہ میں سب سے زیادہ گراں قدر فیصلہ وہ فتویٰ ہے[۲۵۲] جو ۱۸۹۸ء میں مرحوم مولانا رشید احمد گنگوہی نے جاری کیا تھا۔ کیونکہ اس پر دوسرے علماء کے علاوہ مولانا محمود حسن کے بھی دستخط ہیں کہ مسلمان مذہبی طور سے پابند ہیں کہ حکومت برطانیہ کے وفادار رہیں۔ خواہ آخرالذکر سلطان ترکی سے ہی برسر جنگ کیوں نہ ہو۔

ترکی کے موجودہ جنگ میں شامل ہونے سے کچھ دن پہلے ہی یہ فتویٰ البشیر میں طبع ہوا

ہے۔اس فتوے پر یقین کرتے ہوئے اور جب تک کہ حکومت مسلمانانِ ہند کی مذہبی آزادی میں مداخلت کر کے ملک کو دارالاسلام کے بجائے دارالحرب نہ بنادے۔استغاثہ یہ کہہ سکتا ہے کہ جہاداور جہاد کے لیے اشتعال دلانا فرض ہونا کجا جائز بھی نہیں بلکہ فی الحقیقت حرام ہے۔ اگر کوئی شخص ایسے خیالات کی حوصلہ افزائی کرے تو وہ مملکت کے خلاف ایسے جرم کا ارتکاب کرتا ہے جس کے لیے شرعی طور پر مکلّف ہونے کا عذر بھی نہیں کیا جاسکتا۔

کسی غیر مسلم حکومت کی وہ کارروائیاں جو اس حکومت کی مسلمان رعایا کو اس سے وفاداری کی ذمہ داری سے سبکدوش کر دیتی ہیں۔اس کی املاک میں صریحی مداخلت اس کے بچوں کو غلام بنالینا یا ایسا کرنے کی اجازت دینا یا ایسے ہی دوسرے جابرانہ اقدامات وغیرہ ہوسکتی ہیں لیکن ذمہ داری سے سبکدوشی کا یہ اعلان کسی ذمہ دار مذہبی عہدہ دار کی جانب سے ہونا چاہیے۔

بلاشبہ کچھ لوگوں نے ایسے اعلانات کیے ہیں کہ ہندوستان دارالحرب ہے لیکن جن لوگوں نے یہ اعلانات کیے ہیں انہوں نے خود باغی ہونے کا اعتراف کیا ہے اور کوئی بھی ذمہ دار ہندوستانی مسلمان موجودہ وقتوں میں ایسے اعلان کی حمایت نہیں کرے گا۔

مولانا خلیل احمد بھی مولانا رشید احمد کے فتویٰ پر دستخط کرنے والوں میں شامل ہیں اس معاملہ میں ان کی رائے لی گئی۔انہوں نے جو رائے دی اس کی بڑی قیمت ہے لیکن اس کی قدر اس وجہ سے کچھ کم ہے کہ ان کے بارہ میں مشہور ہے کہ اگست ۱۹۱۵ء میں وہ خود بغرض ہجرت ہندوستان سے چلے گئے تھے۔ان کے مرید اور شاگرد روپیہ بھیجتے وقت ان کو اور مولانا محمود حسن کو بھی مہاجر لکھتے ہیں۔

تاہم یہ ایک واقعہ ہے کہ ۱۹۱۳ء میں مولانا خلیل احمد نے ہجرت کے سلسلہ میں فتویٰ دیا تھا کہ ہندوستان سے ہجرت واجب (صحیح اور مناسب) نہیں۔ یہ فتویٰ وکیل (امرتسر) میں ۱۴ جون ۱۹۱۳ء کو چھپا تھا۔

سازشیوں کے خلاف کارروائی کی تجویز

(۸۲)استغاثہ میں ۵۹ سازشیوں کے نام شامل کیے گئے ہیں ان میں سے دوسازشی نمبر

۷، نمبر ۱۱ وفات پا چکے ہیں۔ سات سازشی ۴، ۸، ۱۷، ۳۰، ۴۸، ۵۰ اور ۵۱ سلطانی گواہ بن گئے اور ۲۵ مفرور ہیں۔

آخر الذکر (یعنی مفرورین) میں سے ہر شخص کے خلاف کیونکہ ریکارڈ موجود ہے اس لیے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۵۱۲ کے تحت ان سب کے خلاف بہ استثناء ۵۶ شہادتیں پیش کی جائیں گی۔

استغاثہ کی تجویز ہے کہ باقی ماندہ لوگوں میں سے ۲، ۳، ۵، ۶، ۹، ۱۳، ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۲۰، ۲۱، ۲۴، ۳۱، ۳۲، ۳۹، ۴۰، ۵۲، ۵۵، ۵۷ اور ۵۹ کے خلاف کارروائی کی جائے۔

سازشیوں کے خلاف کیس پر یادداشتیں

(۸۳) تاکہ صوبائی حکام متعلقہ کو قطعیت کے ساتھ معلوم ہو سکے کہ جن آدمیوں سے ان کو سروکار رہے ان کے خلاف شہادت کی نوعیت کیا ہے۔ ایسی یادداشتیں تیار کی گئی ہیں جن میں ہر شخص کے خلاف انفرادی طور پر کیس کو بنایا گیا ہے۔ یہ یادداشتیں صرف ۵۹ سازشیوں کے بارہ میں نہیں بلکہ ۱۳ دیگر اشخاص کے بارہ میں بھی تیار کی گئی ہیں جن کا اگرچہ سازش سے تعلق ہے لیکن یہ لوگ اتنے کافی ملوث نہیں ہیں کہ انہیں بھی سازشیوں کی فہرست میں شامل کیا جا سکے۔ ان یادداشتوں کا مجموعہ جو باعتبار حروف تہجی مرتب کیا گیا ہے اور جس کی انڈکس بھی بنالی گئی ہے۔ اس رپورٹ میں ضمیمہ کے طور پر (حصہ سوم) شامل کر لیا گیا ہے۔

استغاثہ کی داستان ختم ہو چکی۔ یہ ایک مؤرخ کے لیے مستند داستان ہے۔ گواہوں کے بیانات شائع نہیں کیے جا رہے۔ وہ بیانات مستند شہادت نہیں بن سکتے۔ کیونکہ ان میں اخفا سے کام لیا گیا ہے۔ اسی لیے ان میں تضاد بھی ہے۔ صرف عبدالباری صاحب کا پورا بیان اور شجاع اللہ صاحب کے بیان کے کچھ اقتباسات آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیے۔ ان میں ایسی روشنی ہے جو مؤرخ کے لیے قابل قدر ہوگی۔

بیان عبدالباری بی اے پسر مولوی غلام جیلانی

ذات ارائیں، ساکن محلّہ قاضی (جالندھر)

میں غیر شادی شدہ ہوں۔ میرا باپ ریٹائرڈ منصف ہے اور ضلع لائل پور میں ۶ مربع زمین کا مالک ہے۔ میرا ایک بھائی ہے جس کا نام مولوی غلام باری ہے وہ لائل پور میں پلیڈر ہے۔

میں نے لائل پور گورنمنٹ ہائی اسکول سے ۱۹۱۰ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا تھا اور اسی سال گورنمنٹ کالج میں داخل ہوگیا تھا۔ ۱۹۱۲ء میں میں نے بی اے کیا اور اسی سال ایم اے کی کلاس میں داخل ہوگیا۔ میں ٹرنر بورڈنگ ہاؤس ملحقہ کالج میں رہتا تھا۔

ہندوستان سے طلباء کے ترک وطن کے اسباب

موجودہ یورپی جنگ اگست ۱۹۱۴ء میں شروع ہوئی چند ماہ بعد ترکی، جرمنی کی طرف سے جنگ میں شامل ہوگیا اس سے ہندوستان کے طول وعرض میں مسلمانوں میں بڑا جوش وخروش پیدا ہوگیا۔ طالب علم بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔

طالب علم جنگ کی صورت حال پر عام طور سے تبادلہ خیالات کیا کرتے تھے۔ دی گرافک (اخبار) میں شیخ الاسلام کا ایک کارٹون شائع ہوا کہ وہ جہاد کا فتویٰ جاری کر رہے ہیں۔ اس تصویر میں کلمہ طیبہ کا اس طرح مذاق اُڑایا گیا تھا۔ تصویر کے نیچے یہ الفاظ تحریر تھے۔

''اللہ اکبر قیصر رسول اللہ'' (نعوذ باللہ)

ہندوستان، مصر اور افغانستان اس فتویٰ کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ گرافک

اخباران متعدد اخبارات میں شامل ہے جنہیں گورنمنٹ کالج لائبریری میں خریدا جاتا تھا۔

اس شمارہ سے مسلم طلباء میں غصہ اور برہمی پیدا ہوئی اور میں بھی اس عام احساس میں شریک تھا جو ایک انگریزی اخبار کی جانب سے اسلام کی ایسی علانیہ اور کھلی اہانت اور بے وقعتی سے اخبار کے خلاف پیدا ہوا تھا۔ کٹر مذہبی طلباء جیسے عبدالمجید خان، شیخ عبداللہ وغیرہ تو ذہنی توازن کھو بیٹھے اور اس اہانت پر اول فول بکنے لگے۔ اس بات سے طلباء کے اس خیال کی تصدیق ہو گئی کہ شیخ الاسلام نے فی الحقیقت عالمگیر جہاد کا فتویٰ دے دیا ہے۔ عبدالمجید خصوصیت کے ساتھ ان لڑکوں میں نمایاں تھا جو دوسرے طلباء پر اثر ڈالتے تھے کہ ایسے ملک سے ہجرت کر جائیں جہاں اسلام کی ایسے واضح طریقہ پر بے حرمتی کی گئی ہے، اس بارے میں طلباء کے درمیان مشورے ہوئے یہ مشورے خاص طور سے اللہ نواز کے کمرہ میں ہوتے تھے۔

اگرچہ میں بہت زیادہ مذہبی نہیں تھا تاہم میں بھی متاثر ہو گیا، بالآخر طالب علموں نے فیصلہ کیا کہ ترکی پہنچ کر جہاد میں شامل ہوں، لیکن کئی دن ہم یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ ہم ہندوستان سے کس طرح جائیں۔

ایک شام جب میں ٹینس کھیل کر آ رہا تھا تو عبدالمجید خان اور اللہ نواز نے مجھے بتایا کہ اس مشکل کا حل نکال لیا گیا ہے، لیکن اس نے مجھے تفصیلات نہیں بتائیں، ایک دو دن بعد مجھے شام کو اللہ نواز کے کمرہ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ میں نے دیکھا کہ عبدالمجید اس کے پاس ہی ہے، انہوں نے مجھ سے قرآن پر حلف لیا کہ میں ان کے ہمراہ ہندوستان سے باہر چلا جاؤں گا۔ جب میں نے تفصیلات پوچھیں تو انہوں نے کہا کہ ہم جلد ہی ہندوستان سے افغانستان کو روانہ ہو جائیں گے اور اگر وہاں پر حالات نے اجازت دی تو ترکی کو چلے جائیں گے۔

ہندوستان سے باہر جانے کے طریقوں کے بارے میں اور اس راستہ کے بارے میں جو وہ اختیار کرنے والے تھے سوالات کیے لیکن انہوں نے کہا کہ یہ باتیں بعد میں طے ہوں گی مجھ سے پوچھا گیا کہ میں کچھ روپیہ دے سکوں گا۔ میرا ارادہ اس سال ایم اے کے امتحان میں شامل ہونے کا تھا اور میرے پاس تقریباً دو سو روپے تھے جو میرے والد نے مجھے دیے تھے۔ یہ بات میں نے ان کو بتا دی اور انہوں نے کہا کہ میں روپیہ ساتھ لے آؤں، چنانچہ میں نے ایسا

ہی کیا۔

میں نے پوچھا کہ ہم کتنے لوگ ہوں گے مجھے بتایا گیا کہ یہ بات بعد میں معلوم ہو سکے گی۔ اس کے چند دن بعد اللہ نواز لاہور سے غائب ہو گیا۔ چند روز بعد وہ اپنے بھائی شاہنواز کے ہمراہ واپس آیا جو کہ ہماری پارٹی کے ساتھ جانے والا تھا۔

جنوری ۱۹۱۵ء کے آخر میں اللہ نواز، عبدالمجید اور شیخ عبداللہ نے ضروری سامان سفر مثلاً کمبل، لالٹین، چپلیں وغیرہ خریدیں۔ اسی اثنا میں میں نے اللہ نواز کے کمرہ میں ایک مہمان کو دیکھا جس کا نام شیخ عبدالحق تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ شخص بھی ہمارا سفر میں ساتھی ہوگا۔

لاہور سے روانہ ہونے سے پہلے اللہ نواز، عبدالمجید اور میں راوی کے کنارے گھومنے گئے وہاں مجھے بتایا گیا کہ طلباء کی روانگی کے انتظامات مکمل ہیں۔ ہم لاہور سے ۵ فروری کو روانہ ہوں گے اور ہری پور کے راستے سرحد پار کے علاقہ جائیں گے۔

لاہور سے طلباء کی روانگی

چنانچہ ۵ فروری ۱۹۱۵ء کو یہ طالب علم گروپ بنا کر مختلف ٹرینوں سے روانہ ہوئے۔ اللہ نواز اور میں بارہ بجے دوپہر کی گاڑی سے روانہ ہوئے۔ اگلی صبح کو ہم ہری پور پہنچے۔

علیم الدین نامی ایک ضعیف العمر شخص نے ہمارا استقبال کیا۔ وہ مجاہدین کا ایجنٹ تھا، وہ ہمیں ایک بنگلہ میں لے گیا، جو ہری پور ریلوے اسٹیشن کی حدود کے اندر واقع ہے۔ اس مکان میں ایک ریلوے ملازم محمد الٰہی رہتا تھا۔ محمد الٰہی نے ہمیں ایک کمرہ میں ٹھہرایا اور ہمارے لیے چائے وغیرہ کا انتظام کیا۔

یہاں مجھے فضل الٰہی نامی ایک شخص ادھیڑ عمر ملا۔ وہ محمد الٰہی کا بھائی تھا جو ریل کی پٹڑی بچھاتا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ شخص ہمارے ایک گروپ کے ہمراہ وزیر آباد سے آیا ہے۔ دن ہم نے ہری پور میں گزارا، زیادہ وقت میں سوتا رہا کیونکہ لاہور سے روانگی سے قبل کی دو راتوں میں مجھے مطلق آرام نہیں ملا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ میں نے کالج کے ڈرامہ میں حصہ لیا تھا۔ یہ ڈرامہ اسی رات کو ہوا تھا۔ اس لیے میں یہ بتانے کے لائق نہیں کہ اس موقعہ پر ہماری پارٹی کے ساتھ

کیا گفتگو ہوئی۔

جو طالب علم میرے ساتھ ہری پور آئے اور بعد میں انہوں نے وہاں ٹھہرنے کے وقت جو فرضی نام اختیار کیے ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ میں نے محمد حسین نام اختیار کیا۔

۲۔ گوجرانوالہ کے شیخ عبدالقادر ایم اے طالب علم گورنمنٹ کالج لاہور نے اسماعیل فرضی نام اختیار کیا۔

۳۔ ظفر حسن طالب علم سال چہارم گورنمنٹ کالج لاہور نے جو فرضی نام اختیار کیا وہ مجھے یاد نہیں رہا۔

۴۔ عبدالرشید طالب علم سال چہارم گورنمنٹ کالج نے یوسف نام اختیار کیا۔

۵۔ عبداللہ بی اے طالب علم گورنمنٹ کالج نے صادق نام اختیار کیا۔

۶۔ عبدالمجید خاں بی اے گورنمنٹ کالج نے ابراہیم نام اختیار کیا۔

۷۔ اللہ نواز خاں بی اے طالب علم گورنمنٹ کالج نے محمد عمر نام اختیار کیا۔

۸۔ محمد حسن طالب علم سال چہارم اسلامیہ کالج نے یعقوب نام اختیار کیا۔

۹۔ شیخ خوشی محمد طالب علم سال دوم میڈیکل کالج نے محمد علی نام اختیار کیا۔

۱۰۔ شجاع اللہ طالب علم سال دوم میڈیکل کالج نے محمد یونس نام اختیار کیا۔

۱۱۔ عبدالمجید طالب علم سال دوم میڈیکل کالج لاہور نے یحییٰ نام اختیار کیا۔

۱۲۔ رحمت علی طالب علم سال دوم میڈیکل کالج لاہور نے زکریا نام اختیار کیا۔

۱۳۔ شاہ نواز خاں برادر اللہ نواز (نمبر ۷) نے محمد نام اختیار کیا۔

۱۴۔ شیخ عبدالحق نے الیاس نام اختیار کیا۔

ہری پور سے ہم شام کو روانہ ہوئے۔ علیم الدین رہبر کی حیثیت سے ہمارے ساتھ تھا۔

ہم نے اپنا سامان ریلوے بنگلہ میں چھوڑا تھا جسے علیم الدین نے اپنے ایک ساتھی کے سپرد کر دیا تھا۔ جس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ علیم الدین نے مجھے کہا تھا کہ یہ سامان ہمارے پاس اسمس بعد کو پہنچ جائے گا۔ اس کے ساتھی کا حلیہ یہ ہے۔

گندمی رنگ عمر ۳۰ برس، درمیانہ ساخت بدن، چھوٹی کتری ہوئی داڑھی ضلع ہزارہ کے کسی گاؤں کا باشندہ معلوم ہوتا ہے۔

راستہ بھر تیز بارش ہوتی رہی۔ اگلے دن ہم قبل از دوپہر دربند پہنچ گئے تو ہمیں معلوم ہوا کہ خوشی محمد مفقود الخبر ہے۔ پہلے ہم ایک مسجد میں رُکے جہاں علیم الدین نے ہمیں کچھ کھانا لا کر دیا کیونکہ بارش جاری تھی اور مسجد کی چھت سے برابر پانی ٹپک رہا تھا، اس لیے علیم الدین ہمیں قریب کے ایک خالی مکان میں لے گیا۔ جہاں بہت سے دیہاتی ہمیں دیکھنے آئے، نواب امب کے ایک ملازم مفتی اسماعیل کا علیم الدین نے ہم سے تعارف کرایا، اس نے مزید بتایا کہ وہ امیر المجاہدین کا رشتہ دار ہے۔ مفتی نے ہمیں راشن مہیا کیا۔ ہم نے اسے بتایا کہ ہمارا کیا ارادہ ہے اور اس نے ہم سے دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔

اگلے دن ہم نے دریا کو ایک کشتی کے ذریعہ پار کیا جو مفتی اسماعیل نے مہیا کی تھی۔ بالآخر اگلے دن ہم اسمس پہنچ گئے۔ مفتی راستہ میں کچھ دور تک ہمارے ساتھ رہا اور پھر واپس ہو گیا۔

اسمس میں آمد

اسمس پہنچنے پر ہمیں ایک کچے مکان میں ٹھہرایا گیا۔ امیر المجاہدین مولوی عبدالکریم سخت بیمار تھے۔ وہاں پہنچنے کے ایک دو دن بعد ہمارا اس سے تعارف کرایا گیا۔ وہ اتنا بیمار تھا کہ زیادہ بات بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے شکستہ جملوں میں کہا ''میرے آخری دن ہیں، لیکن میں اپنے خوابوں میں دیکھتا ہوں کہ وہ وقت قریب آ گیا ہے جس کے ہم اپنی ساری زندگی منتظر رہے تھے۔ اگلے دن اس کا سانس بند ہو گیا تھا اور اس کا بھتیجا مولوی نعمت اللہ اس کا جانشین مقرر کیا گیا۔

ایک دو دن بعد خوشی محمد اسمس پہنچ گیا، اس نے بتایا کہ وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ رات کی تاریکی

میں ہمارا ساتھ نہ دے سکا۔ وہ تھک کر سو گیا اور پیچھے رہ گیا۔ چنانچہ وہ ہری پور لوٹ گیا جہاں کہ اس کی ملاقات محمد الٰہی سے ہوئی جس نے اس کے اسمس کو واپسی کے سفر کا انتظام کر دیا۔

مجاہدین کی بستی پانچ سو نفوس پر مشتمل ہے۔ ان میں سے بعض منہ کی طرف سے بھری جانے والی بندوقوں اور دوسرے جدید قسم کے توڑے دار بندوقوں سے مسلح ہیں۔ یہ لوگ گاہے گاہے فوجی ورزش کیا کرتے تھے لیکن ان کی فوجی اہمیت کچھ نہیں ہے ان کے پاس توپیں نہیں ہیں۔ ہمیں بتایا گیا کہ سرحد پار علاقہ میں کچھ اور جگہیں ہیں جہاں ان کا گولا بارود اور فالتو اسلحہ جمع رہتا ہے۔

ہم نے امیر سے التجا کی کہ ہمارے سفر میں ہماری مدد کرے لیکن اس نے جواب دیا کہ برف باری کی وجہ سے کابل کا راستہ بند ہے، اس وجہ سے ہم کو ڈیڑھ مہینے تک رکے رہنا پڑا۔ ہم اپنا وقت یا تو اپنے کمرہ میں بیمار بیٹھ کر گزارتے تھے یا رائفل کی مشق کرتے تھے۔ اپنے قیام کے دوران مجھے عبدالمجید سے معلوم ہوا کہ مسجد چنیا والی کے مولوی عبدالرحیم سے کہا گیا تھا کہ وہ ہمیں مجاہدین کے پاس پہنچانے کا بندوبست کریں۔

اس کے ذریعہ ہمارے لیڈروں کی وزیر آباد سے مولوی فضل الٰہی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا کہ مولوی عبدالرحیم اور فضل الٰہی ہمارے ہندوستان سے جانے کے سخت خلاف تھے، کیونکہ اس کو وہ ایک غیر مفید کام سمجھتے تھے، لیکن بار بار کی درخواستوں پر وہ خاموش ہو گئے۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں اللہ نواز عبدالرحیم سے واقف تھا۔ اسمس میں مجھے معلوم ہوا کہ ایک طالب علم شیخ عبداللہ ہماری روانگی سے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد سے مشورہ کرنے دلی گیا تھا لیکن وہ بھی اس بات کے خلاف تھے ان کا خیال تھا کہ ہندوستان کے باہر کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے وہ کسی بھی امداد کے واسطے تیار نہ تھے، لیکن چونکہ عبدالمجید، عبداللہ اور دوسرے لوگ جانے پر مصر تھے۔ اس لیے انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ مولانا ابوالکلام آزاد کے مشورہ کی پروا نہ کریں گے اور وہ طلباء کو ہندوستان سے باہر لے گئے۔

مولوی عبدالرحیم کو میں نے اسمس میں پہلی بار دیکھا تھا اس نے کہا کہ وہ پنجاب سے اس لیے فرار ہوا کہ پولیس اس پر شبہ کرنے لگی تھی۔ اس نے ہمارے ساتھ رہائش اختیار کر لی اور بشیر

احمد کا فرضی نام اختیار کرلیا۔

اس اثنا میں عبدالرحمٰن نے جو گورنمنٹ کالج کا سال اوّل کا طالب علم تھا اور شیخ عبداللہ کا بھائی تھا اپنی صورت دکھائی۔ اس نے کہا کہ ہماری روانگی کے بعد ایک ڈاکٹر جو دربند میں ملازم تھا۔ اس کے گاؤں کا ایک آدمی اس سے ملا۔ ڈاکٹر سے اس کو ہمارے بارے میں معلوم ہوا چنانچہ وہ ہمارے پیچھے پیچھے اسمس آ گیا۔ دربند سے گزرتے ہوئے میں کسی ڈاکٹر سے نہیں ملا۔

اس کے فوراً بعد کالا سنگھ نمودار ہوا وہ کسی کیس میں مفرور ہوا تھا اور ضلع لدھیانہ کا رہنے والا تھا۔ وہ آزادی کے بارے میں اور امریکہ میں لوگوں کو جو آزادی تھی اس کے بارے میں بہت باتیں کیا کرتا تھا۔ وہ بھی اسمس میں مقیم ہو گیا تھا اور امیر مجاہدین نے اس کو ضروریات زندگی مہیا کردی تھیں۔

ہمارے پہنچنے کے تین چار ہفتہ بعد مفتی اسماعیل وہاں پہنچے اور ہم سے کہنے لگے کہ عجب خاں تحصیلدار ہزارہ ہم سے ملنا چاہتا ہے۔ شجاع اللہ، عبدالمجید، مولوی عبدالرحیم اور میں مفتی اسماعیل کے ہمراہ دربند پہنچے۔ عجب خاں نے جو نواب دربند کے ایک مملوکہ بنگلہ میں ٹھہرا ہوا تھا معاملات پر ہم سے گفتگو کی اس نے ہم سے ترک وطن کے اسباب پوچھے جنہیں سن کر اس نے اظہار پسندیدگی کیا۔ اس نے ہندوستان کو واپسی کی کوئی تجویز نہیں رکھی اور ہم سے کہا کہ وہ تو صرف اس غرض سے آیا ہے کہ وہ ان لڑکوں سے ملاقات کرے جو ایسے مشن پر اپنے گھروں کو چھوڑ کر آ گئے ہیں۔ اس نے ہمیں مشورہ دیا کہ ایک بیان لکھ دیں کہ ہم ملازمت کے لیے افغانستان جا رہے ہیں لیکن ہم نے اس سے کہا کہ ہم ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتے۔ یہ ملاقات تقریباً دو گھنٹہ تک جاری رہی۔ رات ہم نے اس گھر میں گزاری مفتی اسماعیل نے جس کا ہمارے لیے انتظام کیا تھا دوسرے دن ہم اسمس لوٹ گئے۔

مجھے اسمس میں یہ بھی معلوم ہوا کہ عبدالخالق اور محمد حسن نامی دو طالب علم ہماری روانگی کے دوسرے دن ہری پور پہنچے تا کہ ہمارے ساتھ جا سکیں لیکن جب ان کو معلوم ہوا کہ ہم جا چکے ہیں تو وہ لاہور واپس ہو گئے اب مجھے یاد نہیں کہ یہ بات کس نے بتائی تھی۔

اسمس سے طلباء کی روانگی

ہمارے اسمس پہنچنے کے بعد بہت جلد مجاہدین کے فوجی کمانڈر عبدالکریم کو امیر المجاہدین نے کابل روانہ کیا، تاکہ وہ پرنس نصر اللہ خاں نائب السلطنت سے حسب دستور سالانہ ملاقات کر سکے اور چونکہ ہمارے پاس پاسپورٹ نہ تھے اس لیے اس کو امیر المجاہدین نے ہدایت کی تھی کہ ہمارا معاملہ پرنس نصر اللہ خان کو سمجھا کر ہمارے لیے پاسپورٹ بنوا دے۔ یہ بات ہم کو امیر المجاہدین نے بتائی تھی۔

دریں اثنا ہم لوگ انتظار کرتے کرتے تھک چکے تھے اس لیے ہم نے روانہ ہونے کا فیصلہ کیا۔ میرے خیال میں مارچ ۱۹۱۵ء کے آخر یا اپریل ۱۹۱۵ء کے شروع میں ہم اسمس سے کابل روانہ ہوئے۔ ہمارے ساتھ ایک پٹھان رہنما عبداللہ خان تھا جو امیر نے ہمارے ساتھ کر دیا تھا۔ عبدالرحیم اسمس ہی میں ٹھہر گیا تھا اس نے بعد میں کابل پہنچنے کا وعدہ کیا تھا۔ کالا سنگھ بھی پیچھے ہی رہ گیا۔ عبدالرحیم اور کالا سنگھ نے اس وقت تک یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ آئندہ کیا کرنے والے ہیں۔

دشوار گزار کوہستانی علاقہ میں تین ہفتہ کے سفر کے بعد ہم ایک سرحدی مقام پر پہنچے جسے ''سرکنی'' کہتے ہیں۔ یہ افغانستان کی سرحدی چوکی ہے۔ وہاں سے چلتے چلتے ہم جلال آباد پہنچے۔ راستہ میں ہمیں کسی نے بھی نہیں روکا۔ بلا پاسپورٹ سفر کرنے پر جلال آباد میں ہم پر پولیس کی نگرانی قائم کر دی گئی۔ امیر کا ایک وزیر شاہ غازی ملکی اس وقت وہاں پر ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا اس نے ہم پر یہ نگرانی قائم کی تھی۔

طلباء کا ورود کابل

اس کے بعد ہمیں کابل لے جایا گیا، جہاں ہم غالباً مئی ۱۹۱۵ء میں پہنچے، اس کے بعد ہمیں کوتوالی میں پولیس کی نگرانی میں رکھا گیا۔ ہمارے ورود کابل کے چند دن بعد عبدالمجید خاں اس بخار سے مر گیا جو اس کو راستہ میں ہو گیا تھا۔

کئی مہینہ تک ہم اسی طرح پولیس کی نگرانی میں رہے۔ ہمیں صرف پولیس کی نگرانی میں باہر جانے کی اجازت دی جاتی تھی۔ کچھ مہینہ بعد وزیر داخلہ نے ہم کو اپنے دفتر میں طلب کر لیا جہاں ایک افسر نے ہم کو ایک دستاویز دی کہ یا تو ہم افغانستان سے واپس چلے جائیں یا اقرارنامہ پر دستخط کریں کہ ہم دو دو اور تین تین کے گروہوں میں رہیں گے۔ ہندوستان اور ہندوستانیوں سے کوئی واسطہ نہ رکھیں گے۔ گرفتاری کے خوف سے ہم نے ہندوستان واپس جانے سے انکار کر دیا۔ روپیہ پاس نہ ہونے کی وجہ سے ہم ترکی سفر بھی جاری نہ رکھ سکتے تھے۔ چنانچہ ہم نے ترکی کا سفر جاری رکھنے کی اجازت طلب کرنے کے لیے کوئی درخواست نہیں دی۔ بالآخر ہم لوگوں کو ایک ساتھ رہنے کی اجازت دے دی گئی۔

اس طرح کئی مہینے گزر گئے۔ شجاع اور میں زندگی سے تنگ آ گئے۔ ایک دن مجھ سے مشورہ کے بعد شجاع اللہ محافظوں کی نظر بچا کر کابل میں مامور برطانوی ایجنٹ سے ملا اور اس سے درخواست کی کہ حکومت برطانیہ سے اسے ہندوستان لوٹنے کی اجازت دلا دے، لیکن ایجنٹ نے اس سلسلہ میں کوئی بھی کارروائی کرنے سے انکار کر دیا۔ شجاع اللہ مایوس لوٹ آیا۔

جب دوسرے طلباء کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے اس بیوقوفی پر شجاع اللہ کو سخت سست کہا اور تنبیہ کی کہ اگر یہ بات امیر کو معلوم ہو گئی تو ہماری ساری پارٹی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گی، یہ راز کابل میں سب پر عیاں ہے کہ اگر کسی شخص کو کابل میں مامور برطانوی ایجنٹ سے خط و کتابت کرتے ہوئے دیکھ لیا جاتا ہے تو حکومت افغانستان یا تو اس کو فوراً سزائے موت دے دیتی ہے یا قید میں ڈال دیتی ہے۔

کوہاٹ سے مجاہد طلباء کی آمد

جب ہم کابل میں زیرحراست تھے تو کوہاٹ سے چار طلباء جنہوں نے ہمارے جیسے حالات میں افغانستان کو ہجرت کی تھی۔ پولیس کی نگرانی میں کوتوالی لائے گئے اور ہمارے ساتھ بند کر دیے گئے۔

۱۔ لطیف خاں طالب علم پشاور کالج

۲- فقیر شاہ طالب علم کوہاٹ اسکول

۳- پیر بخش طالب علم کوہاٹ اسکول

۴- عبدالمجید کوہاٹ پولیس

انہوں نے ہمیں بتایا کہ وہ تیراہ کے راستہ سے افغانستان آئے ہیں اور پاسپورٹ نہ ہونے کے باعث ان کو جلال آباد میں گرفتار کرلیا گیا۔

مولوی عبدالرحیم کی کابل میں آمد

بعد میں کسی وقت میرے خیال میں ۱۹۱۵ء کے آخر میں میرا ایک ساتھی بازار سے واپسی پر کہنے لگا کہ اس نے مولوی عبدالرحیم کو دیکھا ہے۔ اس نے مزید کہا کہ مولانا صاحب کی خواہش ہے کہ عبدالمجید کے مقبرہ پر تمام طالب علم اس سے ملیں۔ چنانچہ عبداللہ اور خوشی محمد اس سے مقبرہ میں ملے انہوں نے واپسی پر ہمیں بتایا کہ مولوی عبدالرحیم امیر مجاہدین کے ایلچی کی حیثیت سے آیا ہے تاکہ نائب السلطنت، پرنس نصراللہ خاں سے ملاقات کرے۔ انہوں نے بتایا کہ مولوی عبدالرحیم ایک سرائے میں ٹھہرے ہیں اور بعض مصلحتوں کی وجہ سے ہم سے علانیہ ملاقات نہیں کر سکتے تاہم انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ نائب السلطنت پر پورا زور ڈالیں گے کہ ہمارے ساتھ بہتر سلوک ہو۔

جہاں تک مجھے علم ہے، یہ مولوی عبدالرحیم کا پہلا سفر کابل تھا اور کوئی قابل ذکر بات پیش نہیں آئی۔ اس اثناء میں طلباء گھر سے چلے آنے پر پچھتا رہے تھے۔ اگر ہمیں یقین ہوتا کہ ہندوستان واپس آنے پر ہمیں سزا نہیں دی جائے گی تو ہم میں سے بہت سے طالب علم اب تک اپنے گھروں کو واپس آ چکے ہوتے۔

مولوی عبدالرحیم نے ہمیں مشورہ دیا کہ حاجی عبدالرزاق سے خفیہ طور پر رابطہ رکھیں کیونکہ وہ نائب السلطنت (پرنس نصراللہ خاں) کا معتمد افسر۔ وہ ایک پرجوش مسلمان ہونے کے علاوہ سرحد پار کے علاقہ یاغستان اور نائب السلطنت کے درمیان واسطہ کا بھی کام کرتا ہے۔

بعد میں کچھ طالب علموں نے بتایا کہ مولوی عبدالرحیم نے نائب السلطنت سے گولی

بارود کے کچھ بکس لیے ہیں اور وہ مجاہدین کے لیے ان کو اپنے ہمراہ لے گیا ہے۔

اس اثناء میں ہم نے حبیبیہ کالج کے شیخ ابراہیم سے سنا کہ دلی کے مولوی عبیداللہ جو بہت لائق مولوی ہیں اور اس کے پرانے دوست ہیں وہ بھی ہندوستان سے ہجرت کر کے آ گئے ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ وہ قندھار پہنچ چکے ہیں اور کابل آ رہے ہیں۔

طلباء کی پرنس عنایت اللہ خاں سے ملاقات

ایک موقعہ پر کچھ طالب علم دریا کے کنارے پر نہانے گئے واپسی پر انہوں نے بتایا کہ انہوں نے پرنس عنایت اللہ خاں سے ملاقات کی ہے، جب کہ وہ موٹر میں گھوم رہے تھے، پرنس نے موٹر روک کر ان سے گفتگو کی اور کہا کہ اپنا دل نہ توڑیں اور ہمت قائم رکھیں۔ اس وقت پرنس ہیٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس نے کہا کہ ہیٹ سے میرے بارے میں کوئی رائے قائم نہ کرو میں دل سے پکا مسلمان ہوں۔

کچھ دن بعد جب کہ شیخ عبدالقادر، خوشی محمد اور میں ٹہلنے جا رہے تھے پرنس کے سیکرٹری مرزا احمد عمر نے ہمیں اطلاع کرائی کہ پرنس ہم میں سے کچھ طلباء سے اگلی صبح کو ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اگلی صبح شیخ عبدالقادر، خوشی محمد اور میں پرنس کے بنگلہ پر پہنچے پہلے ہمیں کھانا کھلایا گیا پھر اس کے حضور میں پیش کیا گیا وہ بہت فیاض تھا، اس نے ہمیں دیکھ کر اظہارِ مسرت کیا۔ اس نے ہم سے دریافت کیا اور ہم نے اسے وہ وجوہات بتائیں جن کی بنا پر ہم نے ہندوستان کو چھوڑا۔ اس نے کہا ہمیں دل شکستہ نہ ہونا چاہیے اور تمہارے کیس پر توجہ ہو رہی ہے۔

کابل میں جرمن مشن کی آمد اور افغانستان میں عام احساسات

اس وقت تک ہم کوتوالی ہی میں تھے کہ ہمیں کابل میں جرمن مشن کی آمد کی اطلاع ملی۔ اس پر افغانوں میں بڑا جوش و خروش تھا۔ عام لوگوں کو اس مشن کے اغراض و مقاصد کے بارہ میں کچھ معلوم نہ تھا لیکن انہوں نے سمجھ لیا کہ وہ سلطان ترکی کی طرف سے آئے ہیں جن کی

خواہش ہے کہ شیخ الاسلام کے فتویٰ جہاد کی تعمیل میں افغانستان بھی جنگ میں شامل ہو جائے۔
عام لوگ مشن کی آمد سے بہت خوش تھے اور حکومت برطانیہ کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کے حق میں تھے۔ ہماری پارٹی میں سے عبدالحمید اس وقت سول ہسپتال میں داخل تھا اس ہسپتال کا انچارج ایک ترک ڈاکٹر منیر بے تھا۔ ہم عبدالحمید کے پاس اکثر ہسپتال جایا کرتے تھے۔ راجہ مہندر پرتاب، کاظم بے اور مشن کے جرمن افسر ڈاکٹر منیر بے سے اکثر ملنے آیا کرتے تھے۔

اس اثناء میں پشاور سے چار مزید نوجوان کابل پہنچ گئے تھے۔ ان کو بھی ہم سے الگ ایک مکان میں پولیس کی نگرانی میں رکھا گیا۔ میں ان کے صرف نام بتا سکتا ہوں جو یہ ہیں:

۱۔ فقیر محمد وٹرنری گریجوایٹ

۲۔ عبدالوحید طالب علم پشاور اسکول

۳۔ فضل قادر طالب علم اسلامیہ اسکول

اس اثناء میں ہمیں کوتوالی سے شارع عاشقان عارفان کے ایک مکان میں منتقل کر دیا گیا ایک دن ہمیں اپنی پارٹی کے ایک ممبر کے ذریعہ اطلاع ملی کہ مولوی عبدالرحیم نے کہا ہے کہ وہ کچھ دن سے کابل میں جامع مسجد سرائے میں مقیم ہے اور ہم میں سے کسی ایک شخص سے اس مسجد میں ملنا چاہتا ہے جو ہمارے مکان کے متصل ہے، چنانچہ میں مقررہ جگہ پہنچا۔
اس نے بتایا کہ عبدالرزاق کے واسطہ سے وہ پرنس نصر اللہ سے کئی بار ملاقات کر چکا ہے اسے مکمل اُمید ہے کہ عنقریب ہمیں آزاد کر دیا جائے گا اور ہماری حالت بہتر ہو جائے گی۔ میں نے اس الاؤنس کی کمی اور جس مکان میں قیام تھا۔ اس کی شکستہ حالت کے بارہ میں شکایت کی۔ اس نے وعدہ کیا کہ قیام کابل کے دوران وہ ہماری ان مشکلات کا ازالہ کرا دے گا۔
چند ہی دن بعد ہم کو ایک بہتر مکان میں منتقل کر دیا گیا جو سابقہ مکان کے مقابلہ میں بہت بہتر تھا۔ مولانا عبیداللہ اور حبیبیہ کالج کے مولوی محمد علی اور شیخ ابراہیم بھی اس مکان کے ایک حصہ میں مقیم تھے۔ وہ بڑے ہمدرد اور مہربان تھے۔ جلد ہی ہم ان کے دوست بن گئے۔
ہماری مہم کا سب سے اہم دور اب شروع ہوا جس کی وجہ ان لوگوں کے ساتھ ہمارا تعلق

خصوصی تھا۔ ایک طرف تو ہم مولوی عبیداللہ محمد علی اور ابراہیم کے زیر اثر تھے جو مکان میں ہمارے شریک تھے جب کہ دوسری طرف ہمارا رابطہ راجہ مہندر پرتاپ کاظم بے اور جرمن مشن کے مولوی برکت اللہ سے تھا جن سے ہم ڈاکٹر منیر بے سے ملاقاتوں میں متعارف ہوئے تھے۔

امیر کی سخت ہدایت تھی کہ کوئی جرمن مشن کے ممبروں سے ملاقات نہ کرے، اس لیے جرمن مشن کے ممبروں اور مولوی عبیداللہ سے ملاقاتوں کے لیے ڈاکٹر منیر بے کے دفتر کو خفیہ مشورہ گاہ بنایا گیا۔ عبدالرحیم نے ان سے اس جگہ پر کئی ملاقاتیں کیں۔

۱- راجہ مہندر پرتاپ

۲- مولوی برکت اللہ

۳- کاظم بے ترک فوجی افسر جس کو انور بے نے اس مشن کے ساتھ قسطنطنیہ سے خاص طور سے بھیجا تھا۔ یہ مشن کے ممبر ہیں جو ''باغ بر'' میں مقیم تھے۔

۴- وان ہنگ یہ جرمن باشندہ تھا حکومت نے اسے نمائندہ بنا کر وفد میں بھیجا تھا۔

۵- کیپٹن سینڈریمیر جرمن ملٹری افسر جو ایران میں جرمن نقل و حرکت کا افسر اعلیٰ تھا۔

عبیداللہ کابل میں اور طلباء و جرمن مشن سے اس کے تعلقات

مولوی عبیداللہ فی الحقیقت محرک اصلی روح رواں تھا۔ کابل پہنچتے ہی معین السلطنت (پرنس عنایت اللہ خاں) پر ان کا اثر پڑنے لگا، جس نے اس کا تعارف نائب السلطنت (پرنس نصر اللہ خاں) سے کرایا اور آخر الذکر نے اس کی عزت و تکریم اور اس پر اعتماد اور بھروسہ شروع کر دیا۔

مجھے معلوم ہوا کہ پرنس نصر اللہ خاں نے اس کو ایک معقول تنخواہ کی پیش کش کی لیکن اس نے یہ رقم قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ وہ انہیں کچھ دلانے کے لیے وہاں آیا ہے نہ کہ ان سے کچھ لینے کے لیے۔

مجھے عبیداللہ سے معلوم ہوا کہ ابتدا میں اس کے اشارہ پر مولوی محمد علی اور شیخ ابراہیم کابل

گئے تھے۔ اس نے کہا تھا کہ ان مولویوں نے محمود طرزی پر بڑا اثر قائم کر لیا تھا جو پرنسپل عنایت اللہ خاں کے خسر اور سراج الاخبار کے ایڈیٹر ہیں اور اوّل الذکر کے ذریعہ آخر الذکر پر اپنا اثر جما لیا تھا۔

اس نے کہا پرنس عنایت اللہ خاں کی ہدایت کی تعمیل میں وہ کابل آئے ہیں۔ وہ محمد علی اور ابراہیم کے ہمراہ رہتا تھا اس کے تین ساتھی تھے جن کے نام یہ ہیں۔

۱-محمد علی (اس کا بھتیجا)

۲-عبداللہ (سندھی) ایک دیگر شخص جس کا نام معلوم نہیں

عبداللہ جب مشن کے ممبروں سے ملاقات کرنے جاتا تھا تو بالعموم مجھ کو ساتھ لے جاتا تھا اور میں کئی میٹنگوں میں موجود رہا تھا۔

راجہ مہندر پرتاپ کا کابل میں اصل مشن

مشن سے رابطہ کے باعث مجھے راجہ مہندر پرتاپ سے معلوم ہوا کہ جنگ کے شروع میں ہندوستان سے جرمنی چلا گیا تھا۔ قدیم راجا خاندان سے تعلق کی بنا پر اور بعض حکمران راجاؤں سے تعلق کی بنا پر اس کا کئی ہندوستانی حکمرانوں سے رابطہ تھا۔ انہوں نے اس سے وعدے کیے تھے کہ اگر کسی غیر ملکی طاقت نے ہندوستان کو برطانوی جوئے سے آزاد کرانے کی کوشش کی تو وہ مدد کریں گے۔ وہ براہ سوئٹزرلینڈ جرمنی پہنچا تھا۔

مولوی برکت اللہ چٹو پادھیائے ہردھیال اور دوسرے ہندوستانی بھی اس وقت وہاں تھے اور انہوں نے انڈیا سوسائٹی کی تشکیل کی تھی۔ جس کا مقصد ہندوستان کو غیر ملکی غلامی سے نجات دلانا تھا۔

اس سوسائٹی کا خرچہ جرمن روپیہ سے چلتا تھا جو حکومت جرمنی اس سوسائٹی کو بطور قرض دیتی تھی۔ ان ہندوستانیوں کے اخراجات بھی اس فنڈ سے پورے ہوتے تھے۔ راجہ دراصل اس سوسائٹی کی دعوت پر جرمنی گیا تھا۔

قیصر جرمنی اور سلطان ترکی سے راجہ کی ملاقات

سوئٹزرلینڈ پہنچ کر اس نے اس شرط پر جرمنی جانا قبول کیا کہ قیصر ضیافت دے اور اس سے ملاقات کرے۔ یہ شرط منظور کر لی گئی چنانچہ وہ برلن کو روانہ ہو گیا جہاں ان شرائط کو پورا کیا گیا اس نے کچھ عرصہ جرمنی میں قیام کیا جب کہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہندوستانی، ترکی اور جرمنی باشندوں کا ایک مشترکہ مشن راجہ کی سربراہی میں قیصر جرمنی اور سلطان ترکی کے خطوط اور جہاد کے فتویٰ کے ساتھ افغانستان کو روانہ کیا جائے۔ یہ مشن بھیجنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ ترکی اور جرمنی میں عام خیال یہ تھا کہ شیخ الاسلام کے ادنیٰ سے اشارہ پر افغانستان علم جہاد بلند کر دے گا۔ راجہ مہندر پرتاپ نے سلطان ترکی اور انور پاشا سے ملاقاتیں کیں وہ ان کے یہ خطوط لایا تھا۔

راجہ مہندر پرتاپ جو دستاویزات ساتھ لایا

(۱) ہندوستان کے تمام والیان ریاست کے نام جرمن چانسلر کے تحریر کردہ خطوط، میں نے راجہ کے پاس یہ خطوط دیکھے تھے ان میں سے ہر خط دوہرے کاغذ پر تھا۔ ایک شیٹ جرمن میں تھا اور دوسرا اس ریاست کی زبان میں تھا جس کے حکمران کو یہ خط لکھا گیا تھا۔

میرا خیال ہے یہ دو درجن خطوط تھے اور اگرچہ طویل مدت گزر چکی ہے مجھے بخوبی یاد ہے کہ ان خطوط میں مکتوب الیہم کو بھڑکایا گیا تھا کہ وہ اپنی اور ہندوستان کی مدد کریں اور ملک کو برطانیہ کی غلامی سے نجات دلائیں اور جرمنی ہندوستان کی آزادی کے تحفظ کی ضمانت دے گا۔ مجھے یاد ہے ان خطوط میں راجہ مہندر پرتاپ کو 'عالی خاندان' کہا گیا تھا اور ان خطوں میں اسے مشن کا سربراہ قرار دیا گیا۔

جرمن چانسلر کے خطوط امیر کابل اور رانا نیپال کے نام

ان خطوط کا متن اگرچہ ایک دوسرے سے ملتا جلتا تھا لیکن ان خطوط کے متن سے مختلف تھا جو ہندوستانی والیان ریاست کو بھیجے گئے تھے ان خطوں میں اصرار کیا گیا تھا کہ ہندوستان کو

آزاد کرانے میں وہ راجہ مہندر پرتاپ کی مدد کریں۔ یہ خطوط بھی دو زبانوں یعنی جرمن اوران ملکوں کی مقامی زبانوں میں تھے۔

۳- شیخ الاسلام کے جاری کردہ فتویٰ جہاد کی ایک نقل

مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ سلطان ترکی اور انور بے کے خطوط بنام امیر کابل بھی راجہ ساتھ لایا تھا لیکن نہ تو میں نے انہیں دیکھا نہ ان کے متن کا مجھے علم ہو سکا۔ مشن کے ہمراہ کاظم بے بھی تھا۔ جو استنبول کا ایک فوجی افسر تھا، اس نے راستہ میں بڑی صعوبتیں برداشت کی تھیں۔

ایران میں روسیوں نے ان کے سامان کا بڑا حصہ لوٹ لیا تھا جس میں دربار اور اس کے درباریوں کے لیے قیمتی تحائف بھی شامل ہیں۔ مشن کے ہمراہ چار پانچ آفریدی بھی تھے۔ میرے خیال میں یہ لوگ فرانس میں برطانوی فوج سے بھاگ گئے تھے۔

اس مشن کو باغ بابر میں ٹھہرایا گیا تھا۔ حکومت افغانستان اس کی بڑی مہمان نوازی کرتی تھی۔ راجہ مہندر پرتاپ اور جرمن و ترک افسروں نے امیر سے کئی بار ملاقاتیں کیں۔ راجہ سے عبداللہ کی پہلی ملاقات کے وقت جو ڈاکٹر منیر بے کے دفتر میں ہوئی تھی۔ اتفاق سے میں بھی موجود تھا۔ تب راجہ نے گفتگو کے دوران کہا تھا کہ وہ امیر سے کچھ وعدے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے اور اگر اب بھی ہم ہندوستان کو آزاد کرانے میں کامیاب نہ ہوں تو یہ ہمارا اپنا قصور ہوگا۔

اس نے کہا تھا کہ اس کے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں جس کو وہ ہندوستان بھیج سکے۔ اس نے عبیداللہ سے درخواست کی کہ وہ اس بارے میں اس کی مدد کرے۔ عبیداللہ نے ایسا کرنے کا وعدہ کرلیا۔ عبیداللہ نے راجہ سے اور بھی ملاقاتیں کیں جن میں میں موجود نہ تھا۔

عبیداللہ نے مجھ سے کہا کہ راجہ بعض خطوط اور فتوے ہندوستان کو بھیجنا چاہتا ہے۔ اس نے خطوط کی کوئی تفصیل نہیں بتائی اور بعد میں مولوی عبداللہ سندھی اور ایک دوسرا شخص (فتح محمد) یہ خطوط لے کر خفیہ مشن پر ہندوستان کو روانہ ہوئے لیکن پھر وہ واپس نہ آئے۔ شیخ ابراہیم اور محمد علی کو سب کچھ معلوم تھا اور عبیداللہ ان معاملات میں ان سے مشورہ کیا کرتا تھا۔

حکومت موقتہ ہند کی تشکیل

وقت گزرتا رہا اور عبیداللہ نے مجھے بتایا کہ راجہ نے حکومت موقتہ ہند کی تشکیل کر لی جس میں وہ (راجہ) صدر ہے اور مولوی برکت اللہ وزیراعظم ہیں۔ اس بارہ میں میں نے کوئی دستاویز نہیں دیکھی۔ یہ منصوبہ بالکل ابتدائی حالت میں تھا۔

اس مجوزہ حکومت کے افسروں اور عہدہ داروں کی فہرست کابل سے میری روانگی کے بعد تیار ہوئی ہوگی۔ بعد میں مجھے راجہ اور عبیداللہ سے معلوم ہوا کہ امیر اس شرط پر اُٹھ کھڑا ہونے کے لیے تیار ہو گیا تھا کہ یا تو افغانوں کا ساتھ دینے کے لیے کافی فوج افغانستان پہنچ جائے یا ہندوستان میں عام بغاوت پھیل جائے۔

اس معاملہ کو آگے بڑھانے کے لیے راجہ کچھ نہ کچھ کرنے کا انتہائی خواہش مند تھا لیکن اس کے پاس فوج نہیں تھی اور ہندوستان کے لوگوں کے ساتھ اس کے تعلقات اس قدر مضبوط نہیں تھے کہ بغاوت برپا کر سکے۔ چنانچہ وہ بالکل بے بس تھا۔

ایک مرتبہ میں نے اسے کہتے سنا کہ کئی راجاؤں نے اور مہاراجہ بڑودہ نے خصوصیت کے ساتھ پختہ یقین دہانی کی تھی۔ ان دوسرے راجاؤں کے نام اس نے ظاہر نہیں کیے۔ ایک مرتبہ اس نے کہا تھا کہ نیپال نے برطانیہ کو جو امداد دی ہے وہ محض دھوکہ ہے اس لیے اس مشن کی سرگرمیاں محض مذاکرات اور بات چیت تک محدود تھیں۔

اس وقت تک یہ خفیہ مذاکرات سول ہسپتال میں ہوا کرتے تھے۔ میرے خیال میں یہ ۱۹۱۶ء کے شروع کی بات ہے کہ پرنس نصر اللہ خاں نے راجہ اور عبیداللہ کو اجازت دے دی کہ ایک دوسرے سے حاجی عبدالرزاق کے مکان پر مشورہ کر لیا کریں۔ ان مواقع پر بالعموم میں عبیداللہ کے ساتھ خفیہ مشوروں میں جایا کرتا تھا۔ اس طرح رفتہ رفتہ مجھے معلوم ہو گیا کہ مشن کے جرمن ممبران امیر کے رویہ سے مطمئن نہیں۔

مشن کے بارہ میں امیر کا اصل رویہ

مشن کی آمد کے فوراً بعد ہی کابل میں خاص سرگرمیاں دیکھنے میں آئی تھیں اور امیر نے فوج کا خصوصی معائنہ کیا تھا۔ جرمن افسروں کی نگرانی میں افغان فوجی حکام نے کابل کے چاروں طرف خندقیں کھودنی شروع کر دی تھیں یہ بھی افواہ تھی کہ افغان سردار خاندانوں کے نوجوانوں اور دوسرے فوجی افسر باغ بابر میں سینڈر میئر کے پاس جا کر فن جنگ سیکھتے تھے اور اس کے لکچر سنتے تھے۔

مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ جرمن مشن کے مختلف ممبروں نے امیر کے اسلحہ اور گولی بارود بنانے کے کارخانوں کا معائنہ کیا تھا اور ان کو بہتر کرنے اور ان میں توسیع کرنے کے سلسلہ میں تجاویز پیش کی تھیں۔ جرمن افسر کئی بار امیر کی خدمت میں باریاب ہوئے اور اصرار کیا کہ برطانیہ کے خلاف جنگ شروع کرنے کے لیے ایک تاریخ کا تعین کرے۔

سنا گیا ہے کہ امیر نے کبھی صاف انکار نہیں کیا جب وہ اس سے درخواست کرتے وہ ان کو صبر و تحمل کی تلقین کرتا اور کہتا کہ وہ اس معاملہ پر سنجیدگی کے ساتھ غور کر رہا ہے یہ بھی افواہ تھی کہ جرمن مشن کو امیر پر سخت غصہ تھا کہ وہ ان کا وقت خالی وعدوں میں گنوا رہا ہے۔

تاہم راجہ مہندر پرتاپ ان سے متفق نہ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ مشرق کی روایات ہی ایسی ہیں اور جرمن افسران اپنے عجلت پسندانہ رویہ کے باعث اچھے امکانات کو ضائع کر رہے ہیں۔ جرمنوں کو شکایت تھی کہ انکی امیر سے جو گفتگو ہوتی ہے اس کا اکثر حصہ انگریزی اخبارات میں شائع ہو جاتا ہے۔ وہ الزام لگاتے تھے کہ امیر دوہرا کردار ادا کر رہا ہے اور فی الحقیقت وہ حکومت برطانیہ کا حامی ہے۔

ڈاکٹر متھرا سنگھ اور ہرنام سنگھ پنجاب سے بھاگے ہوئے تھے انہیں بھی ہمارے ساتھ اسی بلڈنگ میں ٹھہرایا گیا۔ ہمیں ان سے معلوم ہوا کہ وہ گرفتاری سے بچنے کے لیے افغانستان کو فرار ہوئے ہیں۔ ابتدا میں ان کو جیل میں ڈال دیا گیا تھا۔ بعد میں افغان گورنمنٹ نے ان کو رہا کر دیا۔

مولوی عبدالرحیم کی سرگرمیاں

مولوی عبدالرحیم زیادہ تر مجاہدین کے ساتھ رہتے تھےلیکن کبھی کبھی کابل بھی آجایا کرتے تھے۔ وہ انتہائی محتاط آدمی تھے اور اپنی سرگرمیوں کے بارہ بے حد اخفار کھتے تھے اور رازداری سے کام لیتے تھے۔ جب بھی وہ کابل آتے تھے تو ہمارے پاس ضرور آتے تھے۔

مجھے معلوم ہوا کہ وہ مجاہدین کے نمائندہ ہی نہیں بلکہ سرحد پار کے علاقہ میں پرنس نصر اللہ خاں کے ایلچی بھی تھے۔ تاکہ جب بھی موقع آئے افغانستان کے ساتھ متحدہ اقدام کرا سکیں ان کو اختیار ملا ہوا تھا کہ جس شخص کو اپنے ہمراہ لانا چاہیں اسے براہِ راست افغانستان کا پاسپورٹ جاری کر دیں۔

مولوی عبدالرحیم نے کہا تھا کہ وہ مختلف خانوں کے پاس سرحد پار کے علاقہ میں سردار نصر اللہ خاں کے خطوط لے جاتا ہے اور پرنس نصر اللہ نے ان خانوں کا سالانہ وظیفہ مقرر کر رکھا ہے انہوں نے مزید بتایا کہ حاجی ترنگ زئی بہت سے افغانوں اور ہندوستانیوں کے ساتھ جیسے کہ فضل محمود، فضل ربی سرحد پار کے علاقہ میں لوگوں کو بھڑکا رہے ہیں اور برطانوی فوجوں میں اور سرحد پار کے قبائلیوں میں کئی جھڑپیں ہو چکی ہیں جن کی تنظیم حاجی ترنگ زئی نے کی تھی۔

اس نے مزید کہا کہ بہت سا گولی بارود اور روپیہ اس تحریک کو سرحد پار کے علاقہ میں پھیلانے کے لیے نصر اللہ خاں نے دیا ہے اور اس مقصد کے لیے بہت سے مراکز قائم کیے جا رہے ہیں۔

عبدالرحیم جب کابل آتا تو عبدالرزاق سے علیحدہ ملاقات کرتا چند مرتبہ جب میں اس کے ہمراہ عبدالرزاق کے مکان پر گیا تو اس نے ہمارے الاؤنس بڑھانے کی ہی بات کی۔ بالعموم میں اس خفیہ مشورہ میں شامل ہوا کرتا تھا جو راجہ مہندر پرتاپ، برکت اللہ، عبیداللہ اور کاظم بے کے درمیان حاجی عبدالرزاق کے مکان پر ہوا کرتے تھے۔ عام موضوع یہ ہوتا تھا کہ افغانستان سے کسی طرح برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ کرایا جائے۔ اس جگہ پر سب سے پہلے یہ تجویز سامنے آئی تھی کہ افغانستان کے شاہی خاندان کے کسی شہزادہ کو حکومت موقتہ ہند کا صدر بنایا جائے۔

ڈاکٹر صدرالدین کی کابل میں آمد

ڈاکٹر متھرا سنگھ اور ہرنام سنگھ کی آمد کے بعد کابل میں ڈاکٹر صدرالدین مولوی عبدالرحیم کے ہمراہ نمودار ہوئے اور اس کے ہمراہ ایک سرائے میں مقیم ہوئے۔ کچھ دن عبدالرحیم سرحد پار کے علاقہ کو چلا گیا۔

ڈاکٹر صدرالدین ہمارے ساتھ مقیم ہوئے اس نے کہا وہ سرحد پار علاقہ کی حالت دیکھنے کے لیے ہندوستان سے آیا تھا۔ اس نے شکایت کی کہ مولوی عبدالرحیم نے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ اس نے اس پر برطانوی جاسوس ہونے کا شبہ کیا اور اپنے اعتماد میں نہیں لیا۔ اس نے تقریباً ایک ماہ تک قیام کیا اور پھر کابل سے روانہ ہو گیا اس نے کہا کہ وہ سرحد پار کے علاقہ کو جا رہا ہے۔

روس کو مشن

بعد میں حاجی عبدالرزاق کے مکان پر راجہ مہندر پرتاب مولوی برکت اللہ اور عبیداللہ میں مشورہ ہوا مہندر پرتاپ نے کہا ایک وفد کو روس روانہ کیا جائے۔ عبیداللہ مجھے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

اس نے کہا کہ پرنس نصراللہ خان سے مشورہ کر لیا گیا ہے اور اس نے ڈاکٹر متھرا سنگھ کا نام تجویز کیا ہے۔ اس نے کہا کہ ایک مسلمان بھی ڈاکٹر متھرا سنگھ کے ساتھ جائے گا۔ اس پر عبیداللہ نے خوشی محمد کا نام تجویز کیا۔

راجہ صاحب کے بیان کے مطابق اس مشن کا مقصد یہ تھا کہ روسی حکومت میں ایسا انتظام کیا جائے کہ اگر افغانستان جرمنی کے حق میں جنگ میں شامل ہو تو روس مداخلت نہ کرے۔

چنانچہ ڈاکٹر متھرا سنگھ اور خوشی محمد، سردار شمشیر سنگھ اور مرزا محمد علی کے فرضی ناموں سے دو کابلی ملازمین کے ہمراہ جن میں ایک سکھ (آیا سنگھ کابلی) اور ایک مسلمان (عبدالحق کابلی) تھا۔ روس روانہ ہوئے۔

راجہ نے ان دونوں ایلچیوں کو حسب ذیل اشیاء دیں۔

۱-ایک سونے کی پلیٹ جس پر زار کی تعریف وتوصیف تھی۔

۲-روسی ترکستان کے سرحدی محافظوں کے نام ایک خط جس میں ان سے کہا گیا تھا کہ ان ایلچیوں کو تاشقند پہنچا دیں۔ جہاں سونے کی یہ طشتری گورنر جنرل کے حوالہ کی جانی تھی تا کہ اسے زار روس کے پاس بھجوا دے۔

۳-وزیر اعظم حکومت موقتہ ہند برکت اللہ کے دستخطوں سے تاشقند کے گورنر جنرل اور روسی حکومت کے وزیر اعظم کے نام خطوط۔

پہلے خط میں درخواست کی گئی تھی کہ دوسرا خط مکتوب الیہ کو پیٹرو گراڈ بھجوا دیا جائے۔ اس خط میں راجہ نے اپنے مشن کی اور اس کے مقاصد کی تفصیل بیان کی تھی اور لکھا تھا کہ برلن اور قسطنطنیہ میں اس کا کس طرح احترام کیا گیا ہے۔ اس نے مزید لکھا تھا کہ روس کی سلطنت جو ایشیا وافریقہ دونوں براعظموں میں پھیلی ہوئی ہے۔ ہندوستان کے بارہ میں لاتعلق اور بے پروا نہیں رہ سکتی۔ اس نے اشارۃً لکھا تھا کہ اگر اسے روس مدعو کیا جائے تو وہ وہاں جانے کو تیار ہے۔ بشرطیکہ روسی فوج کا ایک جنرل سرحد پر اس کا استقبال کرے۔

اس کے بعد روس جانے والا مشن کابل سے روانہ ہو گیا۔ راجہ نے دو ایک مرتبہ ہندوستان میں برطانیہ کے زیر سرپرستی ہندوستان کی خود مختار حکومت کے سوال پر بات چیت کی تھی اور کہا تھا کہ اگر ہندوستان نے اتنا ہی حاصل کر لیا تو میں اسے کافی سمجھوں گا اور سمجھ لوں گا کہ میرا مقصد حاصل ہو گیا۔ تاہم وہ کہتا تھا کہ حکومت برطانیہ خود مختار حکومت کے جو اصل معنی ہیں ان معنوں کے مطابق ہندوستان کو کبھی حکومت نہیں دے گی۔

میرا خیال یہ ہے کہ جب افغانستان میں اس کی اسکیم ناکام ہو گئی اور وہ اپنی بے عملی اور غیر سرگرم زندگی سے تنگ آ گیا تو اس نے اس ملک سے خاموشی کے ساتھ نکل جانا چاہا۔ ایران میں برطانیہ کی شدید نگرانی کے باعث وہاں سے گزر کر جانا بہت خطرناک تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس کا ارادہ تھا کہ افغانستان سے روس کے مہمان کی حیثیت میں خاموشی کے ساتھ نکل جانے کی کوشش کرے۔ اس طرح وہ آزاد ہوتا کہ جہاں چاہے جائے۔ وہ اکثر جاپان کا ذکر کرتا تھا اور اسے اپنی منصوبہ بندی کے لیے مناسب ترین مقام سمجھتا تھا۔

قصر بابر میں عشائیہ

میرا خیال ہے کہ اسی دوران راجہ مہندر پرتاپ نے قصر بابر میں پرنس نصراللہ خان کے اعزاز میں ڈنر دیا۔ مولوی عبیداللہ نے مجھے بتایا کہ راجہ مہندر پرتاپ نے اس سے کہا تھا کہ وہ اس ڈنر کا اہتمام کرے۔ کیونکہ راجہ حکومت افغانستان کا مہمان ہونے کے باعث ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ مولوی محمد علی نے ذمہ داری لی کہ اپنے ملازم نواب کے ذریعہ سارے انتظامات کرے گا۔

قصر بابر کو جاتے ہوئے مولوی محمد علی نے مجھ سے کہا تھا کہ اس ضیافت کا اہتمام کرنے میں اس کی مدد کروں۔ چنانچہ عام انتظام وانصرام میں میں نے اس کا ہاتھ بٹایا۔ ڈنر میں یہ لوگ شامل ہوئے۔

سردار نصراللہ خاں، پرنس عنایت اللہ خاں، راجہ مہندر پرتاپ، مولوی عبیداللہ اور مولوی برکت اللہ، محمد علی اور میں کھانا پیش کیے جانے سے قبل ہی چلے آئے لیکن جہاں تک مجھے علم ہے اس دعوت میں کوئی سیاسی بات نہیں ہوئی۔

مسلم ممالک کے دورہ کے لیے عبیداللہ کا منصوبہ

مولوی عبیداللہ نے جرمن مشن کی سرگرمیوں میں نمایاں طور سے حصہ لیا تھا۔ وہ طالب علموں کو قرآن پڑھایا کرتے تھے۔ تعلیم کے دوران وہ بالعموم مذہب کے سیاسی پہلو پر زیادہ زور دیتے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ جہاد اور قربانی کے فریضہ پر زور دیتے تھے۔

اس نے مولوی محمد علی، شیخ ابراہیم سے اور مجھ سے کہا تھا کہ تینوں اسلامی ملکوں، ترکی، ایران اور افغانستان کو ایک دوسرے کے قریب لایا جائے کہ وہ سول اور فوجی ترقی میں ایک دوسرے کی مدد کر سکیں۔

اس کا فوری منصوبہ یہ تھا کہ سرحد پار کے علاقہ کے تمام ملا اور خان اور ہندوستان کی دیسی ریاستوں کے حکمران امیر سے وفاداری کا حلف لیں۔ اس طرح امیران ریاستوں کا مذہبی و

سیاسی لیڈر بن جائے۔

اس نے کہا کہ مولوی عبدالرحیم عرف بشیر نے نائب السلطنت کے ایما پر یہ کام یاغستان میں مکمل کر لیا ہے اور مختلف خوانین، امیر المجاہدین اور حاجی ترنگ زئی کے تحریری حلف نامے لے آیا ہے لیکن سرحد پار کے کچھ علاقے ایسے بھی ہیں جہاں ابھی تک مولوی عبدالرحیم نہیں جا سکا ہے۔ ان علاقوں پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اس نے کہا کہ ہندوستانی والیان ریاست کے بارہ میں وہ خود ہی انتظام کر سکتا ہے لیکن اس کی تفصیل اس نے نہیں بتائی۔ اس نے کہا کہ افغانستان اور ترکی کو متحد کرنے کا کام عنقریب مکمل ہو جائے گا۔ کیونکہ محمود الحسن اسی مقصد کے لیے ترکی گئے ہوئے ہیں۔

یہ اسی دوران کی بات ہے کہ امیر نے اپنے مختلف صوبوں کے نمائندوں کو کابل میں مدعو کیا۔ کابل میں وہ کئی ماہ حکومت کے مہمان رہے۔ ان میں اسلام پور کے سیّد پاشا صاحب اور سرکانی کے حضرت صاحب قابل ذکر ہیں۔ سرحد پار کے ملاؤں سے جن کے نام مجھے معلوم نہیں نائب السلطنت نے ملاقات کی تھی اور ہدایت کی تھی کہ بوقت ضرورت متحدہ کارروائی کے واسطے تیار رہیں۔

مجھے معلوم ہوا کہ سردار نے اس امر کی وضاحت نہیں کی کہ کس کے خلاف یا کس وقت یہ کارروائی کی جائے گی۔ چند دن بعد امیر نے افغانستان کے ملاؤں اور خانوں سے دربار میں خطاب کیا۔ اس کی تقریر سے جو سراج الاخبار میں شائع ہوئی تھی میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ امیر نے افغانستان کے طول و عرض میں حکومت اور قوم کے اتحاد پر سخت زور دیا ہے کیونکہ اس وقت تک جرمن مشن موجود تھا۔ اس لیے امیر کی تقریر کے سلسلہ میں مختلف افواہیں پھیل گئیں۔

افغان برطانیہ کے خلاف اعلان جہاد کے انتہائی خواہش مند تھے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ امیر عوام کو ٹھنڈا کرنا چاہتا ہے۔ کچھ اور لوگوں کا خیال یہ تھا کہ امیر ہندوستان پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔

میں کسی اندیشہ کے بغیر کہہ سکتا ہوں کہ افغانستان میں ترکی کے حق میں عام احساسات اتنے زیادہ ہیں کہ جب شریف مکہ کے اعلان آزادی کی خبر افغانستان پہنچی تو لوگوں کی اکثریت

نے اس کا یقین نہیں کیا اور جن لوگوں نے اس کا یقین کیا انہوں نے شریف کو گندے اور رکیک ترین القاب سے نوازا۔

مولوی سیف الرحمٰن کا ورود کابل

اس کے کچھ دن بعد مولوی سیف الرحمٰن کابل پہنچے وہ عبیداللہ کا پرانا دوست تھا۔ وہ مسجد علیا حضرت میں ٹھہرے جہاں ہم نے بھی ان سے ملاقات کی۔ اس نے کہا کہ اس نے پنجاب سے نقل وطن کیا ہے اور برطانیہ کے خلاف فوجی کارروائیوں میں حصہ لیا ہے۔

کالا سنگھ کابل میں

اس اثناء میں مولوی عبدالرحیم دوبارہ کابل میں نمودار ہوئے اس کے ہمراہ پنجاب کا ایک مفرور کالا سنگھ بھی تھا۔ عبدالرحیم کو ایک مکان میں ٹھہرایا گیا جو پرنس نصراللہ خاں نے اسے اور اس کے چند مجاہدین کو اور کالا سنگھ کو الاٹ کیا تھا۔

کالا سنگھ گوجر سنگھ کے فرضی نام سے سفر کرتا تھا۔ عبدالرحیم نے کہا کہ سرحد پار کے علاقہ میں تحریک کامیابی کے ساتھ چل رہی ہے۔ چمرقند میں مجاہدین کا ایک مرکز قائم کر لیا گیا ہے۔ مہمند قبائل کو برطانیہ سے توڑ لیا گیا ہے۔

کالا سنگھ ہمارے پاس آیا کرتا تھا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ وہ پنجاب کا مفرور ہے اس نے سرحد پر برطانیہ کے خلاف لڑائیوں میں حصہ لیا ہے۔

روس سے مشن کی واپسی

مولوی عبدالرحیم اس وقت تک کابل میں تھے کہ ڈاکٹر متھرا سنگھ اور خوشی محمد تقریباً ۴ ماہ کی غیر حاضری کے بعد واپس آ گئے۔ واپسی میں ان کے پاس کوئی خط نہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ روسی حکام نے تاشقند میں بڑی مہمان نوازی کی لیکن خوشی محمد کی بیماری کے باعث وہ واپسی پر مجبور ہو

گئے۔سونے کی طشتری اور خط پٹروگراڈ کو روانہ کر دیا گیا ہے۔

تاشقند میں حکومت روس کے ڈپلومیٹک سیکرٹری نے وعدہ کیا ہے کہ جب بھی اس خط کا جواب آئے گا اس کو فوراً کابل روانہ کر دیا جائے گا۔

میرا خیال ہے کہ اس مرحلہ پر میں نے باغ بابر میں دو نئے ہندوستانیوں کی آمد کو محسوس کیا جن کے نام حسن علی اور عبدالعزیز تھے۔ان کا مجھ سے یہ کہہ کر تعارف کرایا گیا کہ یہ دو سرگرم اور فعال ہندوستانی نوجوان ہیں۔ جو ایران کے راستے بڑے خطرات اور مشکلات کو برداشت کر کے افغانستان پہنچے ہیں۔انہوں نے کہا کہ وہ برلن کی انڈین سوسائٹی کے ممبر ہیں۔ان کی آمد کا اصلی مقصد مجھ کو کبھی معلوم نہ ہو سکا۔

لیکن ان کی آمد کے فوراً بعد ہی کابل میں جرمنوں نے واپسی کے لیے سامان باندھنا شروع کر دیا۔ اس لیے میں نے اور میری طرح راجہ مہندر پرتاپ مولوی عبیداللہ اور مولوی برکت اللہ نے قیاس کیا کہ وہ جرمن گورنمنٹ کا یہ حکم لے کر آئے ہیں کہ مشن کے جرمن افسر کابل سے چلے آئیں۔

راجہ مہندر پرتاپ نے ان سے کابل میں ٹھہرنے کو کہا لیکن ان لوگوں نے انکار کر دیا۔ مجھے ان کے بارہ میں کوئی تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔ کیونکہ وہ بہت محتاط تھے۔

اسی اثناء میں مولوی فضل ربی فضل محمود اور عبدالعزیز جو حاجی ترنگ زئی کے پیرو ہیں اور سہارنپور کے مولوی منصور (محمد میاں) کابل پہنچے اور مولوی عبیداللہ کے پاس مقیم ہوئے جو اس وقت سرائے زرنجن کے ایک کمرہ میں رہتا تھا۔ یہ ۱۹۱۶ء کے موسم گرما کی بات ہے وہ کبھی کبھی ہم سے ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔

ہمیں ان سے معلوم ہوا کہ مولوی منصور مدینہ سے آئے ہیں۔ جہاں سے ان کو دیوبند کے مولانا محمود الحسن نے جو ہجرت کر کے عرب کو چلے گئے تھے۔مولوی عبیداللہ کے پاس بھیجا ہے۔مولوی منصور نے اطلاع دی کہ مولانا مدینہ میں تھے۔ جہاں کہ حکومت ترکی نے ان کا بڑا اعزاز کیا انور پاشا نے بنفس نفیس ان سے ملاقات کی۔اس نے مزید بتایا کہ مولانا محمود الحسن یا تو براہِ ایران کابل آجائیں گے یا ایک مجاہد کی حیثیت سے ترکی فوج میں شامل ہو جائیں گے۔

مولوی فضل ربی اور حاجی ترنگ زئی کے دوسرے پیروؤں نے نصراللہ خاں سے ملاقات کر کے یہ چاہا کہ حکومت افغانستان ان کو مجاہدین کی سطح پر رکھے جن کا افغانستان میں بڑا احترام کیا جاتا ہے اور امیر دوست محمد کے زمانہ سے ان کو سالانہ وظیفہ ملتا ہے۔

۱۹۱۶ء کے شروع میں عبیداللہ نے جرمن مشن کے ممبروں کے مشورہ سے تجویز پیش کی کہ حبیبیہ کالج کے محمد علی کو براہ ہندوستان اس خفیہ پیغام کے ساتھ جرمنی بھیجا جائے کہ افغانستان کو ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے اُکسانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ایران کے راستہ کافی بڑی فوج افغانستان بھیج دی جائے۔

جرمن مشن اراکین کے ساتھ خفیہ مشورہ اور محمد علی کو خفیہ پیغام دے کر جرمنی بھیجنے کی تجویز

میری موجودگی میں باغ بابر میں اس تجویز پر مشورہ کیا گیا اور طے پایا کہ اس بارہ میں پرنس نصراللہ خاں سے مشورہ کیا جائے۔

ایک ماہ بعد جرمن مشن کے ممبروں پرنس نصراللہ خاں، مولوی عبیداللہ، محمد علی اور میرے درمیان رات کے نو بجے باغ بابر میں اس تجویز پر مشورہ ہوا۔ نصراللہ خان نے اس منصوبہ کی منظوری دے دی اور کہا کہ اگر کافی جرمن فوج افغانستان پہنچ جائے تو افغان برطانیہ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ امیر کے مشورہ کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ نصراللہ خاں نے کہا کہ ضابطہ کے اعتبار سے محمد علی پرنس عنایت اللہ خاں کے ماتحت ہے۔ لہٰذا اس کی اجازت حاصل کرنی ناگزیر ہے لیکن پرنس عنایت اللہ خاں کو کسی بھی حالت میں محمد علی کے مشن کے اصل مقصد کا علم نہ ہونا چاہیے۔ اس کے بعد نصراللہ خاں چلے گئے۔

اور طے پایا کہ محمد علی عنایت اللہ خاں کو طویل رخصت کے لیے درخواست پیش کر دیں اس مرحلہ پر پرنس نصراللہ خاں کے چلے جانے کے بعد ایک تحریری دستاویز محمد علی کے حوالہ کی گئی کہ اس کے مضمون کو حفظ کر لیں۔ یہ کاغذ فل سکیپ سائز کا تھا۔ اس کے دونوں طرف انگریزی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

عبدالباری اور شجاع اللہ کی روانگی

شجاع اللہ نے اور میں نے اس مسئلہ پر کئی بار غور وخوض کیا تھا میں نے ایک منصوبہ بنا کر اس بارہ میں عبیداللہ سے گفتگو کی۔ میں نے وضاحت کی کہ افغانستان بحالت موجود ترک افغانستان آئے ہیں۔ وہ گھٹیا ترین آدمی ہیں اور انہوں نے افغانستان کی ترقی کے لیے کچھ نہیں کیا ہے۔

میں نے تجویز کیا کہ اگر روشن فکر ترکوں سے رابطہ قائم کیا جائے تو ان کو آسانی سے افغانستان کو ترقی دینے پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔ میری تجویز یہ تھی کہ ہم حکومت ترکی سے کہیں کہ وہ ان طریقوں سے افغانستان پر زیادہ توجہ کرے۔

(۱) افغانستان اور ترکی کے درمیان باقاعدہ قافلوں کی آمد ورفت ہو، تاکہ دونوں قوموں میں زیادہ مفاہمت پیدا ہو سکے۔

(۲) حکومت ترکی پر زور ڈالا جائے کہ وہ ڈاکٹری، فوج، تعلیم، مالیات اور کان کنی کے ماہرین افغانستان روانہ کر کے اس ملک کو ترقی دے۔

(۳) انور بے سے کہا جائے کہ وہ امیر پر زور دیں کہ وہ افغان جوانوں کو مختلف شعبوں میں تعلیم کے لیے ترکی روانہ کرے۔

اس کا مطلوبہ اثر ہوا کہ عبیداللہ نے جس کا سردار نصراللہ خاں پر ایسا اثر تھا کہ وہ جو چاہے اس سے کرا سکتا تھا۔ اس بارہ میں اس نے گفتگو کی اور شجاع اللہ کو اور مجھے ترکی بھیجنے کی اس سے منظوری لے لی تاکہ ہم ترکی میں بہتر طبقہ کے لوگوں سے رابطہ پیدا کرسکیں۔

کچھ دن بعد مولوی عبیداللہ ہم دونوں کو سردار نصراللہ خاں کے پاس لے گئے۔ سردار نے ہم سے دل بڑھانے والے لہجہ میں گفتگو کی اور ہمیں ہدایت کی کہ ہم انور بے کے پاس جائیں اور ان پر زور دیں کہ دو مسلم ممالک کو ایک دوسرے کے قریب لانا کس قدر ضروری ہے۔

جب ہم روانہ ہونے کے لیے تیار تھے عبیداللہ راجہ مہندر پرتاپ اور میرے درمیان قصر بابر میں خفیہ مشورہ ہوا کہ ہمارے ساتھ کچھ خطوط قسطنطنیہ اور برلن کو روانہ کیے جائیں۔

ہم کواخراجات سفر کے لیے ایک سو پونڈ دیے گئے اور ہمیں انور پاشا سلطان ترکی قیصر جرمن چانسلر اور چٹایادھیائے نام کے ایک شخص کے لیے خطوط دیے گئے ہمیں ہدایت کی گئی تھی کہ راجہ کی طرف سے ان حکمرانوں کوتعلیمات پہنچادیں اور انور پاشا سے اور جرمن چانسلر سے کہیں کہ کم سے کم ساٹھ ہزار آدمیوں کی ایک فوج افغانستان کوروانہ کریں۔

ہمیں ان کو یہ بھی بتانا تھا کہ حکومت افغانستان نے راجہ کو یقین دلا دیا ہے کہ معقول تعداد میں جرمن اور ترک فوج کے آتے ہی افغانستان بغاوت کردے گا۔ راجہ کی خاص طور سے مجھ سے خواہش تھی کہ جرمن چانسلر کوخصوصیت کے ساتھ بتادوں کہ جرمن مشن کی ناکامی کا سبب وان ہنٹینگ ہے۔ کیوں کہ وہ امیر اوراس کے دربار کے لوگوں سے دوستانہ تعلقات قائم نہیں رکھ سکا۔

شعبان کے آخر میں کسی نوکر کے بغیر ہم ٹٹوؤں پر کابل سے روانہ ہوئے اس موقعہ پر محمد علی، ابراہیم اور دیگر تمام طالب علم کابل میں موجود تھے لیکن ہماری روانگی سے قبل مولوی عبیداللہ نے اہتمام کیا تھا کہ محمد علی اور شیخ ابراہیم سرحد پار کے علاقہ میں وان ہنٹینگ سے جاملیں۔ اس نے کہا تھا کہ وہ جلدی وہاں پہنچ جائے گا اور آزاد علاقہ کے قبائل میں جنگ کی آگ بھڑکائے گا۔ ہمیں تفصیلات کا علم نہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے جانے کے بعد یہ تفصیلات معلوم ہوئی ہوں گی۔ اس وقت تک عبدالحق کابل میں موجود تھا۔

ہماری واپسی کے وقت تک ان خطوط کا کوئی جواب وصول نہیں ہوا تھا جو ڈاکٹر متھرا سنگھ اور خوشی محمد کے ذریعہ روس روانہ کیے گئے تھے۔ روس سے پہلے کمشن کی بخیر وعافیت واپسی سے ہمت پاکر ہماری روانگی سے چندروز قبل مہندر پرتاپ نے فیصلہ کیا تھا کہ روس کے راستہ چین اور جاپان کوایک اور مشن روانہ کرے۔ اس مشن کا مقصد جہاں تک مجھے معلوم ہے یہ تھا کہ بعض امریکن بنکوں میں جن میں میرے خیال کے مطابق راجہ کی کافی رقوم جمع تھیں۔ کچھ چیک کیش کرائے جائیں۔

یہ مشن راجہ مہندر پرتاپ اور حکومت موقتہ ہند کی طرف سے چین کے انقلابی لیڈر ڈاکٹر سن یات سین چینی جمہوریہ کے صدر اور شہنشاہ جاپان کے لیے خطوط بھی لے جانے والا تھا۔ ان

خطوط میں چین اور جاپان کی بے حد و بے قیاس ستائش کی گئی تھی اور ان سے التجا کی گئی تھی کہ برادر ایشیائی ملک کی مدد کریں۔ میں نے راجہ مہندر پرتاپ کے پاس اصلی خطوط دیکھے تھے۔ان خطوط میں اس امر کی کوئی وضاحت نہ تھی کہ چین اور جاپان سے کس قسم کی امداد درکار ہے۔

جب جرمن مشن کابل میں تھا۔ تو برکت اللہ نے اپنے ساتھیوں عبیداللہ اور مولوی عبدالرحیم کے مشورہ سے تجویز کیا کہ سرحد پار کے علاقہ میں ایک پریس لگایا جائے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ سرحد پار علاقہ میں برطانیہ کے خلاف باغیانہ لٹریچر کو ہر طرف پھیلا دیا جائے۔ اس تجویز کو عمدہ طور پر منظور کر لیا گیا تھا لیکن جب میں کابل سے روانہ ہوا اس وقت تک اس پر عملدرآمد کے لیے قدم نہیں اُٹھائے گئے تھے۔

کابل سے روانہ ہو کر ہم ایک مہینہ تک سفر کرتے رہے۔ پھر ہرات پہنچے یہاں ہمیں ایک جرمن افسر ملا جس کو ہم نے اپنا پروگرام بتا دیا۔ وہ کابل سے چند دن پہلے ہی آیا تھا جہاں کہ وہ اصل میں جرمن مشن کے ساتھ تھا۔ اس نے ہمیں ایک ایرانی رہنما دیا جس کا نام مرزا آغا تھا۔ ہرات سے روانگی سے ایک دن قبل شجاع اللہ کی جان محمد عرف چیت سنگھ سے ملاقات ہوئی۔

اس نے ہمیں بتایا کہ وہ بھی ہندوستانی ہے اور ایران کی طرف جا رہا ہے۔ اس لیے سفر میں کچھ دیر ہمارے ساتھ رہے گا۔ اگلے دن ہم ہرات سے روانہ ہوئے جان محمد ہمیں راستہ میں مل گیا۔ وہ ناواقف قسم کا آدمی معلوم ہوا۔ اس نے ہمارے سوالوں کے مبہم جوابات دیے۔ اس نے کہا کہ اس کا باپ ہندوستانی اور ماں چینی ہے اور اس کا کافی وقت روس میں گزرا ہے۔ وہ مشہد اور تہران جا رہا تھا اور پھر وہاں سے کام کی تلاش میں روس جانا چاہتا تھا۔ چار دن کے سفر کے بعد ہم نے افغان سرحد کو عبور کیا۔ راجہ مہندر پرتاپ نے ہمیں ہمارے فرضی ناموں کے پاسپورٹ مہیا کر دیے تھے (فرضی نام ہیں محمد حسن اور محمد یونس) جن میں حاجی عبدالرزاق کو ہمارا ضامن دکھایا گیا تھا۔

جان محمد عرف چیت سنگھ کے پاس کوئی پاسپورٹ نہ تھا۔ ہم نے دو دن سفر کیا تھا اور رات کو محمود آباد کے قریب ایک بستی میں قیام کیا تھا۔ جب ہم کو ایرانی سپاہیوں کے ایک جتھ نے گرفتار کر لیا۔ جو محمود آباد کے حاکم نے روانہ کیا تھا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ یہ اگست ۱۹۱۶ء کے

شروع کی بات ہے۔ اس کے بعد روسی گارڈ نے ہمیں اپنی نگرانی میں لے لیا۔ ہماری اور ہمارے سامان کی تلاش لے کر ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضہ میں لے لیے شجاع اللہ کے قبضہ سے کاغذ کا ایک صفحہ ملا جس پر قسطنطنیہ کے افسروں کے نام تحریر تھے اور کچھ دوسری یادداشتیں تھیں جو کاظم بے نے تحریر کرائی تھیں تاکہ بوقت ضرورت ہم امداد حاصل کر سکیں۔

ہمیں تربت لے جایا گیا جہاں کہ ہم نے روسی حکام کو ایک عرضداشت دی۔ جس میں ہم نے اپنی نظر بندی پر احتجاج کیا تھا۔ بہرحال ہم کو سیدو لے جا کر برطانوی فوجی حکام کے حوالہ کر دیا گیا۔ سفر کے دوران روسیوں نے مرزا آغا کو ہم سے جدا کر دیا اور روسی قونصل نے اس کو روس بھیج دیا۔

لیفٹنٹ والکاٹ اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری

سیدو سے ہمیں بیر چند بھیجا گیا جہاں ہم دس روز مقیم رہے۔ اس کے بعد ہمیں اور آگے لے جایا گیا اور ڈیڑھ مہینہ سیستان میں رکھا گیا۔ وہاں ہمیں حسن علی اور عبدالعزیز بھی ملے۔ جہاں ہم سب کو ایک کمرہ میں بند کر دیا گیا۔ اسی کمرہ میں حاجی محمد نامی ایک سندھی بھی بند تھا۔ حسن علی اور عبدالعزیز نے بتایا کہ وہ جرمن مشن کے لیفٹنٹ والکاٹ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے سیدو کے قریب افغانستان و ایران کی سرحد کو عبور کیا تھا۔ ان کا تعاقب انگریزی ایرانی لیوئی (نیم فوجی پولیس) نے کیا جن کو ان لوگوں نے عام ایران سمجھا تھا۔ ان سب کو قید کر کے سیدو لایا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ لیفٹنٹ والکاٹ کو ایک الگ کمرہ میں رکھا گیا اور کچھ عرصہ بعد کوئٹہ روانہ کر دیا گیا۔ انہوں نے خود کو جرمن باشندہ بتایا تھا۔

حسن علی نے بتایا کہ وہ اصل میں پارسی ہے اور بمبئی کا رہنے والا ہے اور جنگ شروع ہونے سے قبل کیمسٹری پڑھنے کے لیے برلن گیا تھا۔ اس نے کہا کہ جنگ سے بہت پہلے اس نے جرمن شہریت اختیار کر لی تھی۔ جنگ شروع ہونے پر وہ جرمن فوج میں شامل ہو گیا اور فوجی خدمات انجام دینے پر اس کو فوجی خدمت کا جرمن کراس تمغہ بھی دیا گیا۔ اس کو برلن سے قسطنطنیہ بھیجا گیا۔ جہاں اس نے نام بدل کر اسلامی نام اختیار کر لیا اور مسلمان ہو گیا۔

عبدالعزیز اپنے بارے میں بے حد محتاط تھا۔اس نے صرف اتنا کہا کہ وہ مسلمان ہے اور جرمنی مشرقی ایشیاء میں پیدا ہوا تھا۔

حسن علی اور عبدالعزیز کو کورٹ مارشل کے بعد گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا

جب ہم سیستان میں تھے تو دشمن کی مدد کرنے کے الزام میں ان کو کورٹ مارشل کیا گیا۔ جو کرنل ڈیل، کیپٹن بنیٹ اور ایک افسر پر مشتمل تھا۔جس نے ان کو موت کی سزا دی چند دن بعد ان کو گولیوں سے اُڑا دیا گیا۔

حاجی محمد سندھی نے ہمیں بتایا کہ وہ حج کے لیے پیدل براہ بلوچستان روانہ ہوا تھا۔ سیستان میں اسے جاسوسی کے الزام میں گرفتار کر کے برطانوی قونصل خانہ کی جیل میں ڈال دیا گیا۔ چھ ماہ بعد جیل کی چھت توڑ کر وہ بھاگ نکلا۔اس نے کابل کا راستہ لیا لیکن وہ اپنے بارہ میں افغان حکام کو مطمئن نہ کر سکا اور اسے افغان علاقہ سے نکال دیا گیا۔اس نے مشہد پہنچ کر خود کو برطانوی حکام کے حوالہ کر دیا اور درخواست کی کہ اسے اس کے گھر روانہ کر دیا جائے۔ برطانوی قونصل نے اس کو گرفتار کر کے سیستان بھیج دیا۔جب ہم پہنچے ہیں تب تک وہاں پر قید تھا۔

ڈیڑھ ماہ بعد ہم کو سیستان سے سندک بھیجا گیا۔ جہاں ہم نے رات گزاری عبدالقادر متھر اسنگھ جو پہلے سے گرفتار تھے یہاں ہم سے آن ملے۔اگلے دن ہم پانچوں کو پنجاب روانہ کر دیا گیا۔کوئٹہ پہنچنے پر ہمیں پولیس کے سپرد کیا گیا جس نے ہمیں لاہور پہنچا دیا۔

اثناء سفر متھر اسنگھ نے مجھے بتایا کہ مہندر پرتاپ نے کالا سنگھ کو کچھ پیغامات دے کر ہندوستان بھیجا تھا اور وہ واپس آ گیا ہے۔اس نے نہ تو پیغامات کی نوعیت بتائی نہ یہ بتایا کہ وہ کن لوگوں کو بھیجے گئے تھے۔ جب میں نے تفصیلات پوچھیں تو اس نے کہا کہ چونکہ تم زیر حراست ہو اس لیے تم کو تفصیلات بتانا مناسب نہیں۔

بیان شجاع اللہ پسر شیخ حبیب اللہ

ساکن محلّہ مصدی مل، لاہور شہر، عمر ۲۳ برس

میرا باپ گورنمنٹ سنٹرل پریس شملہ میں فورمین تھا۔ سات برس ہوئے وہ ملازمت سے سبکدوش ہوگیا اور اب لاہور میں رہتا ہے۔ میرے دو بھائی ولی اللہ و عظیم اللہ ہیں۔ شیخ ولی اللہ حکومت ہند کے محکمہ موسمیات میں ملازم ہے۔ شیخ عظیم اللہ لاہور میں پلیڈر ہے۔ میں نے مڈل اسکول امتحان ۱۹۰۹ء میں پاس کیا تھا اور انٹرنس کا امتحان اسلامیہ ہائی سکول لاہور سے ۱۹۱۱ء میں پاس کیا اور انٹرمیڈیٹ کا امتحان (کیمسٹری میں زائد امتحان کے ساتھ) گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۱۳ء میں پاس کیا۔ اس کے بعد اپنے والدین کے دباؤ سے میں لاہور میڈیکل کالج میں داخل ہوگیا۔

ایک دن جب میں خوشی محمد کے ساتھ اس کے مکان میں بیٹھا ہوا تھا تو شیخ عبداللہ متعلم سال چہارم اچانک نمودار ہوا۔ وہ بہت مشتعل تھا اور غصہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ جب میں نے غصہ کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ انگریزی اخبارات اعلانیہ اسلام کی توہین کررہے ہیں اپنے اس بیان کے ثبوت میں اس نے گرافک اخبار کا ایک ورق نکالا جس میں شیخ الاسلام کی تصویر تھی جو ایک مسجد میں مسلم حاضرین کو جہاد کی تلقین کررہے تھے۔ اس تصویر کے اُوپر اہانت آمیز اور گستاخانہ سرخی تھی جو یہ ہے۔ اللہ اکبر قیصر رسول اللہ (نعوذ باللہ) اس کے بعد اس اخبار نے کچھ تبصرے کیے جو اسلام کے لیے سخت اہانت آمیز تھے۔ میرے جذبات بھی بھڑک اُٹھے۔ ترکی کے جنگ میں شامل ہونے کے باعث بالخصوص برطانیہ کے خلاف جنگ میں شامل ہونے کے باعث ہر مسلمان کے جذبات کچھ نہ کچھ مشعل تھے لیکن اہانت کے ذریعہ جو ایک انگریزی اخبار میں کی گئی تھی میرے جذبات اور زیادہ شدید ہوگئے۔

شیخ عبداللہ نے کہا کہ یہ اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے کہ ہم ہندوستان میں رہیں جہاں ہمارے مذہب کا کفار علانیہ مذاق اُڑاتے ہیں ہم نے اس سے پوچھا کہ کیا کوئی ایسا

راستہ وہ بتا سکتا ہے کہ ہم ہندوستان سے حفاظت کے ساتھ ترکی یا افغانستان کو چلے جائیں۔ اس نے کہا کہ وہ ذریعہ ڈھونڈنے کے لیے پوری پوری کوشش کرے گا۔اس کے بعد وہ چلا گیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد خوشی محمد نے کہا کہ شیخ عبداللہ نے اسے مطلع کیا ہے کہ اس نے ہندوستان سے محفوظ طور پر چلے جانے کا ایک راستہ کھوج لیا ہے۔ میں نے خوشی محمد سے پوچھا کہ ہمیں لاہور سے کب روانہ ہونا ہے اس نے کہا کہ ہمیں تاریخ روانگی کی اطلاع دے دی جائے گی۔ دریں اثناء ہم اخراجات سفر کے لیے زیادہ سے زیادہ روپیہ جمع کرنے کی کوشش کریں گے۔شجاع اللہ نے ایک سوال کے جواب میں کہا۔

میرے اندازہ کے مطابق ''اسمس'' میں مجاہدین کی کل تعداد دو ہزار ہے ان میں زیادہ تر بنگالی ہیں ان کے پاس چار پانچ رنبورے ہیں منہ کی طرف سے بھری جانے والی بہت سی بندوقیں ہیں اور کچھ توڑے دار بندوقیں ہیں کبھی کبھی یہ لوگ فوجی ورزش کرتے ہیں ان کا جنگی پرچم سیاہ ریشم کا ہے۔اس کے اُوپر سفید حرفوں میں ایک قرآنی آیت تحریر ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اسلام کے لیے خون بہاتے ہیں اور دشمن کے حملوں کا سامنا آہنی دیوار کی طرح کرتے ہیں۔

اسمس میں مجاہدین کی بستی

امیر ہمیں مفت راشن دیا کرتا تھا۔ میں نے سنا ہے کہ اس کی آمدنی کا خاص حصہ وہ تھا جو اس کو ہندوستان سے ملا کرتا تھا۔ میں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کبھی نہیں کی کہ یہ روپے دینے والے خاص آدمی کون تھے لیکن مجاہدین نے بتایا تھا کہ ان کی پارٹی کے کچھ آدمی وقتاً فوقتاً ہندوستان بھیجے جاتے تھے تاکہ شمالی مغربی سرحدی صوبہ پنجاب اور بنگال میں جمع شدہ روپیہ اپنے ہمدردوں سے لے آئیں۔ مجھے خیال آتا ہے کہ ایک شخص نے کہا تھا کہ امیر کے آباؤ اجداد پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ پٹنہ ان مقامات میں سے ایک ہے جہاں سے روپیہ آیا کرتا تھا۔

ایک دن جب میں اپنے اوورکوٹ کے لیے ارگ بازار کے ایک دکاندار سے کپڑا خرید

رہا تھا۔ تو میں نے مولوی عبدالرحیم کو ایک اسلحہ فروش کی دکان کے قریب کھڑا دیکھا۔ میں نے اس سے پوچھا کیا کر رہا ہے۔ اس وقت وہ ایک رائفل کا معائنہ کر رہا تھا۔ اس نے کہا وہ رائفلیں اور کارتوس خریدنے کے لیے وہاں آیا ہے۔

وہ ذریعہ جس سے مولوی عبدالرحیم سرحد پار کر کے لوگوں کو ہتھیار مہیا کرتا ہے

میں نے اس سے نہیں پوچھا کہ وہ خریداری کس واسطے کر رہا ہے۔ کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ وہ یہ خریداری مجاہدین کے لیے کر رہا ہوگا۔ کابل میں کئی دکانیں ہیں جن پر اسلحہ فروخت ہوتا ہے۔ ان میں ایک دکان حکومت کابل کی بھی ہے۔ وہ اس آخرالذکر دکان سے ہتھیار خرید رہا تھا جو بہت بڑی دکان ہے۔ یہ دکانیں افغان گورنمنٹ کی کسی پابندی کے بغیر ہتھیار فروخت کرتی ہیں اور کوئی بھی شخص کتنی بھی مقدار میں ہتھیار خرید سکتا ہے۔ ان دکانوں میں تلواریں، رائفلیں اور پستول وغیرہ ہر ساخت کے ملتے ہیں یعنی ایسے اسلحہ جو تیراہ میں اور افغان علاقہ میں امیر کے اسلحہ بنانے کے کارخانے میں بنے ہیں اور وہ جو یورپ سے براہِ مشہد درآمد کیے جاتے ہیں۔

مولوی عبدالرحیم کا کابل کے خوشحال افغانوں سے تعلق تھا اس کو ان کے پاس سے جو روپیہ ملتا تھا اور سردار نصراللہ خاں مجاہدین کے لیے جو روپیہ دیتے تھے میرا خیال ہے کہ اس روپیہ کو وہ مجاہدین کے لیے ہتھیاروں اور گولی بارود کی خریداری پر صرف کرتے تھے۔

شجاع اللہ کا جرمن مشن سے رابطہ

ایک دن میں اکیلا باغ بابر کو گیا میں نے راجہ مہندر پرتاپ سے ملاقات کی راجہ نے پہلے کبھی مجھے نہیں دیکھا تھا۔ لہٰذا وہ بڑی سردمہری سے پیش آیا۔ اس وقت اس کے پاس دو تین جرمن افسر تھے۔ ان میں دو کے نام وان ہنٹنگ اور دیگز مجھے بعد میں معلوم ہوئے وان ہنٹنگ جرمن توپخانہ میں لیفٹننٹ تھا اور جرمنی کے وزیر انصاف کا لڑکا تھا اور دیگز جرمن لاسکی کور کا کیپٹن

تھا اور برلن کے ایک بیرن (نواب) کا لڑکا تھا۔ وان ہنیٹنگ نے مجھ سے اچھی طرح گفتگو کی اور کہا کہ وقتاً فوقتاً اس سے ملاقاتیں کرتا رہوں۔ پندرہ دن بعد میں نے خفیہ طور سے وان ہنیٹنگ سے ملاقات کی اور اپنے ساتھیوں کو اس کے بارہ میں کچھ نہیں بتایا۔ اس نے ایران میں جن خطرات کا مقابلہ کیا تھا ان کی بڑی دلچسپ داستان مجھے سنائی اور کہا کہ اسے ہر دم گرفتاری کا خوف لگا رہتا تھا۔ اس نے کہا کہ اس نے برلن میں ایک ہندوستان دوست سے سنا تھا کہ اب جب کہ ترکی جنگ میں شامل ہو گیا ہے اور شیخ الاسلام نے اعلان جہاد کر دیا ہے تو بالکل فطری بات ہے کہ افغان عوام بھی برطانیہ کے خلاف جہاد کرنے کے خواہش مند ہوں گے۔ اس نے مزید کہا کہ اس نے اپنی حکومت کو تجویز پیش کی کہ اگر برلن میں مقیم ہندوستانیوں پر مشتمل ایک مشن اس کی قیادت میں افغانستان کو روانہ کر دیا جائے تو یہ سرحد ہندوستان میں کافی برطانوی فوج کو اُلجھالے گا اور مصر و عراق میں برطانوی افواج کا دباؤ کم کر دے گا۔

وان ہنیٹنگ نے مزید کہا کہ اس کی حکومت نے یہ تجویز منظور کر لی چنانچہ راجہ مہندر پرتاپ مولوی برکت اللہ کیپٹن دیگز لواری وغیرہ کے ساتھ وہ برلن سے روانہ ہو کر قسطنطنیہ پہنچا۔ آخر الذکر مقام پر انہوں نے انور پاشا سے ملاقات کی اور کاظم بے کو حکومت ترکی کے نمائندے کی حیثیت سے مشن کے ساتھ جانے کے لیے نامزد کر دیا اس نے مزید کہا کہ اس نے شیخ الاسلام کے فتویٰ جہاد کی کچھ مطبوعہ نقول حاصل کی ہیں تا کہ انہیں ایران و افغانستان میں تقسیم کر سکے۔

وہاں پر چند دن کے قیام کے بعد مشن براہ حلب بغداد پہنچا۔ بغداد میں انہوں نے چند دن قیام کیا اور کچھ ایران و عرب اسکاؤٹوں کو بھیجا تا کہ وہ یہ دیکھ سکیں کہ مشن افغانستان کو حفاظت کے ساتھ پہنچ سکتا ہے یا نہیں۔ اسکاؤٹوں کی طرف سے اطمینان بخش اطلاع ملنے کے بعد اس نے بغداد میں کچھ اُونٹ خریدے اور اپنا سامان ان پر لادا اور آگے کو روانہ ہو گیا۔ اس طرح ہم بخریت اصفہان تک پہنچ گئے۔ اس کے آگے ہم لوگ ریگستان سے گزرے اور سخت مشکلات برداشت کر کے ہم ''قم'' پہنچے جہاں کہ ہم نے حکومت ایران کے خفیہ مدرسہ میں ایک ماہ تک قیام کیا۔

دریں اثنا روسیوں کو مشن کی آمد کا علم ہو گیا اور انہوں نے سواروں کا ایک دستہ اراکین

مشن کو گرفتار کرنے کے لیے بھیج دیا کسی طرح مشن کو علم ہو گیا کہ سواروں کا یہ دستہ ''کین'' سے تیس میل کے فاصلہ پر ہے اس پر وان ہنٹینگ نے ایک دوسرے راستہ سے افغانستان کو سامان روانہ کر دیا۔ جس میں قیصر جرمنی و سلطان ترکی کے وہ قیمتی تحائف بھی شامل تھے جو انہوں نے ہز مجسٹی امیر افغانستان کے لیے بھیجے تھے اور مشن کے ممبران ریگستان کے راستہ سے روانہ ہوئے۔ اس طرح وہ روسیوں کے پنجہ سے بچ گئے اور تین دن تک بے آب و گیاہ ریگستان میں سفر کرنے کے بعد افغانستان پہنچ گئے۔ مگر روسیوں نے اس کاروان پر قبضہ کر لیا۔ جس میں سارا قیمتی سامان تھا۔

افغان سرحد کے گورنر نے ان کا بڑے احترام سے استقبال کیا اور ان کی آمد کی اطلاع فوراً ہرات کو روانہ کر دی۔ گورنر ہرات نے مشن کو ہرات پہنچانے کا حکم دیا۔ وال ہنٹینگ نے کہا کہ ہرات میں گورنر نے ان کو شاندار طریقہ پر ٹھہرایا اور گورنر نے ایک آدمی کو امیر کابل کے پاس بھیج کر مشن کے بارے میں ہدایات دینے کی درخواست کی۔ امیر کی ہدایت کے تحت مشن کابل پہنچ گیا۔

یہ سن کر میں نے وان ہنٹینگ سے کہا کہ وہ مجھے جرمن زبان کے سبق سکھائے کیونکہ مجھے غیر ملکی زبانیں سیکھنے سے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے۔ اس نے مجھ کو جرمن زبان سکھانے کا وعدہ کر لیا اور میں جرمن زبان کے سبق لینے کے لیے اکثر اس کے پاس جاتا رہتا تھا۔ اب میں جرمن زبان روانی سے بول سکتا ہوں۔

مشن کے بارے میں پبلک کے عام تاثر

افغانستان میں جرمن مشن کی موجودگی سے افغانستان کا خوابیدہ جذبہ جہاد جاگ اُٹھا اور ہر شخص جہاد میں جان قربان کرنے کے لیے بے چین نظر آنے لگا۔

ایک مرتبہ اس موضوع پر ایک افغان کرنل عباس محمد خاں سے میری اتفاقاً بات چیت ہوئی۔ اس نے کہا کہ صرف امیر اسلام سے غداری کر رہا ہے ورنہ افغان شمشیر جہاد کو بے نیام کرنے پر آمادہ ہیں۔ جوان پر فرض ہے کیونکہ سلطان نے اس کا حکم دے دیا ہے۔

ایک اور موقع پر میری شاہ غازی نظامی وزیر جنگ سے ملاقات ہوئی اس نے بھی اس موضوع پر اپنے جذبات ظاہر کیے اور جہاد کی حمایت کی۔ اس نے کہا کہ اگر افغانستان نے ایک دفعہ ہتھیار اُٹھا لیے تو جنگ جو سورماؤں کے متحرک گروہوں کو روکنا ناممکن ہو جائے گا۔ اس نے مزید کہا کہ وہ نہیں سمجھتا کہ اعلیٰ حضرت امیر کیوں خاموش بیٹھے ہیں جب کہ ہر شخص فوج کی حمایت کرنے کو تیار ہے۔ اس نے جرمن مشن سے اظہار ہمدردی کیا اور کہا کہ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ امیر نے مشن کی گزارشات کو بہرے کانوں سے سنا۔ شاہ غازی نظام نے کہا کہ اگر سردار نصر اللہ خان حکمران ہوتے تو وہ یقیناً اعلان جہاد کر دیتے۔

ان دنوں راجہ مہندر پرتاپ نے اپنے کارناموں کی پوری تفصیل سراج الاخبار کے شمارہ فروری یا مارچ ۱۹۱۶ء میں طبع کرائی اس کا ایک مختصر خلاصہ جو اس اخبار میں شائع ہوا۔ درج ذیل ہے:

راجہ مہندر جنگ شروع ہوتے ہی ہندوستان سے یورپ کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ جب وہ سوئز لینڈ میں تھے تو ان کا رابطہ ہندوستانی قوم پرستوں کی سوسائٹی سے قائم ہوا۔ سوئز لینڈ سے وہ جرمنی پہنچے اور برلن کی انڈیا سوسائٹی کے ممبروں سے ملاقاتیں کیں چونکہ راجہ صاحب ہندوستان کے ایک پرانے حکمراں خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس لیے ان کا وہاں ان کے ہم وطنوں نے بڑا پرخلوص استقبال کیا۔

ہردیال کی مدد سے ان کا تعارف جرمن چانسلر وان بیتھمان ہولویگ سے ہوا جس نے راجہ صاحب کی خاندانی شرافت و نجابت کے متعلق مکمل تحقیقات کر کے ان کو قیصر کے حضور میں پیش کیا۔ قیصر نے راجہ صاحب کو ایک شاندار ڈنر دیا اور راجہ صاحب کو ''ائرن کبراس'' پیش کر کے اپنی خوشنودی اور پسندیدگی کا اظہار کیا۔ بعد میں قیصر نے اس سے تنہائی میں گفتگو اور مشورہ کیا اور پوچھا کہ ہندوستانی والیان ریاست کا رویہ برطانیہ کی غلامی کے جوئے سے ہندوستان کو آزاد کرانے کے بارہ میں کیا ہے۔ قیصر نے راجہ صاحب کو والیانِ ریاست کے نام سے بہت سے خطوط دیے جس میں ان کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ متحد ہوں اور برطانوی حکومت کا تختہ اُلٹ دیں۔

راجہ مہندر پرتاپ نے اس اعتماد کا اظہار کیا کہ وہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کو ختم کرنے کی جدوجہد میں والیانِ ریاست کی مدد حاصل کرنے میں کامیاب ہوگا۔

جرمن گورنمنٹ نے راجہ مہندر پرتاپ کی قیادت میں ایک وفد کو ترتیب دیا اس مشن کا مقصد امیر کابل سے راجہ صاحب کو مدد دلانا تھا تاکہ وہ ہندوستان کو آزاد کرا سکے۔

وفد کا وہ حصہ جو جرمن افسروں پر مشتمل تھا ترکی گیا اور انور پاشا اور سلطان ترکی سے ملا۔ شیخ الاسلام کے فتویٰ جہاد کی کاپیاں حاصل کیں۔ حکومت ترک نے بوز باشی بے کو اس وفد میں اپنا نمائندہ مقرر کیا۔

چونکہ میں وان ہنٹنگ کے پاس جرمن زبان پڑھنے جایا کرتا تھا اس لیے مجھے معلوم ہوا کہ مشن کے مندرجہ ذیل ممبران ہیں۔

(۱) راجہ مہندر پرتاپ افغانستان میں پھیلی ہوئی افواہوں کے مطابق وہ مشن کے سربراہ تھے۔

(۲) وان ہنٹنگ پسر وزیر انصاف جرمنی و کپتان توپ خانہ۔

(۳) دیگز: برلن کے ایک بیرن کالڑ کا اور جرمن لاسلکی کور کا ایک کپتان۔

(۴) لواری: وان ہنٹینگ کا سیکرٹری۔

(۵) دوکاٹ (فوخت) وان ہنٹنگ کا سیکرٹری۔

(۶) سینڈریری ار (میسر) ایک کپتان۔

(۷) بوز باشی (کیپٹن) کاظم بے جو انور پاشا کے اسٹاف میں شامل تھا۔

(۸) مولوی برکت اللہ (بھوپالی) آف جاپان۔

برطانوی فوج کے بہت سے بھگوڑے آفریدی سپاہی تھے۔ جو مشن کے ہمراہ برلن سے افغانستان تک آئے تھے۔

مولوی عبدالرحیم کا دوسرا سفر کابل

میں نے اپنے ساتھیوں سے سنا کہ وہ یاغستان کے تمام بڑے خوانین کو متحد کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے اور ان سے وعدہ حاصل کرلیا ہے کہ وہ حکومت برطانیہ کے خلاف جہاد کے لیے ہتھیار اُٹھائیں گے۔

مجھے معلوم ہوا کہ مولوی عبدالرحیم کے پاس ایسی دستاویزات بھی تھیں جن میں خوانین نے اعلیٰ حضرت امیر کابل سے یہ کہتے ہوئے اعلان وفاداری کیا تھا کہ امیر افغانستان نے شمشیر جہاد کو بے نیام کیا تو وہ ہتھیار اُٹھائیں گے۔ میں نے سنا کہ اس نے یہ دستاویزات سردار نصراللہ خاں کے حوالہ کردی تھیں۔

اس کے قیام کے دوران مجھے ایک بار اس کے گھر جانے کا اتفاق ہوا وہاں میں نے ساٹھ ستر بالکل نئی مارٹینی بہترین رائفلوں کا ڈھیر کارتوس اور گولیوں کا انبار ایک کونہ میں دیکھا۔ میں نے ان کے بارہ میں اس سے کچھ نہیں پوچھا۔ کیونکہ میں نے سمجھ لیا کہ یہ سب مجاہدین کے واسطے ہیں۔ میں نے مزید تفصیلات اس کے دورہ کابل کے بارہ میں نہیں سنیں۔ جلد ہی مولوی عبدالرحیم یاغستان کو روانہ ہوگیا۔ کالاسنگھ کے ساتھ ڈاکٹر صدرالدین کو کابل میں ہی چھوڑ گیا۔

کالاسنگھ، ڈاکٹر متھراسنگھ اور رنام سنگھ کے ساتھ ٹھہرا اور ڈاکٹر صدرالدین ہمارے پاس مقیم ہوئے۔ کالاسنگھ نے ایک دن مجھے بتایا کہ کچھ دن قبل وہ مردان گیا تھا۔ جہاں اس نے سکھوں کو اُکسانے کی کوشش کی تھی ڈاکٹر صدرالدین کابل میں پندرہ دن قیام کرنے کے بعد یاغستان چلا گیا۔ ڈاکٹر صدرالدین نے اپنی سرگرمیوں کے بارہ میں مجھے کبھی کچھ نہیں بتایا لیکن میرا خیال ہے کہ وہ مجاہدین میں ڈاکٹر کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔

دوسرے مشن کی تیاری

مئی ۱۹۱۶ء میں اچانک ایک دن مولوی عبیداللہ نے مجھے سرائے زرنجن میں اپنے گھر بلایا اور مجھے مبارک باد دی کہ ہمارے لیے اس کی کوششیں کامیاب رہی ہیں۔ اس کے بعد اس نے

بتایا کہ اس نے مجھے ترکی بھیجنے کی تیاری کر لی ہے تا کہ ترکی اور افغانستان میں دوستانہ تعلقات قائم ہوں۔ اس نے کہا کہ اگر کسی بھی وقت نائب السلطنت اس بارہ میں تم سے سوالات کریں تو موافق انداز میں جواب دینا۔ اس نے راجہ مہندر پرتاپ سے کہا ہے کہ نائب السلطنت کی موجودگی میں اس تجویز کی تائید کرے۔

چار پانچ دن بعد مولوی عبیداللہ مجھے اور عبدالباری کو ایک عمارت ''زین الامارہ'' میں لے گئے جو نائب السلطنت کی رہائش گاہ تھی تقریباً دو گھنٹہ کے انتظار کے بعد راجہ مہندر پرتاپ اور نائب السلطنت ''زین الامارہ'' میں آئے۔ ہمیں نائب السلطنت کے سامنے ان کے دفتر میں پیش کیا گیا۔

نائب السلطنت نے کہا کہ ہمیں مقدس قومی مشن پر ترکی روانہ کیا جا رہا ہے جس سے ترکی افغانستان میں میثاق کا انعقاد ہو اس نے ہمیں ہدایت کی کہ انور پاشا اور دوسرے اعلیٰ ترک افسروں سے ملاقات کریں اور ان پر واضح کریں کہ اسلامی نقطہ نظر سے ان کا افغانستان سے رابطہ بے حد ضروری ہے اور مسلم حکمرانوں میں پختہ اتحاد کی بنیاد رکھنے کے لیے اتحاد اسلامی (پان اسلامزم) انتہائی درجہ میں لازمی ہے۔ نائب السلطنت نے ہم سے خواہش کی کہ دونوں مسلم حکمرانوں میں بتفصیل ذیل باقاعدہ مواصلات و روابط قائم کیے جائیں۔

(۱) تجارتی کاروانوں کا سلسلہ قائم کیا جائے۔

(۲) ناواقف افغانوں کو سائنس اور صنعتوں کے قیام میں مدد دی جائے۔

(۳) حکومت ترکی، نوجوان افغانوں کو ترکی یونیورسٹی کے مختلف علوم وفنون کی تعلیم کی خصوصی سہولتیں دے۔

(۴) افغانستان معدنیات کے کام میں بہت پیچھے ہے۔ اس لیے حکومت ترکی اپنے ڈاکٹروں اور ماہر معدنیات کو افغانستان میں روانہ کرے۔

سردار نصراللہ خاں نے کہا کہ اس طرح افغانستان کی ساری معدنی دولت باہر نکال لی جائے گی۔ اس کے بعد سردار نے ہمیں دعائیں دیں اور اس مقدس مذہبی فریضہ میں ہماری کامیابی کی خواہش کا اظہار کیا پھر وہ اُٹھ کر چلے گئے۔

واپسی پر ہم نے اظہار حیرت کیا کہ مولوی عبید اللہ نے نائب السلطنت کو کس ہوشیاری کے ساتھ بے وقوف اور احمق بنایا۔ بہر حال ہمیں بہت تسکین ہوئی اور ہم نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔

میرے اندازہ کے مطابق افغانستان میں دو تین سو آسٹرین ہیں۔ ان میں پچیس اعلیٰ افسران ہیں۔ بہت سے آسٹرین باشندوں نے اسلام قبول کر کے افغان عورتوں سے شادیاں کر لی ہیں۔ اعلیٰ حضرت امیر افغانستان نے اس اندیشہ سے کہ وہ غداری نہ کریں ان سے تحریری حلف نامے لے لیے ہیں کہ وہ جنگ کے بعد بھی افغانستان سے نہیں جائیں گے۔ چنانچہ ان کو افغان فوج میں ذمہ دارانہ عہدے دیے گئے اور انہیں سارے افغانستان میں منتشر کر دیا گیا۔ ان آسٹرین باشندوں نے حکومت افغانستان کے مختلف محکموں میں بڑی اصلاحات کی ہیں۔

مولانا عبیداللہ کا خط شیخ عبدالرحیم کے نام

مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء شیخ عبدالرحیم صاحب

۹ رمضان، یوم دوشنبہ

(کابل)

سلام مسنون

آپ ضرور یہ امانت مدینہ طیبہ میں حضرت مولانا کی خدمت میں کسی معتمد حاجی کی معرفت پہنچادیں۔ یہ ایسا کام ہے کہ اس کے لیے مستقل سفر کرنا نقصان نہیں۔ اگر آدمی معتمد ہو تو زبانی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ حضرت مولانا یہاں آنے کی بالکل کوشش نہ کریں اور مولوی منصور اگر اس حج پر نہ آسکیں تو خیال فرمالیں کہ اس کا آنا ممکن نہیں۔

آپ اس کے بعد خود میرے پاس آنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ یہاں بہت سے ضروری کام ہیں۔ ضرور آیئے۔

اگر خدانخواستہ آپ کو معتمد حاجی نہ مل سکے اور آپ خود بھی نہ جاسکیں تو مولوی حمداللہ ساکن پانی پت سے اس معاملہ میں مدد لیں۔ یہ ضروری ہے کہ اس حج کے موقعہ پر یہ اطلاعات حضرت مولانا کے پاس پہنچ جائیں اور وہاں سے جو اطلاع ملے وہ براہِ راست نہ ہو سکے تو مولوی احمد لاہوری کی معرفت ضرور ہمیں ملنی چاہیے۔

عبیداللہ عفی عنہ

ضمیمہ A

بغیر دستخط کا خط مورخہ ۹ جولائی

از کابل

۸ رمضان المبارک

روز ابتداء

وسیلۃ یومی وغدی حضرت مولانا صاحب مدظلہم العالی

آداب و نیاز مسنونہ

جدہ کے بعد کا حال یہ ہے۔ بمبئی آرام و بے خطر پہنچے۔ بندر پر اسباب کی تلاشی میں خدام سے دانستہ اغماض برتا گیا۔ فللہ الحمد۔ مولانا مرتضیٰ صاحب کام کو ناممکن خیال کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو کام میں نہیں لیا گیا۔ مولوی ظہور صاحب بمبئی استقبال کو پہنچے تھے اور محمد حسین راندیر سے، راندیر میں تحریک چندہ صرف سیّد صاحب کے خلاف سے ناکام رہی۔ راندیر خطیب مکرر جانے والے تھے نہ معلوم کیا ہوا۔ قاضی صاحب نے بعد ملاحظہ والا نامہ سرپرستی قبول فرمائی۔ جماعت پر اعتماد بحال رکھ کر کام کرنے کی اجازت دی۔ اس کام کو باضابطہ کرنے کے لیے ایک سالہ رخصت لینے کا قصد فرما رہے ہیں۔ جماعت کے ہر سہ ممبر سرفروشی کر رہے ہیں مطلوب الگ ہو گیا۔ سیّد نور ست مولانا رائے والے متفق و معاون ہیں حکیم صاحب پچاس روپے ماہوار مکان پر جا کر خود دیتے رہتے ہیں اور درمیان میں بھی ایک دو بار جاتے رہتے ہیں اور گاہ بگاہ ڈاکٹر صاحب بھی۔ حنیف کو جماعت دس روپیہ جیب خرچ دیتی ہے۔ وہ مکان پر ہی ہیں۔ مدرسہ نے ان سے کوئی ہمدردی نہیں کی۔ مالکان مدرسہ سرکار کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں نمائش کے دربار میں شرکت کا فخر بھی نصیب ہونے لگا۔[۲۵۳]

امیر شاہ مولانا عبدالرحیم صاحب کے دستی کام کے لیے پڑا ہے۔ مولانا مدرسہ سے مرعوب ہیں مگر خدام کی صفائی فرماتے رہتے ہیں۔ مولوی رام پوری نے بھی تائید سے کنارہ

کیا۔ مسعود بھی شکار ہو گیا۔

بندہ حسرت اور آزاد سے ملا۔ دونوں بیکار ہو چکے ہیں کیونکہ بندہ کا لوٹنا حضور تک ممکن نہ تھا اس لیے آگے بڑھا۔

غالب نامہ احباب ہند کو دکھا کر حضرت یاغستان کے پاس لایا۔ حاجی بھی اب مہمند ہیں۔ مہاجرین نے مہمند باجوڑ سوات بنیر وغیرہ علاقوں میں آگ لگا رکھی ہے۔ ان علاقوں میں غالب نامہ کی اشاعت کا خاص اثر ہوا اس لیے ضروری ہے کہ حسب وعدہ غالب مصالحت کے وقت یاغستان کی خدمت کا خیال رکھا جائے۔ ضعف جماعت ہند سے مہاجرین کو کافی امداد نہیں پہنچ سکی۔ بندہ یاغستان ایک ماہ قیام کر کے وفد مہاجرین کے ساتھ کابل پہنچا۔ مولانا سیف جماعت سے الگ ہو کر یہاں مقیم ہیں ان کے لیے دولت کی طرف سے کام کی تجویز ہو رہی ہے اعضائے وفد فضلین اور عبدالعزیز ہیں۔ مولانا الناظم کی توجہات و حاجی عبدالرزاق صاحب کی عنایات سے وفد کو دربار نصر اللہ میں رسائی کی ابتدائی کامیابی بھی ہوئی۔ بندہ ان سے الگ باریاب ہوا۔ حضور کے زیر اثر کام اور اس کے اصول کی تفصیل کی گئی۔ خاص قبولیت ہوئی الحمد اللہ اور انشاء اللہ اس ذیل میں حاضر خدمت ہوں گا۔

یہاں کا حال یہ ہے کہ یہاں فتاویٰ وسفرائے ترک و جرمن پہنچے ان کا اعزاز پورا ہوا لیکن مقصد میں ناکام رہے۔ وجہ یہ ہے کہ ترکی کا فرض تھا کہ ایام ناطر فداری میں ایران وافغانستان سے ان کی ضروریات معلوم کرتا۔ اس کے پورا کرنے کی سبیل کرتا اور حسب احوال معاہدہ دوستی کرتا۔ افغانستان نہ بڑی جنگ میں شرکت کا سامان رکھتا ہے اور نہ کوئی بڑی دولت اس کے نقصانات کی تلافی کی ذمہ دار ہے۔ اس لیے شریک حرب نہیں ہو سکتا۔ اگر ضروری افسران انجینئران اسلحہ روپیہ دیا جائے اور بصورت غلبہ کفر عصمت و اعانت کا عہد نامہ کیا جائے تو شرکت کے لیے تیار ہیں۔ باایں ہمہ سردار نائب السلطنت عام سرحدی وزیری، آفریدی، مہمند، باجوڑ، سوات، بنیر، چکیسر، غوربند، کرناہ، کوہستان، دیر، چترال وغیرہ میں اپنا اثر منظم کرتے اور ان سے وکلا طلب کر کے عہد شرکت بصورت جنگ لے رہے ہیں۔ یہ کام ایک حد تک ہو چکا ہے۔ سفراء جرمن واپس اور ترک مقیم ہیں مگر بے کار۔ تعجب ہے کہ سفراء خالی ہاتھ آئے حتیٰ کہ

کوئی کافی سند سفارت بھی نہ لائے۔ ایسی صورت میں کیا ہوسکتا ہے مولانا الناظم باعافیت ہیں۔ دولت میں ایک حد تک اعتماد ہوگیا ہے۔ انگریز ان کو یہاں جاسوس ثابت کرنے کی سعی کرتے رہتے ہیں جن کا کچھ نہ کچھ اثر بھی ہوتا ہے۔ مگر الحمدللہ کہ ان کو اب تک پوری کامیابی نہیں ہوئی۔

مہاجرین طلباء انگریزی اور بعض سکھ بھی اب یہاں حاجی عبدالرزاق صاحب کی مدد و نائب کی مہربانی سے آزاد ہیں اور مولانا الناظم کی زیر سرپرستی دیے گئے ہیں۔ مصارف بذمہ دولت ہیں۔ کوئی سرکاری کام ان کے ذمہ نہیں ہے۔ البتہ مولانا کے خاص کاموں میں بہ ایمائے نائب السلطنت دست و بازو ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

ایک جمعیۃ ہندوستان آزاد کرانے والی اس کا صدر ایک ہندی راجہ مقیم کابل ہے جو کہ سلطان المعظم اور قیصر جرمنی کے اعتماد نامہ کے ساتھ یہاں پہنچا ہے ناظم صاحب و مولوی برکت اللہ اس جماعت کے وزراء ہیں۔ اس جماعت نے ہندوستان میں مراکز و دیگر دول سے معاہدات کرنے کے لیے حرکت کی ہے جس میں ابتدائی کامیابی ہوئی ہے۔ اس کام میں عضو متحرک طلباء ہی ہیں۔ ان میں بعض دربار خلافت ہوکر حاضر خدمت ہوں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ

دوسری جماعت الجنود الربانیہ۔ یہ فوجی اصول پر مخصوص اسلامی جماعت ہے جس کا مقصد اولیہ سلاطین اسلام میں اعتماد پیدا کرنا ہے۔ اس کا صدر جس کا نام فوجی قاعدہ سے جنرل یا القائد ہے۔ حضور کو قرار دیا گیا ہے اور مرکز اصلی مدینہ منورہ۔ اس لیے خیال ہے کہ حضور مدینہ منورہ میں رہ کر خلافت علیا سے افغانستان و ایران کے ساتھ معاہدہ کی سعی فرمائیں اور افغانستان کے متعلق، نیز یاغستان کے متعلق تجویز کو خدام تک پہنچا دینا کافی خیال فرمائیں۔

افغانستان شرکت جنگ کے لیے امور مذکورہ بالا کا طالب ہے جسے اولیاء دولت عثمانیہ و خلافت ثانیہ تک پہنچانے کی جلد سے جلد تدبیر کیجیے۔ کیوں کہ ہندوستان میں کفر پر کاری ضرب لگانے کی یہی ایک صورت ہے۔ اہل مدرسہ مولوی محسن سیّد نور کے ذریعہ سے حضور کی ہند میں لانے کی سعی میں ہیں۔ کیونکہ اب یہ معلوم ہوا کہ حجاز میں بھی کام ہوسکتا ہے۔ ادھر انگریزوں میں پہلی سی عزت بوجہ عدم ضرورت اب نہیں رہی۔

قاضی صاحب، حکیم صاحب، ڈاکٹر صاحب، مولانا رائے والے حضور کو مراجعت ہند کے سخت مخالف ہیں۔ خطرہ بہ وجہ قصہ غالب کے علم ہونے کے بذریعہ مطلوب اب پہلے سے بہت بڑھ گیا ہے۔ اس لیے ایسی کسی تحریک کو ہرگز ہرگز منظور نہ فرمایا جائے۔

مبلغ عطاء حضور کے مکان پر اور سیّد نور کو ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے جماعت کے سپرد کر دیا گیا۔ بندہ حصول قدم بوسی کی سعی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ کامیاب ہوں گا۔ الناظم مولانا سیف فضلین وعبدالعزیز و جملہ مہاجرین طلباء سلام عرض کرتے ہیں۔ برادر عزیز واحد مولانا حسین ان کے والد صاحب و برادران وحرمت اللہ واحمد جان صاحبان کی خدمت میں سلام مسنون۔ مدنی خطوط ہند کی ڈاک کے حوالہ کر دیے گئے تھے۔ ڈاکٹر شاہ بخش صاحب کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ وسید ہادی وخدا بخش وحبیب اللہ غازی کو بھی۔

مولوی عبید اللہ کے بلا تاریخ خط کا ترجمہ

الجنود الربانیہ یعنی لشکر نجات

تصویر

مسلم سالویشن آرمی یا مکتی فوج

مقصد، اتحاد دول اسلامی		حلقہ اثر	مناسب دس قسم ہیں		تعداد ماتحتان مشاہرہ		اختیارات خرچ ماہواری
مرزا اصلی صدر	مدینہ طیبہ		(۱) مربی (پیٹرن) (۲) مرد میدان فیلڈ مارشل		تعداد ماتحتان مشاہرہ		
مقام جنرل			(۲) سالار (جنرل) مہتہ جو نائب سالار کسی مرکز		افرکل الربانیہ	۱۰۰ پونڈ	ایک ہزار پونڈ
مرکز ثانوی صدر	قسطنطنیہ	قسطنطنیہ کا = یورپ افریقہ	ثانوی میں ہو اس کو قائم مقام سالار کہیں گے۔		۱۲ ہزار	۵۰ پونڈ ۴۰ پونڈ	۵۰۰ پونڈ ۲۴۰ پونڈ
مقام قائم مقام جنرل	تہران	تہران کا = وسط ایشیا	(۴) قائم مقام سالار و نائب سالار (لیفٹنٹ جنرل)		۳ ہزار	۲۰ پونڈ	۶۰ پونڈ
	کابل	کابل کا = ہندوستان	(۵) معین سالار۔	(میجر جنرل)	ایک ہزار	۱۰ پونڈ	۲۰ پونڈ
مرکز درجہ سوم صدر	جود دول اسلامیہ		(۶) ضابطہ	(کرنل)	۵۰۰	۵ پونڈ	۱۰ پونڈ
مقام لیفٹنٹ جنرل	کفر کے زیر اثر ہوں		(۷) نائب ضابطہ	(لیفٹنٹ کرنل)	۲۵۰	۴ پونڈ	۵ پونڈ
			(۸) در شہر صد باشی	(میجر)	۱۰۰	۳ پونڈ	۲ پونڈ
			(۹) صد باشی	(کپتان)	۵۰	۲ پونڈ	۱ پونڈ
			(۱۰) پنجاہ باشی	(لیفٹنٹ)			

منصب داران جنود ربانیہ

الف-مربی (۱) سالار المعظم خلیفۃ المسلمین۔
(۲) سلطان احمد شاہ قاچار ایران۔
(۳) امیر حبیب اللہ خاں کابل۔

(ب) **مردان** (۱) انور پاشا (۲) ولی عہد دولت عثمانیہ (۳) وزیر اعظم دولت عثمانیہ
(۴) عباس حلمی پاشا (۵) شریف مکہ معظّمہ (۶) نائب السلطنت کابل سردار نصر اللہ خاں
(۷) معین السلطنت کابل سردار عنایت اللہ خاں (۸) نظام حیدر آباد (۹) والی بھوپال
(۱۰) نواب رام پور (۱۱) نظام بہاولپور (۱۲) رئیس المجاہدین۔

(ج) **جنرل یا سالار** (۱) سلطان المعظم حضرت مولانا محدث دیوبندی مدظلہ العالی
(۲) **قائم مقام** سالار کابل مولانا عبید اللہ صاحب۔

(د) **نائب سالار** (یا لیفٹنٹ جنرل) (۱) مولانا محی الدین خاں صاحب
(۲) مولانا عبدالرحیم صاحب (۳) مولانا غلام محمد صاحب بہاولپور
(۴) مولانا تاج محمد صاحب سندھی (۵) مولوی حسین احمد صاحب مدنی
(۶) مولوی حمد اللہ صاحب حاجی صاحب ترنگ زئی (۷) ڈاکٹر انصاری
(۸) حکیم عبدالرزاق صاحب (۹) ملا صاحب بابرا (۱۰) کوہستانی (۱۱) جان صاحب باجوڑ
(۱۲) مولوی ابراہیم صاحب کالوی (۱۳) مولوی محمد میاں (۱۴) حاجی سعید احمد انبیٹھوی
(۱۵) شیخ عبدالعزیز شادیش (۱۶) مولوی عبدالکریم صاحب رئیس المجاہدین
(۱۷) مولوی عبدالعزیز رحیم آبادی (۱۸) مولوی عبدالرحیم عظیم آبادی
(۱۹) مولوی عبداللہ غازی پوری (۲۰) نواب ضمیر الدین احمد (۲۱) مولوی عبدالباری صاحب
(۲۲) ابوالکلام (۲۳) محمد علی (۲۴) شوکت علی (۲۵) ظفر علی (۲۶) حسرت موہانی
(۲۷) مولوی عبدالقادر قصوری (۲۸) مولوی برکت اللہ بھوپالی (۲۹) پیر اسد اللہ شاہ سندھی۔

(ہ) **معین سالار** (میجر جنرل) مولوی سیف الرحمٰن صاحب، مولوی محمد حسن مراد آبادی،

مولوی عبداللہ انصاری۔

میر سراج الدین بہاولپوری، باچا ملا عبدالخالق، مولوی بشیر رئیس المجاہدین، شیخ ابراہیم سندھی، مولوی محمد علی قصوری، سیّد سلیمان ندوی، عمادی غلام حسین، آزاد سبحانی، کاظم بے، خوشی محمد، مولوی ثناءاللہ، مولوی عبدالباری مہاجر وکیل حکومت موقتہ ہند۔

(و) **ضابطہ** (کرنل) شیخ عبدالقادر مہاجر، شجاع اللہ مہاجر نائب وکیل دولت موقتہ ہند، مولوی عبدالعزیز وکیل وفد حزب اللہ یاغستان، مولوی فضل ربی، مولوی عبدالحق لاہوری، میاں فضل اللہ، صدر الدین، مولوی عبداللہ سندھی، مولوی ابو محمد لاہوری، مولوی احمد علی نائب ناظم نظارۃ المعارف، شیخ عبدالرحیم سندھی، مولوی محمد صادق سندھی، مولوی ولی محمد، مولوی عزیز گل، خواجہ عبدالحئی قاضی، قاضی ضیاء الدین ایم اے، مولوی ابراہیم سیالکوٹی، عبدالرشید بی اے، مولوی ظہور محمد، مولوی محمد مبین، مولوی محمد یوسف گنگوہی، مولوی رشید احمد انصاری، مولوی سیّد عبدالسلام فاروقی، حاجی احمد جان سہارنپوری۔

(ز) **نائب ضابطہ** (لیفٹنٹ کرنل) فضل محمود، محمد حسن بی اے مہاجر، شیخ عبداللہ بی اے مہاجر، ظفر حسن بی اے مہاجر، اللہ نواز خاں بی اے مہاجر، رحمت علی بی اے مہاجر، عبدالحمید بی اے مہاجر، حاجی شاہ بخش سندھی، مولوی عبدالقادر دین پوری، مولوی غلام نبی، محمد علی سندھ، حبیب اللہ۔

(ح) **میجر**، شاہ نواز، عبدالرحمٰن، عبدالحق۔

(ط) **کپتان**، محمد سلیم، کریم بخش۔

(ی) **لیفٹنٹ**، نادر شاہ

(نوٹ) ایک اور فہرست میں محمد علی سندھی اور حبیب اللہ کا نام میجر کی فہرست میں درج ہے۔

احوال انجمن دیگر (موسوم) بنام حکومت موقتہ ہند

ایک ہندوستانی رئیس مہندر پرتاپ ساکن بندرابن جسے آریاؤں کی جماعت سے خاص تعلق ہے اور ہندوستانی راجگان سے واسطہ درواسطہ ملتا ہے۔ گزشتہ سال جرمنی پہنچا۔ قیصر سے ہندوستان کے مسئلہ میں ایک تصفیہ کر کے اس کا ایک خط بنام رؤساء ہند وامیر کابل لایا۔

حضرت خلیفۃ المسلمین نے بھی قیصر کی طرح اسے اپنا وکیل ہند بنایا اس کے ساتھ مولوی برکت اللہ بھوپالی جو جاپان وامریکہ میں رہ چکے ہیں برلن سے ہمراہ ہوئے۔

قیصر کے ایک قائم مقام اور سلطان المعظم کے ایک افسر اس کے ساتھ کابل آئے یہ لوگ میرے کابل پہنچنے سے دس روز قبل پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے ہندوؤں کے فوائد کی تائید میں ہندوستانی مسئلہ امیر صاحب کے سامنے پیش کیا اور کابل میں دونوں نے ایک انجمن کی بنام مذکورہ بالا بنیاد ڈالی۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ ہندوستان کے معاملات مستقبل میں دول عظمیٰ سے معاہدات کرے۔

ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ انہوں نے مجھ سے اس انجمن میں شامل ہونے کی درخواست کی۔ میں نے اسلامی مفادات کی حفاظت کی نظر سے قبول کیا۔

(۱) چند روز کے مباحثات کے بعد اس انجمن نے قبول کر لیا کہ افغانستان اگر جنگ میں شرکت کرتا ہے تو ہم اس کے شاہزادہ کو ہندوستان کا مستقل بادشاہ ماننے کو تیار ہیں اور اس قسم کی درخواست امیر صاحب کے یہاں پیش کر دی لیکن چونکہ امیر صاحب ابھی شرکت جنگ کے لیے تیار نہیں اس لیے معاملہ ملتوی کر رکھا ہے۔

(۲) اس حکومت کی طرف سے روس میں سفارت گئی جس میں ایک ہندو اور ایک مہاجر طالب علم تھا جو افغانستان کے لیے مفید اثرات لے کر واپس آئے۔ اب روس کا سفیر کابل آنے والا ہے۔

روس کی انگریزوں سے برہمی میں جس کے فیصلہ کے لیے کچھ جاتا ہوا غرقاب ہوا۔ ممکن

ہے کہ سفارت مذکورہ کا اثر بھی شامل ہو۔

(۳) ایک سفارت براہ ایران قسطنطنیہ اور برلن گئی ہے۔ اس میں دونوں ہمارے مہاجر طالب علم ہیں۔ اُمید ہے کہ حضور میں حاضر ہوکر موردِ عنایت ہوں گے۔

(۴) اب ایک سفارت جاپان اور چین کو جانے والی ہے۔

(۵) ہندوستان میں پہلی سفارت بھیجی گئی وہ زیادہ کامیاب نہیں ہوئی۔

(۶) اب دوسری سفارت جارہی ہے۔

(۷) تھوڑے دن میں ایک دوسری سفارت برلن جانے والی ہے۔

جرمن سفارت سے میرے ذاتی تعلقات بہت اعلیٰ درجہ پر ہیں جس میں اسلامی فوائد میں پوری مدد ملے گی۔

اس حکومت موقتہ میں راجہ پرتاپ صدر ہیں۔ مولوی برکت اللہ بھوپال وزیراعظم اور احقر وزیر ہند۔

فقط والسلام

عبیداللہ

ضمیمہ بی

شمالی، مغربی، سرحدی صوبہ میں خفیہ سرگرمیوں کا خلاصہ

مورخہ ۳ جون ۱۹۱۶ء سے اقتباس

مہندر پرتاپ آف مرسان علی گڑھ صوبہ جات متحدہ:

۵۸۱- سی آئی ڈی شمالی مغربی سرحدی صوبہ کابل کے سراج الاخبار مورخہ ۴ مئی ۱۹۱۶ء سے یہ اقتباس کیا گیا ہے۔

ذیل میں ہم ایک خط شائع کر رہے ہیں جو ہمیں سراج الاخبار افغانیہ میں شریک اشاعت کرنے کے لیے کنور صاحب مرسان یعنی راجہ صاحب ہاتھرس سے وصول ہوا ہے جو آج کل افغانستان کی مقدس بادشاہت کے مہمان ہیں۔

ایک بہت اہم مراسلہ:

محل باغ بابر شاہ کابل

مورخہ ۱۵/ ۱۹۱۶ء

دوست عزیزم، مدیر سراج الاخبار

میں تکلیف دہی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا ہوں کہ مجھے بعض ہندوستانی اخبارات میں خواہ مخواہ بدنام کیا گیا ہے۔ میں آپ کے (اخبار) کے ذریعہ اس غلط بیانی کی تردید کرنی چاہتا ہوں۔

ان اخبارات نے یہ الزام لگایا ہے کہ میں نے خود کو ایک بڑا مہاراجہ ظاہر کیا اور اعلیٰ

حضرت قیصر جرمنی کے عملہ میں شامل ہو گیا۔ میرے خلاف یہ جھوٹی الزام تراشی ہے۔ میں نے خود کو کبھی مہاراجہ بلکہ راجہ بھی نہیں کہا۔ نہ میں کسی کے عملہ میں شامل ہوا نہ میں نے کسی کی ملازمت اختیار کی۔

یہ صحیح ہے کہ جنگ چھڑنے پر میں جرمنی گیا تھا تاکہ وہاں کی صورت حال کا مشاہدہ کر سکوں۔ حکومت جرمنی نے مجھ پر عنایت کی اور مجھے اگلی خندقوں سے اور ہوائی جہاز سے جنگ کا مشاہدہ کرنے کا موقعہ دیا۔ مزید برآں ملک معظم قیصر جرمنی نے خود مجھے باریابی کا موقعہ دیا۔

اس کے بعد سلطنت جرمنی سے ہندوستان اور ایشیا کا مسئلے طے کرنے کے بعد اور ضروری تعارف نامے حاصل کر لینے کے بعد میں مشرق کو واپس ہوا۔

میں نے مصر کے خدیو سے شہزادوں سے اور وزیروں سے ملاقاتیں کیں اور مشہور آفاق انور پاشا سے اور اعلیٰ حضرت خلیفہ سلطان المعظم سے ملاقات اور گفتگو کی۔

میں نے سلطنت عثمانیہ سے مشرق کا اور ہندوستان کا مسئلہ طے کیا اور ان سے بھی ضروری تعارفی دستاویزات حاصل کیں۔ جرمن اور ترک افسران اور مولوی برکت اللہ صاحب کو میرے ہمراہ میری مدد کے واسطے روانہ کیا گیا وہ اس وقت بھی میرے ساتھ ہیں۔

ہزاروں مصائب و مشکلات اور خطرات کا مقابلہ کر کے اور ایک خدا ترس انسان کی مہربانی سے ہم لوگ بغداد و اصفہان ہوتے ہوئے افغانستان پہنچے اعلیٰ حضرت امیر کی غیر جانبداری کے باعث ہم یہاں پڑے ہیں۔ گو کہ ہم آپ کی حکومت کے مہمان ہیں اور ہمارے ساتھ بڑے احترام کا سلوک کیا جاتا ہے اور ہمیں ہر قسم کا آرام پہنچایا جاتا ہے۔

میرے دوستوں کو یہ بات معلوم ہو جانی چاہیے اگر وہ شکر گزار نہیں تو بھی انہیں آئندہ یاوہ گوئی نہیں کرنی چاہیے۔ میں کسی شخص کا یا کسی قوم کا دشمن نہیں، میں ساری دنیا کا دوست ہوں۔

میرا واحد مقصد یہ ہے کہ ہر شخص اور ہر قوم آزادی کے ساتھ اور آرام کے ساتھ اپنے مکان یا اپنے ملک میں زندگی گزاریں اور روئے زمین سے اس قسم کی جنگ و کشائش کا نشان مٹ جائے۔

دستخط مہندر پرتاپ۔ جو دنیا کا اور ہندوستان کا خادم اور بودھوں عیسائیوں، ہندو اور مسلمانوں کا دوست ہے جسے بعض لوگ کنور صاحب مرسان اور بعض لوگ راجہ صاحب ہاتھرس کہتے ہیں۔

مزید یہ کہ میرے ذاتی نظریات اور میرے افعال کے لیے کوئی بھی شخص میرا کوئی دوست یا میرا حقیقی بھائی راجہ بہادر مرساں یا میرا رشتہ دار مہاراجہ صاحب جنید یا آرٹ اسکول پریم مہادو تالیہ (بندرابن) مطلق ذمہ دار نہیں۔

دستخط ایم پرتاپ

نمونہ عرض داشت جمعیۃ حزب اللہ

جو یاغستان کے مہاجرین وانصاری (حزب اللہ) پر مشتمل اور حضرت مولانا سلطان العلماء کی زیر سرپرستی زیر صدارت قائم ہے

مہر

(۱۳۳۱ھ الا ان حزب الله هم الغلبون)

بتوسط مخدوم الانام حامی اسلام سلطان العلماء مہاجر فی سبیل اللہ

حضرت مولانا محمود حسن صاحب صدر اعظم جمعیۃ حزب اللہ عم فیوضہم بملاحظہ غوث الاسلام خلیفۃ المسلمین امیر المومنین خادم الحرمین الشریفین سلطان ابن سلطان، سلطان محمد ارشاد خاں خاص خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہ۔

بعد آداب وتسلیمات منسونہ وفدویانہ۔ خدمت عالی میں مندرجہ ذیل معروضات پیش ہیں۔

۱- ہم خدام اسلام حضرت سلطان العلماء مولانا محمود حسن صاحب کی زیر سرپرستی مجتمع ہو گئے ہیں ہم نے اپنا نام ''حزب اللہ'' رکھا ہے اور آتش ظلم کو سرد کرنا ہمارا نصب العین ہے۔

۲- ہندوستان اور افغانستان کی حدود کے درمیان ایک وسیع علاقہ جو وزیرستان سے الائی (کشمیر) تک پھیلا ہوا ہے جو آزاد علاقہ ہے۔ بہادر اور غیرت مند حنفی المذہب افغانوں کا مسکن ہے۔ ان جری اور غیور بہادروں نے روز اوّل سے اپنے علاقہ کو حکومت انگریز کے تسلط سے آزاد رکھا ہے۔ ہم نے ۱۳۳۱ھ سے مہمند سے الائی تک کے علاقہ میں اپنی جدوجہد

کے مراکز قائم کرر کھے ہیں۔

۳- جیسے ہی دربار خلافت سے انگریزوں کے مقابلہ میں جنگ کا اعلان ہوا جمعیۃ حزب اللہ کے کچھ ارکان حضرت سلطان العلماء کے ایما پر انگریزی حکومت سے ہجرت کر کے اس آزاد علاقہ میں پہنچے اور یہاں کے لوگوں کو انگریزوں کے خلاف اُبھارنے کا کام شروع کر دیا۔

برطانوی حکومت کی طرف سے جو رپورٹ گزشتہ عیسوی سال کے گزٹ میں شائع ہوئی ہے اس میں ہماری اس جدوجہد کا اقرار موجود ہے۔ ہند اور افغانستان کی تحریک میں بھی ہم نے بھرپور کوشش کی ہے اور کرتے رہیں گے اگرچہ اب تک اس میں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

۴- ہم خدام اسلام میں انگریزوں سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے اور خاص طور پر جنگ کے خاتمہ کے بعد۔ اس لیے بصد آداب عرض گزار ہیں کہ

الف: صلح عمومی اور مختلف حکومتوں کے درمیان معاہدے کے وقت مذکورہ بالا علاقہ کی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے طے کرالیا جائے کہ یہ علاقہ سریر خلافت کے زیر اثر رہے گا۔

ب: اس علاقہ کے انتظام اور اصلاح کے لیے دربار خلافت سے افسر بھیجے جائیں اور

ج: اگر موجودہ جنگ کے دوران ہی کچھ افسر، تھوڑی فوج، سامانِ جنگ اور مصارف خوراک کے ساتھ یہاں بھیج دیے جائیں تو یہاں سے لاکھوں جنگ آزمودہ غازی بلاتنخواہ اپنی خدمات پیش کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے اور یہ اقدام افغانستان کو سرگرم کرنے میں بھی معاون ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ

اللہ تعالیٰ ہمیں دربار خلافت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق و استطاعت بخشے۔ آمین ثم آمین

مورخہ ۷ اشوال المکرّم ۱۳۳۵ھ

تقریباً مطابق ۱۵/اگست ۱۸۱۷ء

نوٹ: غالب پاشا گورنر حجاز شریف کا فرمان، جس میں جنگ میں شریک ہونے والوں

کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے اور جو ہم تک مولوی ابوالحامد انصاری ابوایوبی کے ذریعہ پہنچا ہے اس عرضداشت کے پیش کرنے کا محرک بنا ہے۔ فقط

مہر جناب حاجی صاحب ترنگ زئی مہاجر غازی
فی سبیل اللہ صدر جمعیۃ حزب اللہ

مہر غازی معروف جناب ملا صاحب بابڑہ
صدر انصار جمعیۃ حزب اللہ

مہر مولوی فضل ربی مہاجر
رکن جمعیۃ حزب اللہ

مہر مولوی عبدالعزیز صاحب
رکن جمعیۃ حزب اللہ

نقل فرمان غالب پاشا، گورنر

(حجاز شریف)

قائم مقام (نمائندہ) اعلیٰ حضرت خلیفہ رسول رب اللعالمین امیر المومنین دام اقبالہٗ

یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ جنگ عمومی گزشتہ ایک سال سے ترکی کی اسلامی حکومت کا رُخ کیے ہوئے ہے۔ روس فرانس اور انگریز (دشمنانِ اسلام) ممالک عثمانیہ پر بری و بحری حملے کر رہے ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر حضرت امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین نے محض اللہ کی نصرت اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانی طاقت کے بھروسہ پر جہاد مقدس کا اعلان کر دیا ہے جس کے جواب میں ایشیا، یورپ اور افریقہ کے مسلمانوں نے لبیک کہا ہے اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر میدانِ جنگ میں کود پڑے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ترکی فوج اور مجاہدین کی تعداد دشمنان اسلام کی تعداد سے بڑھ گئی ہے اور انہوں نے دشمنوں کی قوت کو مادی اور اخلاقی طور پر کمزور کر دیا ہے۔

چنانچہ روسیوں کی فوج کا ایک بڑا حصہ قفقازیہ میں تباہ کر دیا گیا ہے اور ایک لاکھ برطانوی اور فرانسیسی فوج اور ان کے جنگی جہاز درہ دانیال اور دوسرے مقامات پر برباد کر دیے گئے ہیں۔ ترکوں، جرمنوں اور آسٹریلین نے مشرق میں روسیوں کو اور مغرب میں فرانسیسیوں اور بلجیکیوں کو پیچھے دھکیل دیا ہے۔ ایک تہائی روسی اور فرانسیسی علاقے اور سارے بلجیم اور لاکھوں رائفل، بندوقوں اور دوسرے سامان جنگ پر قبضہ کر لیا ہے ہزاروں فوجیوں کو قیدی بنا لیا ہے۔ اب بلغاریہ بھی مرکزی قوتوں کے ساتھ شریک ہو کر جنگ میں شامل ہو گیا ہے اور اس نے سربیا کے علاقہ میں اندر تک گھس کر وہاں کے لوگوں کو شکست فاش دے دی ہے۔ اس لیے

میرا یہ پیغام میرے سلام کے ساتھ ان مسلمانوں کو پہنچا دیا جائے جو ان حکومتوں کی غلامی میں ہیں کہ وہ اب مکمل طور پر شکست کھا چکی ہیں اور اب بالکل لاچار و بے یار و مددگار ہیں اور ان کے یعنی مسلمانوں کے سامنے جس قوت وطاقت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے وہ محض خیالی ہے۔

مسلمانو! آج تمہاری نجات کا دن ہے۔ اس لیے اب اپنی ذلت وخواری اور اپنی غلامی پر راضی وقانع نہ ہو۔ بلاشبہ آزادی، کامیابی، فتح ونصرت تمہارے ساتھ ہے۔ اب خواب غفلت سے بیدار ہو اور متحد ہو کر اپنے اندر تنظیم واتحاد پیدا کرو۔ اپنی صفوں کو درست کرو اور اپنے آپ کو ان چیزوں سے لیس کرو جو تمہارے لیے ضروری اور کافی ہوں اور پھر اس ظالم وجابر عیسائی حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہو جس کی غلامی کا کمزور طوق تمہاری گردنوں میں پڑا ہوا ہے۔ اس زنجیر غلامی کو اپنے مذہب کی طاقت اور دین کی تیز دھار سے کاٹ ڈالو۔ اس طرح اپنے وجود اور انسانی آزادی کے حقوق کو حاصل کرلو۔ ہم انشاء اللہ عنقریب مکمل فتح اور کامیابی کے بعد معاہدے کریں گے تو تمہارے حقوق کی پوری طرح حفاظت ومدافعت کریں گے۔

اس لیے اب جلدی کرو اور پختہ عزم وارادہ کے ساتھ دشمن کا گلا گھونٹ کر اسے موت کے منہ میں پہنچا دو اور اس سے نفرت ودشمنی کا مظاہرہ کرو۔ ہم تمہاری طرف بھروسہ اور اعتماد کی نظر سے دیکھتے ہیں اس لیے یہ اچھا موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دو بددل نہ ہو اور خداوند بزرگ وبرتر سے دلی مراد پوری ہونے کی اُمید رکھو۔

تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ مولانا محمود الحسن صاحب (جو پہلے دیو بند (ہندوستان) کے مدرسہ میں تھے ہمارے پاس آئے اور ہم سے مشورہ طلب کیا۔ ہم اس بارہ میں ان سے متفق ہیں اور ان کو ضروری ہدایت دے دی ہیں ان پر اعتماد کرو۔ اگر وہ تمہارے پاس آئیں تو روپیہ سے، آدمیوں سے اور جس چیز کی انہیں ضرورت ہو اس چیز سے ان کی مدد کرو۔

دستخط غالب (پاشا)

والی حجاز

ریشمی خطوط کی ڈائریکٹری

فہرست مضامین

نمبر شمار	نام	صفحہ
۱۵۲	محمد حسن مولوی آف مراد آباد	
۱۵۳	محمد حسن مہاجر	
۱۵۴	محمد حسین خیاط	
۱۵۵	محمد حسین	
۱۵۶	محمد الٰہی ریل کی پٹریاں جمانے والا	
۱۵۷	محمد اسماعیل خاں حکیم سیّد اجمیری بمبئی	
۱۵۸	محمد اسماعیل شہید دہلوی	
۱۵۹	محمد مسعودی مولوی	
۱۶۰	محمد میاں مولوی عرف منصور انصاری	
۱۶۱	محمد محسن مولوی	
۱۶۲	محمد مبین مولوی	
۱۶۳	محمد صادق مولوی آف سندھ	
۱۶۴	محمد سہول مولوی	
۱۶۵	محمد سعید مولوی	
۱۶۶	محمد سلیم	
۱۶۷	محمد طرزی	
۱۶۸	محمد یوسف مولوی گنگوہی	
۱۶۹	مجاہدین	
۱۷۰	منیر بے	
۱۷۱	مرتضٰی حسن مولوی	
۱۷۲	مرتضٰی مولوی	
۱۷۳	مشتاق احمد مولوی	
۱۷۴	نادر شاہ	
۱۷۵	نصیر احمد حافظ دہلوی	
۱۷۶	نظارۃ المعارف القرآنیہ	
۱۷۷	ناظم مولانا	
۱۷۸	نذیر احمد کاتب	

نمبر شمار	نام	صفحہ
۱۷۹	نعمت اللہ	
۱۸۰	نور الحسن سیّد	
۱۸۱	عبید اللہ	
۱۸۲	باچا ملا	
۱۸۳	پشاور جہادی پارٹی	
۱۸۴	پیر بخش	
۱۸۵	قاضی صاحب	
۱۸۶	رب نواز خاں خان بہادر	
۱۸۷	رحمت علی مہاجر	
۱۸۸	رائے والا مولوی	
۱۸۹	رام پوری مولوی	
۱۹۰	رمضان آف پانی پت	
۱۹۱	رشید احمد انصاری مولوی	
۱۹۲	رشد اللہ پیر جھنڈ والا	
۱۹۳	رئیس المجاہدین	
۱۹۴	رضوان شاہ	
۱۹۵	صدر الدین	
۱۹۶	سیف الرحمٰن مولوی صاحب	
۱۹۷	سیّد نور	
۱۹۸	سلیم خاں	
۱۹۹	ثناء اللہ مولوی	
۲۰۰	شبیر احمد مولوی	
۲۰۱	شفیق الرحمٰن حکیم ساکن رام پور یوپی	
۲۰۲	سیف الدین مولوی ساکن بجنور یوپی	
۲۰۳	شاہ بخش حاجی ڈاکٹر سندھی	
۲۰۴	شاہ نواز	
۲۰۵	صادق احمد مولوی	

پیش لفظ

یہ کتاب اس غرض سے تیار کی گئی ہے کہ حوالہ کی کتاب کا کام دے سکے۔ اس کتاب میں ان لوگوں کے بارہ میں اطلاعات دی گئی ہیں۔ ۱۹۱۶ء کے ریشمی خطوط کے معاملہ میں (پنجاب سی آئی ڈی نمبر ۲۸۲۴ بابت ۱۹۱۶ء) میں جن کا نام آیا ہے یا اس سلسلہ میں جو لوگ علم میں آئے مختصراً واقعات یہ ہیں۔

(الف) ۱۶ اگست ۱۹۱۶ء کو ملتان کے خان بہادر رب نواز خاں نے عبدالحق نامی ایک شخص سے تین ریشمی دستاویزات حاصل کیں۔ یہ پہلے ان کا ملازم رہ چکا تھا اور فروری ۱۹۱۵ء میں ان کے دو لڑکوں کے ہمراہ کابل فرار ہو گیا تھا۔

(ب) یہ دستاویزات عبدالحق کو کابل میں مولوی عبیداللہ نے اس ہدایت کے ساتھ دی تھیں کہ انہیں حیدر آباد سندھ میں شیخ عبدالرحیم کو دے دیا جائے اور اسے خطوط مدینہ میں حضرت مولانا محمودالحسن کو روانہ کرنے تھے۔

(ج) یہ دستاویزات اُردو زبان میں زرد ریشمی کپڑے کے تین ٹکڑوں پر لکھے ہوئے خطوط ہیں۔ پہلا خط ایک تشریحی مراسلہ ہے جو شیخ عبدالرحیم کے نام ہے۔ ۶ انچ لمبا اور ۵ انچ چوڑا ہے۔

دوسرا خط حضرت مولا صاحب کے نام ہے۔ دس انچ لمبا اور آٹھ انچ چوڑا ہے۔ تیسرا خط ۱۵ انچ لمبا اور ۱۰ انچ چوڑا ہے۔

پہلے اور تیسرے خط کو مولوی عبیداللہ نے خود لکھا ہے اور ان پر دستخط کیے ہیں دوسرے خط پر کسی کے دستخط نہیں لیکن تفتیش سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے مولوی محمد میاں عرف مولوی منصور نے

لکھا ہے۔

ان خطوط کی تحریر بہت پختہ اور صاف ہے۔ ان میں نہ تو کسی لفظ کو مٹایا گیا ہے اور نہ ہی کسی لفظ کو کاٹ کر اس پر غلطی بنائی گئی ہے۔ صرف ونحو کی ایک نہایت معمولی سی لغزش کا پتہ چلا ہے۔

زبان اگرچہ بعض مقامات پر مبہم ہے۔ جیسا کہ سازشیوں کے خطوط میں ہونی چاہیے لیکن اچھے تعلیم یافتہ بلکہ اہل علم کی زبان ہے۔

(۲) ریشمی خطوط میں جس سازش اور منصوبہ کا تذکرہ ہے۔ ان کو پوری طرح سمجھنے کے لیے سر چارلس کلیولینڈ کی تحریر کردہ یادداشتوں کو دیکھنا ضروری ہے۔ جو اس معاملہ سے متعلق فائل میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اتنا کہنا کافی ہے کہ ان دستاویزات سے اس انتباہ کا جواز ثابت ہو جاتا ہے جو مسٹر پیٹرک نے فروری و مارچ ۱۹۱۲ء میں مسلمانانِ ہند کی عام حالت کے متعلق اپنی مختصر یادداشت میں دیا ہے۔

(۳) اس ڈائریکٹری کا مقصد ان لوگوں کی شناخت اور پہچان میں آسانی پیدا کرنا ہے جن کا ریشمی خطوط کی سازش سے براہِ راست تعلق تھا۔ اسی سلسلہ میں ان کی کارروائیوں کو مختصراً بیان کرنا ہے۔

اے ڈبلیو میرسیر، سپرنٹنڈنٹ پولیس
سی-آئی-ڈی (پولیٹیکل) پنجاب
یہ تمام تحریریں سی-آئی-ڈی کی مرتب کردہ رپورٹ کا ترجمہ ہے اور اسی کی زبان ہے۔

ریشمی خطوط کی ڈائریکٹری

(۱) آزاد سبحانی:

عبدالقادر آزاد سبحانی آف مدرسہ الٰہیات کانپور ایک فتنہ پرداز مولوی ہے۔ جس کے پیروؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ کانپور مسجد کے فساد کا روح رواں تھا۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔

(۲) ابراہیم شیخ آف سندھ:

محمد صادق کا بھتیجا جو کھڈہ کراچی کا مشہور متعصب مولوی (اب نظر بند ہے) اور عبیداللہ کا دوست ہے۔ شیخ محمد ابراہیم ایم اے پونہ میں تعلیم پائی ہے۔

(۲) فروری ۱۹۱۵ء میں اسے حبیبیہ کالج میں پروفیسر کی جگہ مل گئی جہاں وہ برطانیہ کا کٹر مخالف بن گیا۔

(۳) وہ کابل کا ایک بڑا انقلابی ہے۔ ایم عبیداللہ، محمد علی بی اے قصوری راجہ مہندر پرتاب برکت اللہ وغیرہ کے ساتھ سازشیں کرنے اور منصوبے بنانے میں اس نے بڑا نمایاں حصہ لیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ شیخ ابراہیم اور محمد علی قصوری کو ایم عبیداللہ نے خاص طور سے کابل بلایا تھا کہ وہ وہاں جہاد کے لیے زمین ہموار کر سکیں

جون ۱۹۱۶ء میں اسے محمد علی کے ساتھ حبیبیہ کالج سے برطرف کر دیا گیا۔ ۱۰ جولائی کو آزاد علاقہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ جہاں وہ شاید اس وقت بھی سرحد پار کے ملاؤں قبائلیوں وغیرہ کو جہاد پر اُکسانے میں مصروف ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ۱۹۱۶ء میں اس نے براہِ عرب جرمنی جانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔

(۳) ابراہیم صاحب مولوی کاوی:

جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹنٹ جنرل ہے۔

یہ اور ابراہیم عرف احمد جان آف کاما کا شاگرد بڈاملا ایک ہی شخص ہیں ۱۹۰۸ء میں اس نے سب سے پہلے غزوہ کے لیے جوش دلایا تھا۔

(۴) ابراہیم مولوی آف سیالکوٹ:

پسر مستری قادر بخش سکنہ سیالکوٹ مشہور اور نہایت باا ثر اور متعصب وہابی مبلغ ہندوستان میں سفر کرتا رہتا ہے اور وہابیوں کے جلسوں میں، دوسرے فرقوں سے مناظروں کے دوران نہایت پر جوش تقریریں کرتا ہے۔ اس لیے اس کی ہر وقت مانگ رہی ہے۔

ظفر علی کا کٹر حامی اور ثناء اللہ امرتسری کا ساتھی ہے اور مولوی عبدالرحیم عرف بشیر احمد اور عبداللہ پشاوری کتب فروش کا ساتھی ہے۔

جنگ طرابلس، جنگ بلقان اور کانپور کی مسجد کے واقعہ پر اس نے سیالکوٹ میں کافی بے چینی اور شورش پھیلا دی تھی۔

ایم ابراہیم کے بارے میں شبہ ہے کہ برطانیہ کے خلاف مسلم پروپیگنڈا میں اس کا ہاتھ ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنیل ہے۔

(۵) ابوالکلام آزاد:

محی الدین کنیت، ابو الکلام آزاد الہلال کا بدنام ایڈیٹر، انجمن حزب اللہ اور کلکتہ دارالارشاد کالج کا بانی۔

دلی کا باشندہ ہے لیکن تعلیم عرب میں پائی ہے۔ انتہا درجہ میں اتحاد اسلامی کا حامی ہے۔ نہایت کٹر انگریز دشمن اور بے حد متعصب ہے۔ دیوبند کی سازش جہاد کا نہایت سرگرم رکن تھا۔

(۱) یقین کیا جاتا ہے کہ حالیہ شورش میں اس نے ہندوستانی متعصبوں کو روپے کی اور

دوسری طرح کی مدد دی ہے۔

(۲) جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹننٹ جنرل ہے۔

(٦) ابو محمد احمد مولوی آف لاہور:

(۱) کنیت مولوی احمد چکوالی پسر غلام حسین ذات اعوان ساکن چکوال ضلع، گنگوہ اور دیوبند میں تعلیم پائی ہے۔ دیوبند میں مولانا محمود الحسن اس کے اُستاد تھے اس جگہ اس کی عبید اللہ سے پہلی ملاقات ہوئی۔ وہ بھی اس وقت طالب علم تھا وہ محمود الحسن کا پرخلوص مرید بن گیا۔

۱۸۹۲ء میں صوفی مسجد کشمیری بازار لاہور کا امام مقرر کیا گیا۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں اپنی گرفتاری تک مامور رہا۔ کچھ عرصہ تک دیوبند میں جمعیۃ الانصار کا نائب ناظم رہا مولوی احمد ہندوستان میں وہابی تحریک کا نہایت اہم رکن ہے۔ عبید اللہ کا نہایت مخلص اور پرجوش ساتھی ہے۔ ہندوستانی متعصبوں سے اس کا قریبی رابطہ تھا۔ کئی مرتبہ اسماس جا چکا ہے۔

(۱) چندہ جمع کرنے کے لیے پنجاب میں مجاہدین کا خاص ایجنٹ ہے۔ آزاد علاقہ میں ہندوستانی انقلاب پسندوں کو سرمایہ مہیا کرنے کے کام میں مولوی حمد اللہ کا خاص معاون ہے۔

اسماس کے ہندوستانی متعصبوں اور ہندوستان میں ان کے ہمدردوں کے درمیان رابطہ کا کام کرتا ہے۔

صوفی مسجد سرحد کو جانے اور واپس آنے والے نمائندوں کے ٹھہرنے کے کام آتی ہے۔ قاضی ضیاء الدین ایم اے کا چچا اور دلی کے احمد علی کا سسر ہے۔

(۲) جہادی طلباء کے فرار سے اس کا گہرا تعلق ہے۔

(۳) شیخ عبد الرحیم کے نام وضاحتی خط میں جواب کے لیے اس کو ذریعہ بنانے کا تذکرہ ہے۔

جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ آج کل روپڑ ضلع انبالہ میں ہے جہاں اس کی نقل و حرکت پر پابندی ہے۔

احمد جان:

عبیداللہ نے جدہ کے بعد کے حالات پر حضرت مولانا کو جو خط روانہ کیا تھا اس میں اس کا ذکر ہے۔

(۱) شہر قازان روسی ترکستان کا رہنے والا ہے۔ اپنے ہم وطن حرمت اللہ کے ہمراہ اس نے کچھ عرصہ دیو بند کے مدرسہ میں تعلیم پائی ہے۔

تقریباً دو برس ہوئے یہ دونوں دیو بند سے مولانا حسین احمد مدنی کے ہمراہ حجاز چلے گئے اور شاید اب بھی وہی ہیں۔

(۸) احمد جان مولوی:

دیو بند کے مدرسہ کے معلم مولوی غلام رسول کا بھتیجا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب مولانا محمود الحسن نے عزیز گل کو جہاد کی تیاری کا پتہ چلانے کے لیے آزاد علاقہ کو بھیجا تو یہ ان کے ہمراہ گیا تھا۔

(۹) احمد حسن مولوی آف کیرانہ (یو، پی):

جمعیۃ الانصار میں وہ عبیداللہ کا پر جوش مقلد تھا لیکن ان کے دیو بند سے جانے سے پہلے ہی ان کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔

(۲) تاہم احمد حسن دیو بند میں مولانا محمود الحسن کے مکان پر خفیہ میٹنگوں میں شریک ہوتا رہا۔

(۱۰) احمد حسین مولوی آف کیرانہ (یو، پی):

پیش امام جامع مسجد شملہ، محمود الحسن کا خاص شاگرد۔

اس کے بارہ میں مشہور ہے کہ اس نے مولوی حمد اللہ کو ایک مرتبہ سے زیادہ مولانا کو جہاد کی تبلیغ کے لیے روپیہ روانہ کیا۔

(۱۱) احمد علی مولوی نائب ناظم نظارۃ المعارف:

پسر شیخ حبیب اللہ آف بابو چک ضلع گوجرانوالہ۔

سندھ میں مولوی عبید اللہ کی نگرانی میں تعلیم پائی۔ تکمیل تعلیم کے بعد مدرسہ گوٹھ پیر جھنڈا ضلع حیدرآباد سندھ میں اُستاد مقرر کیا گیا۔ بعد اس کو اسی عہدہ پر نواب شاہ میں عبید اللہ کے قائم کردہ دوسرے اسکول میں منتقل کر دیا گیا۔

جب دلی میں نظارۃ المعارف القرآنیہ قائم ہوا تو کچھ دن احمد علی طالب علم رہا لیکن وہ جلد ہی پروفیسر بن گیا۔ بالآخر اسے نظارۃ المعارف کا ناظم بنا دیا گیا۔

(۱) مولوی عبداللہ سندھی کابل میں مولوی عبید اللہ سے جو فتاویٰ اور خطوط لایا تھا وہ ایم احمد علی کے لیے تھے جس نے تمام خطوط وغیرہ مکتوب الیہم میں ٹھیک تقسیم کر دیے تھے۔ اس کا رابطہ محی الدین عرف برکت علی بی اے آف قصور، خواجہ عبدالحی آف گورداسپور، ڈاکٹر صدرالدین، ابوالکلام آزاد، حسرت موہانی وغیرہ وغیرہ سے تھا۔

لاہون ضلع گورداسپور سے اسے آنے جانے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ بعد میں ضمانت پر اسے مارچ ۱۹۱۷ء میں رہا کر دیا گیا تھا۔

(۲) جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ کرنل ہے۔

بعد کی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ ایم احمد علی اتحاد اسلامی کی سازش جہاد کا ایک سرگرم ممبر تھا۔ نظارۃ المعارف میں اس کی رہائش گاہ وقتاً فوقتاً سازشیوں کے لیے ملنے اور سازشیں گھڑنے کے لیے مرکز کا کام دیتی تھی اور آزاد علاقہ کو جانے اور وہاں سے آنے والے سازشی اس میں ٹھہرا کرتے تھے۔

(۱۲) احمد میاں مولوی:

دیکھو سیّد حاجی امبیٹھوی۔

(۱۳) اسد اللہ شاہ پیر سندھی:

(۱) غالباً مقام امروٹ ضلع سکھر (سندھ) کا رہنے والا ہے۔

عبیداللہ کا رفیق ہے۔ مدرسہ گوٹھ پیر جھنڈا میں اس وقت تعلیم حاصل کی جب عبیداللہ وہاں تھے۔ کچھ عرصہ اس کے نظارۃ المعارف القرآنیہ میں بھی طالب علم رہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ عبیداللہ کا نہایت سرگرم ایجنٹ ہے۔

(۲) جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹننٹ جنرل ہے۔

(۱۴) اسمس:

مجاہدین کی بستی کا ہیڈ کوارٹر جو مداخیل کے علاقہ میں دربند سے ۳۰ میل شمال مغرب میں ہے۔ پشتو زبان میں سماس یا سماستہ کے معنی ہیں غار۔

(۱۵) اسماعیل:

نواب امب کا مفتی، اس نے دربند میں لاہور کے جہادی طلباء کے لیے طعام و قیام کا انتظام کیا اور بعد میں ان کا سامان اسماس پہنچایا تھا۔

موجودہ امیر المجاہدین سے بڑے پرخلوص تعلقات ہیں۔

(۱۶) اسماعیل حافظ:

عربی اسکول رڑکی میں اُستاد ہے۔ مولانا محمود الحسن کے جہاد کے پروپیگنڈہ کے لیے روپیہ جمع کرنے کے کام میں مولوی ظہور محمد کا سرگرم ساتھی اور شریک تھا۔ حافظ اسماعیل رڑکی کے دیہات میں گشت کر کے روپیہ جمع کرتا تھا جو آخر کار ظفر محمد کے ذریعہ حمداللہ کو پہنچ جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے بھی کرت پور اور نجیب آباد میں بہت کافی روپیہ جمع کیا تھا۔

(۱۷) اصطفیٰ کریم بی اے آف قیصر باغ لکھنؤ:

۱- وہ کچھ عرصہ تک نظارۃ المعارف القرآنیہ میں طالب علم رہا۔

کہا جاتا ہے کہ نظارہ کے آغاز میں عبیداللہ کا خاص ساتھی تھا۔ عبیداللہ سے ملنے گوٹھ پیر جھنڈے شاہ کا دورہ قاضی ضیاء الدین ایم اے اور مولوی مظہر الدین کے ساتھ اپریل ۱۹۱۵ء میں کیا تھا جب کہ عبیداللہ کابل فرار ہونے کی تیاری کر رہے تھے۔

اب شاید مراد آباد کے کسی اسکول میں ٹیچر ہے۔

(۱۸)اللہ نواز خاں:

پسر خان بہادر رب نواز خان آنریری مجسٹریٹ ملتان۔

لاہور کے ان جہادی طلباء (گورنمنٹ کالج لاہور) میں سے ایک ہے جو فروری ۱۹۱۵ء میں فرار ہو کر سرحد پار پہنچے۔ طلباء میں ہجرت کے سوال پر انتہائی کٹر تھا کالج کے بورڈنگ ہاؤس میں اس کا کمرہ اس وقت سازشیوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا جبکہ فرار کی تیاریاں کی جارہی تھیں۔

اس نے ریشمی خطوط کے حامل شیخ عبدالحق اور اس کے بھائی شاہ نواز کو ساتھ چلنے پر رضامند کیا۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ لیفٹنٹ کرنل ہے۔

(۱۹)امداد حسین حافظ:

پیش امام رڑکی مسجد۔ ابتدا میں وہ مولوی ظہور محمد عربی ٹیچر مدرسہ رڑکی کے ذریعہ مولانا محمود الحسن کے جہادی پروپیگنڈہ کے لیے روپیہ دیا کرتا تھا۔ بعد میں اس سے جھگڑا ہو گیا۔

(۲۰)امیر شاہ:

کنور لیاقت علی رئیس مینڈھو صوبہ جات متحدہ کا ملازم ہے۔ کسی وقت مولانا محمود الحسن اور مدرسہ دیوبند کے وفادار پرنسپل شمس العلماء حافظ احمد کے درمیان اختلاف رائے کے باعث اس کی عقیدت کم ہو گئی۔ اب وہ شمس العلماء کا معتقد ہے۔ جدہ کے بعد کے واقعات بیان کرتے ہوئے عبیداللہ نے جو خط لکھا ہے اس میں اس کا تذکرہ ہے۔

(۲۱)انصاری ڈاکٹر:

۱- جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ لیفٹنٹ جنرل ہیں۔ جدہ کے بعد کے واقعات بیان کرتے ہوئے عبیداللہ نے حضرت مولانا کو جو خط لکھا ہے اس میں ان کا تذکرہ ڈاکٹر صاحب کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر مختار احمد انصاری آف دہلی ۱۹۱۳ء میں جنگ بلقان کے وقت ٹرکی کو بھیجے جانے والے کل ہند میڈیکل مشن کے لیڈر اور آرگنائزر تھے۔ حکیم عبدالرزاق کے بھائی مولانا محمود الحسن کے پکے مرید ہیں۔ اتحاد اسلام کے مشہور حامی اور ہندوستان میں سب سے خطرناک ترک نواز

مسلمان ہیں۔

۲- دلی میں نظارۃ المعارف القرآنیہ کے مصارف مہیا کرتے ہیں۔ خیال ہے کہ ڈاکٹر انصاری ان لوگوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے (۳) مولانا محمود الحسن کو ہندوستان سے ہجرت کرنے پر اُکسایا۔

۴- مولوی عبداللہ سندھی کابل سے ڈاکٹر انصاری کے لیے دو خط لائے تھے ایک برکت اللہ نے دوسرا عبیداللہ نے بھیجا تھا۔

(۲۲) عزیز الدین:

فیض آباد (یوپی) کا باشندہ بتایا جاتا ہے۔ بیسرز ٹرنر ماریسن اینڈ کو کا سابق ملازم ہے اور بعد میں مکہ میں سکونت پذیر ہو گیا تھا۔ یہ مکہ میں مولانا محمود الحسن صاحب کے خفیہ جلسوں میں جو دھرم پور رباط میں ہوا کرتے تھے۔ شریک ہوا کرتا تھا اور جہاد کے لیے خاص الخاص جلسوں میں بھی شریک کیا جاتا تھا۔ یقین کیا جاتا ہے کہ عزیز الدین نے مولانا محمود الحسن کو غالب پاشا سے متعارف ہونے میں مدد دی ہے۔

> انگریزی (اصل) میں ۲۲ کے بعد چند لینیں خالی چھوڑ دی ہیں۔ پھر عبدالعزیز سے سلسلہ شروع کیا ہے اور اس پر نمبر بھی شروع سے یعنی (۱) سے ڈالا ہے۔ ہم نے اصل کی نقل کرتے ہوئے چند لینیں چھوڑ دی ہیں مگر نمبر نئے نہیں ڈالے۔ عبدالعزیز کا نمبر انگریزی میں ا ہے مگر ہم نے سلسلہ کے بموجب نمبر ۲۳ کیا ہے۔

(۲۳) عبدالعزیز:

۱- حضرت مولانا کے نام خطوط میں اس کا تذکرہ ہے۔

۲- ضلع پشاور کا باشندہ بیان کیا جاتا ہے۔ دیوبند کے مدرسہ کا اس وقت طالب علم تھا۔ جب مولوی فضل ربی وہاں تھے۔

۳- جون ۱۹۱۶ء کے لگ بھگ سردار نصر اللہ خاں سے ملاقات کے خفیہ مشن پر حاجی

ترنگ زئی کی طرف سے فضل ربی اور فضل محمود کے ہمراہ کابل گیا تھا۔ ممکن ہے یہ وہی (۴) عبدالعزیز ہو جو استمان زئی کے حیا گل کا لڑکا ہے جو حاجی ترنگ زئی کے ساتھ ۱۹۱۵ء میں آزاد علاقہ کو فرار ہو گیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ وہی شخص ہو جسے جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل بتایا گیا ہے۔ جس کا نام اس طرح لکھا ہے۔ مولوی عبدالعزیز وکیل وفد حزب اللہ در یاغستان۔ شاید اس وقت آزاد علاقہ میں ہے۔

(۲۴) عبدالعزیز مولوی، ساکن رحیم آباد:

۱- پسر حمداللہ ساکن رحیم آباد در دربھنگہ بہار واڑیسہ۔ مشہور وہابی مولوی ہے جو شمالی ہند میں سفر کرتا رہتا ہے اور وہابیوں کے جلوسوں میں شریک ہوتا ہے۔

۲- جنود ربانیہ کی فہرست میں اس کا نام لیفٹننٹ جنرل کی حیثیت سے شامل ہے۔

(۲۵) عبدالعزیز شادیش، شیخ:

اتحاد اسلامی کا بدنام مصری حامی۔ بغاوت کا مجرم قرار پا کر سزایاب ہوا۔ ۱۹۱۱ء میں مصر سے ترکی روانہ ہوا۔ اس کے بعد سے اتحاد وترقی کمیٹی میں مصر اور ہند کے امن کے خلاف سب سے سرگرم سازشی ہے۔

ڈاکٹر انصاری کا دوست ہے۔ محمد علی آف کامریڈ کی نظر بندی سے قبل ان سے ان کا رابطہ تھا۔

۱- جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ لیفٹننٹ کرنل ہے۔

(۲۶) عبدالباری مولوی فرنگی محل لکھنؤ:

صدر انجمن خدام کعبہ۔ اتحاد اسلامی کا متعصب حامی۔

۱- مولانا محمود الحسن سے اس کا تعلق تھا اور ان کے سے خیالات رکھتا تھا۔

۲- جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹننٹ کرنل ہے۔

(۲۷) عبدالباری مولوی مہاجر:

پسر مولوی غلام جیلانی ریٹائرڈ منصف لائل پور، لاہور کے ان طلباء میں شامل تھا جو

فروری ۱۹۱۵ء میں جہاد کے لیے آزاد علاقہ کو فرار ہو گئے تھے۔(۱) کابل میں بڑے سازشیوں کو اس پر مکمل اعتماد تھا اور اسے آزادی کے ساتھ خفیہ میٹنگوں میں شامل کر لیا جاتا تھا جو کابل سول لائنز میں جرمن مشن کے ساتھ ہوتی تھیں۔

جون ۱۹۱۶ء میں عبدالباری اور شجاع اللہ کو راجہ مہندر پرتاپ اور مولوی برکت اللہ نے خفیہ مشن پر براہِ ایران قسطنطنیہ اور برلن کو روانہ کیا۔ وہ سردار نصر اللہ خاں کے خطوط سلطان نیز قیصر جرمنی کے لیے اپنے ساتھ لے کر گئے تھے۔ راستہ میں ان کو سیستان میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔

۲-عبدالباری جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔ حکومت موقتہ کا وہ ہندوستان میں وکیل ہے۔ آج کل وہ لاہور میں گرفتار ہے۔

(۲۸) عبدالحی خواجہ:

پسر خواجہ عبدالرحیم جو خورشید عالم بیرسٹر ایٹ لاء گورداسپور کا منشی ہے۔ اس نے گورداسپور، لاہور اور دیوبند کے مدرسہ میں تعلیم پائی ہے۔

۱-آخر الذکر مقام میں وہ عبیداللہ کا بہت مخلص ساتھی تھا۔ وہ اسلامیہ کالج میرٹھ اور صوبہ جات متحدہ کے کئی اسلامی اداروں میں اور گوجرانوالہ کے اسلامیہ ہائی اسکول میں ملازم رہ چکا ہے۔

۲-اگست ۱۹۱۵ء میں اس نے گورداسپور میں تقریر کر کے لوگوں کو جہاد پر اُبھارا تھا۔ کچھ عرصہ تک وہ ''اقدام کلکتہ'' کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں شامل رہا ہے۔ وہ نجم الدین احمد، ابوالکلام آزاد اور محی الدین عرف برکت علی قصوری کا ساتھی رہا ہے۔ یہ سب کے سب انتہائی درجہ میں اتحاد اسلامی کے حامی ہیں۔

دیوبند میں مولانا محمود الحسن کے مکان میں خفیہ میٹنگوں میں شامل ہوا کرتا تھا۔

جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔

(۲۹) عبدالحامد، مہاجر:

پسر محمد حسین سکنہ موضع رام گڑھ سرائے ہارو ضلع لدھیانہ ان لاہوری طلبا (میڈیکل کالج)

میں شامل ہے جو ۱۹۱۵ء میں بھاگ کر سرحد پہنچے تھے۔اس کا بھائی غلام رسول خاں بی اے، ایل ایل بی لدھیانہ میں پلیڈر رہے۔

جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔

(۳۰) عبدالحق مولوی آف لاہور:

پسر مولوی محمد غوث کوچہ چابک سواران لاہور، مالک رفاہ عام پریس، مولوی عبدالرحیم عرف مولوی بشیر اس کا برادر نسبتی ہے۔عبدالحق کٹر وہابی ہے۔انتہائی متعصب ہے اور ہندوستانی جنونیوں سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ان کے لیے وہ لاہور میں اکثر روپیہ جمع کیا کرتا ہے۔مولوی احمد چکوالی، عبداللہ پشاوری کتب فروش، ثناء اللہ وغیرہ کا قریبی ساتھی ہے۔ستمبر ۱۹۱۶ء میں گرفتاری سے قبل اس کے بارہ میں خیال تھا کہ سرحد پار ایم عبدالرحیم سے اس کی خفیہ خط و کتابت ہے۔اس کا نام ایم محمد مبین کی فہرست میں شامل ہے۔جس میں ان لوگوں کے نام ہیں جن کے بارہ میں یقین کیا جاتا ہے کہ انہوں نے دیوبند کے جہاد کے پروپیگنڈہ میں مدد کی ہے اور اس کے حامی ہیں۔

جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ کرنل ہے۔اس پر پابندی لگادی گئی تھی کہ وہ پھلور میں رہے لیکن مارچ ۱۹۱۷ء میں ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔

(۳۱) عبدالحق شیخ:

جو ریشمی خطوط لے کر آیا تھا وہ ہندو سے مسلمان ہوا تھا۔اس کا پرانا نام جیون داس ہے وہ لڑکا ہے۔لورنڈا رام ساکن موضع ورچھا تھانہ گنجیال ضلع شاہ پور کا۔اس نے انٹرنس تک پڑھا تھا۔۱۹۰۹ء میں اس نے اسکول چھوڑ دیا تھا اور بوقلموں زندگی گزارنے کے بعد ۱۹۱۲ء میں اسلام قبول کر لیا تھا۔کچھ عرصہ تک خان بہادر رب نواز خاں نے اسے اپنے دونوں لڑکوں کا اتالیق مقرر کیا تھا۔خاں بہادر رب نواز کے لڑکے اللہ نواز نے اس کو جہاد کرنے والے طالب علموں کی جماعت میں شامل ہونے کے لیے اُبھارا تھا۔

فروری ۱۹۱۵ء میں اس نے ان کے ہمراہ سرحد پار کی تھی۔جولائی ۱۹۱۶ء میں ریشمی خطوط

دے کر اسے عبیداللہ سندھی نے (حیدرآباد) (سندھ) کے شیخ عبدالرحیم کے پاس بھیجا۔ جس کو یہ خطوط مولانا محمودالحسن کو عربستان میں بھیجنے کا انتظام کرنا تھا۔

جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ میجر ہے۔ کچھ عرصہ تک اس پر منٹگمری پولیس لائنز کے رہنے کی پابندی تھی لیکن مارچ ۱۹۱۶ء میں یہ پابندی ختم کر دی گئی۔ اب وہ ریلوے میں پولیس کانسٹیبل ہے۔

(۳۲) عبدالحسن مولوی آف جون پور صوبہ جات متحدہ:

یہ ان تیرہ منحرف اشخاص میں سے ایک ہے جو مولوی محمودالحسن کے ہمراہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں عربستان گئے تھے۔ شاید وہ محمد میاں مرتضیٰ حسن مولوی سہول اور دوسرے لوگوں کے ساتھ واپس آ گیا تھا۔

(۳۳) عبدالکریم سرونج:

ریاست ٹونک میں کھالوں کا ایک خوشحال بیوپاری ہے۔ یہ بھی ان تیرہ منحرف اشخاص میں سے ایک ہے جو مولانا محمودالحسن کے ہمراہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں عربستان گئے تھے۔ عبدالکریم، مولوی محمودالحسن کا پرجوش پیرو ہے۔ شاید وہ بھی محمد میاں، مرتضیٰ حسن وغیرہ کے ہمراہ واپس آ گیا تھا۔

(۳۴) عبدالکریم نائب رئیس المجاہدین:

اسماس میں ہندوستانی متعصبوں کا سابق فوجی کمانڈر ہے۔ اس نے وہاں ۳۰ برس گزارے ہیں۔ یہ بنگال کا رہنے والا ہے اس کی عمر ۷۰ برس ہے۔ وہ مرحوم رئیس المجاہدین کا داماد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ہندوستان میں کافی سفر کرتا رہتا ہے۔

اب وہ کابل کی سرحد پر مقام چمرقند میں مجاہدین کی نئی چھوٹی بستی کا گورنر ہے۔

جنود ربانیہ میں وہ لیفٹنٹ جنرل ہے۔

(۳۵) عبدالخالق:

پسر سردار بہادر محمد امین خاں ساکن موضع عظیم آباد ضلع شاہ پور لاہور کے جہادی طالب

علموں میں سے ایک ہے (گورنمنٹ کالج لاہور) وہ ایک دن بعد ہری پور پہنچا جبکہ اصل جماعت اسماس کو روانہ ہو چکی تھی۔اس لیے واپس آ گیا۔

(۳۶) عبداللہ انصاری مولوی:

ایم عبداللہ انصاری ضلع سہارنپور صوبہ جات متحدہ کا باشندہ ہے۔ایم اے او کالج میں وہ ناظم دینیات رہا ہے۔اس کی طرف ۱۹۱۳ء میں توجہ ہوئی جبکہ اس نے یورپین مال کے بائیکاٹ کے فضل الحسن حسرت موہانی کے فتویٰ پر دستخط کیے۔بعد میں اخبارات کو ایک خط کے ذریعہ اس نے فتویٰ کی حمایت کو واپس لے لیا۔

جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ میجر جنرل ہے۔

(۳۷) عبداللہ ہارون حاجی:

یہی حاجی عبداللہ ہارون ہے، کچھی میمن ہے۔چینی کا خوشحال بیوپاری اور کراچی کا آنریری مجسٹریٹ ہے۔ بڑا کٹر وہابی اور اتحاد اسلامی کا نہایت خطرناک ڈھنڈورچی ہے۔ جنگ طرابلس کے دوران ۱۲-۱۹۱۱ء میں عبداللہ ہارون انجمن ہلال احمر (سندھ برانچ) کا سیکرٹری اور خازن تھا اور ترکوں کے لیے روپیہ جمع کرتا تھا۔اگست ۱۹۱۳ء میں جب ریلوے انجینئر نے ریلوے پولیس لائنز میں غصب شدہ زمین پر تعمیر شدہ نماز پڑھنے کے چبوترہ کو ہٹانا چاہا تو صدر انجمن ضیاء الاسلام کی حیثیت سے اس نے بھی ویسا ہی ہنگامہ کھڑا کرنے کی کوشش کی جیسا کہ کانپور میں مسجد کے سلسلہ میں ہو چکا ہے۔اس نے جنگ بلقان کے موقع پر ترکوں کی مدد کے لیے چندہ بھی جمع کیا۔کراچی میں جو سینما ایجی ٹیشن ہوا خیال ہے اس کی تہہ میں بھی یہی شخص تھا جس کی وجہ سے شمالی ہند میں ۱۹۱۴ء میں ذرا بے چینی پھیل گئی تھی۔وہ مولوی محمد صادق آف کھڈہ کراچی، ابوالکلام آزاد اور اتحاد اسلامی کے دوسرے انتہا پسند کٹر حامیوں کا ساتھی ہے۔

مولوی احمد علی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبداللہ ہارون ابوالکلام آزاد کی برطانیہ دشمن اسکیموں میں مالی امداد کر رہا ہے اور جہاد کے سرحد پار پروپیگنڈہ میں اس کا قریبی شریک ہے۔

(۳۸) عبداللہ عمادی:

عمادی کے تحت دیکھئے۔

(۳۹) عبداللہ مولوی آف غازی:

مولوی حافظ عبداللہ (ساکن غازی پوری) مشہور وہابی مولوی ہے۔ جو زیادہ تر بہار اور اڑیسہ میں مصروف رہتا ہے۔ مولوی عبداللہ ۱۹۰۶ء میں احمدیہ مدرسہ شاہ آباد میں معلم تھا اور ۱۹۰۷ء میں آرہ مدرسہ کا ہیڈ مولوی اور سیکرٹری بن گیا تھا۔

آرہ کا مدرسہ بنگال، بہار اور اڑیسہ کے تمام وہابی مدارس کی اصل اور ام المدارس ہے جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ لیفٹننٹ جنرل ہے۔

(۴۰) عبداللہ مولوی آف سندھ:

پسر نہال خاں ساکن موضع گوٹھ ملاں بخش نوازی تھانہ مٹھیلو ضلع سکھر۔ پیر غلام محمد آف دین پور ریاست بہاول پور کا مرید ہے۔ کچھ عرصہ تک گوٹھ پر جھنڈا اسکول تحصیل ہالا ضلع حیدر آباد سندھ میں فارسی کا اُستاد رہا ہے۔

جولائی ۱۹۱۵ء میں مولوی عبیداللہ کے ہمراہ کابل گیا تھا۔ فروری ۱۹۱۶ء میں کچھ خاص سازشیوں کے لیے خطوط لے کر ہندوستان آیا تھا۔

خطوط پہنچانے کے بعد وہ کابل واپس نہیں گیا۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں اس کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ اس نے بڑا اہم بیان دیا ہے۔ اس کو اپنے گاؤں سے باہر جانے کی ممانعت ہے۔

جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔

(۴۱) عبداللہ شیخ مہاجر:

پسر شیخ عبدالقادر سیکرٹری ڈسٹرکٹ بورڈ میانوالی، سکنہ سیالکوٹ لاہور کے جہادی طلباء میں سے ایک ہے۔ (گورنمنٹ کالج لاہور) جو فروری ۱۹۱۵ء میں سرحد کو بھاگ گئے تھے۔ مولوی عبدالرحیم عرف مولوی بشیر اور وزیر آباد کے ایم فضل الٰہی کے بہت قریب تھا جس نے اسے دلی بھیجا تھا تاکہ مولانا ابوالکلام آزاد سے مشورہ کرے کہ ہندوستان کے باہر جہاد کی غرض

سے ہجرت کرنے کے لیے کون سی جگہ سب سے اچھی ہے۔ شاید اس وقت کابل میں ہے۔
جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹنٹ کرنل ہے۔

(۴۲) عبداللطیف:

پسر شرف دین خیل سکنہ کوہاٹ

کوہاٹ کی جہادی جماعت کا فرد، اسلامیہ کالج پشاور کا فرسٹ ایئر کا طالب علم لاہوری جہادی طلباء کے مفقود الخبر ہونے کے کچھ عرصہ بعد وہ بھی آزاد علاقہ کو فرار ہو گیا تھا۔ کوہاٹ کے تین اور ساتھیوں کے ہمراہ شاید اس وقت کابل میں ہے۔

(۴۳) عبداللطیف حاجی پانی پتی:

پسر حاجی عبدالرحمٰن ذات راجپوت سکنہ پانی پت ضلع کرنال، ۱۸۸۵ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۸۷ء میں ٹریننگ کالج کا امتحان پاس کیا۔ تقریباً چار برس تک ٹیچر رہا۔ ۱۸۹۳ء میں حاجی عبداللطیف نے پانی پت میں بساطی کی دکان کھولی۔ اب بھی وہاں یہی کام کر رہا ہے۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں وہ ایس ایس حجاز کے ذریعہ حج کے لیے عرب گیا تھا۔ جب کہ وہ پانی پت کے مولوی حمد اللہ کا ایک خط مکہ میں مولانا محمود الحسن کے لیے لے گیا تھا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ جہاد کے سلسلہ میں سارا کام ٹھیک ٹھاک ہو رہا ہے۔ واپسی میں اس نے عدن میں خط کو ضائع کر دیا کیونکہ اس نے دیکھا کہ پولیس مولوی محمد مسعود کی تلاشی لے رہی ہے جو اسی جہاز میں ہم سفر تھے۔ عبداللطیف نے مولانا محمود الحسن سے مکہ میں ملاقات کی اور ان کو ساری کیفیت بتائی۔ نومبر ۱۹۱۶ء میں جب وہ واپس ہوا تو اس کو ڈیفنس ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا گیا لیکن چونکہ وہ صرف مولوی محمود الحسن کے نام خط کا حامل تھا اور کوئی ایسی قطعی شہادت نہ تھی جس سے سازش جہاد سے اس کی وابستگی ثابت ہو سکے لہٰذا اس کے بعد میں جلد ہی رہا کر دیا گیا۔

(۴۴) عبداللہ ٹنڈا مولوی:

محمود مسعود کے بیان میں اس کا تذکرہ ہے کہ حاجی ترنگ زئی، مولوی سیف الرحمٰن فضل ربی اور دوسرے لوگوں کے ساتھ وہ سرحد پار موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پنجابی مولوی ہے جس

نے دیوبند میں تعلیم پائی ہے وہاں وہ مولانا محمود الحسن کی قیام گاہ پر خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد بھی وہ دیوبند جاتا رہتا تھا۔ مولوی جلیل کا بیان ہے کہ وہ شاید ضلع لدھیانہ بلکہ شہر لدھیانہ کا رہنے والا ہے۔ شاید یہ وہی مولوی عبداللہ ہو جو پسر ہے مولوی محمد ذات شیخ ساکن موضع کوٹ بادل خاں ضلع جالندھر آخر الذکر ٹنڈا ہے اور دیوبند کا تعلیم یافتہ ہے جو شروع میں موضع ہر دو شیخ ضلع جالندھر میں رہتا تھا اور موجودہ مقام پر آنے سے پہلے دس برس تک بوڈل والی ضلع لدھیانہ میں رہا۔ اپنی تعلیم ختم کرنے کے بعد مولوی عبداللہ نے کوٹ بادل خاں میں مدرسہ قائم کیا۔ جہاں عربی و فارسی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ بعد میں وہ موضع روبیہ ضلع لائل پور میں سکونت پذیر ہوا اور کپڑے کی دکان کھولی لیکن جلد ہی کوٹ بادل خاں کو واپس آ گیا۔ اس کے بعد وہ مکہ چلا گیا اور واپسی پر پھر مدرسہ کھول دیا جہاں صوبہ جات متحدہ کے کچھ لڑکے بھی تعلیم پاتے تھے۔ مولوی عبداللہ کا موجودہ اتہ پتہ معلوم نہیں۔

(۴۵) عبدالمجید:

سابق کانسٹیبل (ٹانپسٹ) کوہاٹ پولیس ساکن قلعہ سوبھا سنگھ ضلع سیالکوٹ کوہاٹ کی جہادی پارٹی میں شامل تھا جو لاہوری طلباء کے مفقود الخبر ہونے کے بعد آزاد علاقہ کو فرار ہو گئی تھی شاید اس وقت کابل میں ہے۔

(۴۶) عبدالمجید خاں مہاجر:

پسر محمد امین خاں رسالدار میجر پندرہویں لانسرز ساکن ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں جہادی پارٹی میں سے ایک (گورنمنٹ کالج لاہور) جو فروری ۱۹۱۵ء میں آزاد علاقہ کو فرار ہو گئے تھے۔ وہ کابل میں جا کر وفات پا گیا۔

(۴۷) عبدالقادر آزاد سبحانی:

دیکھئے آزاد سبحانی

(۴۸) عبدالقادر مولوی ساکن دین پور:

مولوی غلام محمد ساکن دین پور (ریاست بہاولپور) کا داماد، عبیداللہ کا پہلا معلم، یقین

ہے کہ اس نے اور اس کے خسر نے مولوی عبید اللہ سے اور حیدر آباد سندھ کے شیخ عبد الرحیم سے جس کو تشریحی ریشمی خط بھیجا گیا تھا اپنا تعلق قائم رکھا ہے ستمبر ۱۹۱۶ء میں گرفتار کیا گیا۔ کچھ عرصہ تک اس پر پابندی تھی کہ سرساس رہے۔ اب دین پور میں ہے جہاں سے باہر جانے کی اجازت نہیں۔

جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹننٹ کرنل ہے۔

(۴۹) عبد القادر مولوی ساکن قصور:

قصور کا مشہور پلیڈر، محی الدین عرف برکت علی بی اے جسے واسو یا ضلع ہوشیار پور سے باہر جانے کی اجازت نہیں اور محمد علی بی اے سابق پرنسپل حبیبیہ کالج کابل کا باپ، اتحاد اسلامی کا حامی، جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹننٹ جنرل ہے۔

(۵۰) عبد القادر شیخ مہاجر:

پسر مولوی شیخ احمد دین بی اے اسسٹنٹ انسپکٹر آف اسکولز ساکن قلعہ خزانہ پولیس اسٹیشن صدر گوجرانوالہ ضلع گوجرانوالہ۔ لاہوری جہادی طلباء میں سے ایک ہے۔ (گورنمنٹ کالج لاہور) فروری ۱۹۱۵ء میں بھاگ کر مجاہدین کے پاس چلا گیا تھا۔ کابل میں خاص بڑے سازشیوں سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ عبد القادر کو ڈاکٹر متھرا سنگھ کے ساتھ سیستان میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ جب کہ وہ کابل کی انقلابی پارٹی کی طرف سے خفیہ مشن پر چین اور جاپان جا رہے تھے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ اب لاہور میں گرفتار ہے۔

(۵۱) عبد الرحمٰن مولانا:

مولانا کے نام عبید اللہ کے خط میں صفحہ اوّل پر اس کا تذکرہ ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹننٹ جنرل ہے۔ اسے شناخت نہیں کیا جا سکا۔ یہ عین ممکن ہے کہ یہ شخص دلی کا حافظ عبد الرحیم ہو جس نے ۱۹۱۶ء کے شروع میں انجمن خدام کعبہ پر اعتراض کیا تھا۔ بعد میں اس جھگڑے سے علیحدہ ہو گیا تھا۔

(۵۲) عبدالرزاق صاحب حاجی:

ملائے حضور۔ امیر کے دربار کا بڑا ملا۔ مدرسہ سلطانی یعنی کابل یونیورسٹی کا سربراہ جس میں وہ فلکیات پر لیکچر دیتا ہے۔

دیوبند میں تعلیم پائی۔ مولوی احمد چکوالی کا ہم درس تھا۔

دلی کے مولوی سیف الرحمٰن کا مرید تھا۔ برطانیہ کے سخت خلاف ہے۔ کچھ عرصہ تک سردار عنایت اللہ کا اتالیق رہا۔ دورہ ہند میں ان کے ساتھ تھا۔

سردار نصر اللہ خاں کا ناظر اور معتمد خاص ہے۔ سردار اسی کے ذریعہ سرحد کے دوسرے ممتاز ملاؤں سے خط و کتابت کرتا ہے۔ تمام بڑے ملاؤں کا خاص دوست ہے خصوصاً ملا قمر الدین کا ملا پاوندکا اور لالہ پیر کا۔ اطلاع ملی تھی کہ ۱۹۰۸ء میں ۱۵۰ پیرووں کے ہمراہ برطانیہ کے خلاف غزہ میں شامل ہونے کو روانہ ہوا تھا لیکن امیر نے روک لیا۔

کابل میں ہندوستانی انقلابی پارٹی کا پشت پناہ ہے۔ سرحد پار جتنی بھی متعصّبانہ کارروائیاں ہوتی ہیں ان سب کی ڈور یہی شخص ہلاتا ہے۔ حالیہ قبائلی شورشوں سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ جب روسیوں نے عبدالباری اور ڈاکٹر متھرا سنگھ کو گرفتار کیا تھا تو ان کے پاس عبدالرزاق کے دستخطی پاسپورٹ تھے۔

(۵۳) عبدالسلام فاروقی سیّد، مولوی:

سیّد عبدالسلام، مالک فاروقی پریس دہلی، یہی شخص ہے جو ندوۃ العلماء اور انجمن خدام کعبہ کا رُکن ہے۔ جب شبلی نعمانی کو ندوہ سے علیحدہ کر دیا گیا تھا اور وہ سیاسی پروپیگنڈہ کے لیے اس میں واپس آنے کی انتہائی کوشش کر رہے تھے تو اس نے بڑی سختی کے ساتھ ان کی حمایت کی تھی۔ ترکی سے جنگ چھڑنے پر ڈاکٹر انصاری نے اپنے گھر میں جو میٹنگ معاملہ پر غور کرنے کے لیے طلب کی تھی یہ بھی اس میں مدعو تھا۔ انجمن خدام کعبہ کے حساب کتاب کے سوال پر حال ہی میں جو بحث چلی اس میں مولانا عبدالباری اور انجمن کی اس نے پرزور وکالت کی۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں یہ کرنل ہے۔

(۵۴) عبد الوحید:

وحید میں دیکھئے، ص ۹۱

(۵۵) عبد الرحیم مولوی عرف محمد بشیر عرف محمد نذیر:

پسر مولوی رحیم بخش سابق امام چینیاں والی مسجد لاہور۔

وہابیوں کی کتابوں کا بیوپاری، انتہائی متعصب اور پر جوش۔ جہاد تحریک کا بڑا سرگرم ممبر ہے۔ لاہور کے جہادی طلباء کے سرحد کو فرار کے لیے خاص ذمہ داری اسی کی ہے۔ ان طلباء کے مفقود الخبر ہونے کے بعد خود بھی اچانک بڑی تیزی کے ساتھ آزاد علاقہ کو غائب ہو گیا۔ ہندوستانی متعصبوں میں اس کا بہت کافی اثر ہے۔

مجاہدین کی حال ہی میں چمرقند میں جو آبادی قائم ہوئی ہے۔ عبدالکریم کی غیر حاضری میں اس کے گورنر کے فرائض انجام دیتا ہے۔ کابل میں خاص سازشیوں سے اس کا رابطہ ہے۔ رئیس المجاہدین اور سردار نصر اللہ خاں کے ایلچی کا کام کرتا ہے کئی مرتبہ کابل جا چکا ہے۔ ۱۹۱۵ء کی سرحدی جنگ میں حصہ لے چکا ہے۔ درحقیقت اسی شخص نے بنیر، سوات کے قبائل کو اور مہمندوں کو برطانوی سرحد پر حملہ کے لیے اُکسایا تھا۔ اس مقصد کے لیے وہ سردار نصر اللہ خاں سے روپیہ اور گولی بارود لایا تھا۔ اب سرحد پار کے علاقہ میں قبائلیوں کو جہاد پر اُکسانے میں سرگرمی سے مصروف ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔

(۵۶) عبد الرحیم مولوی ساکن عظیم آباد:

بہار واڑیسہ کا ایک ممتاز وہابی اسی کنبہ کا ایک فرد معلوم ہوتا ہے جس سے اس کے پیشوا احمد اللہ کا تعلق ہے جس کو ۱۸۶۵ء میں وہابیوں کے مقدمات میں عمر قید کی سزا ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا باپ غدر میں پکڑا گیا تھا۔ بظاہر بہت بوڑھا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ عبدالرحیم ان لوگوں میں سے ایک ہے جن سے ستمبر میں ہندوستان سے سعودی عرب روانہ ہونے سے قبل محمود الحسن نے مشورہ طلب کیا تھا۔ عبدالرحیم نے محمود الحسن کے اس ارادہ کی تائید کی تھی کہ وہ عربستان چلے جائیں۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹننٹ کرنل ہے۔

(۵۷) عبدالرحیم مولوی ساکن رائے پوری:

دیکھئے رائے پوروالا مولوی۔

(۵۸) عبدالرحیم شیخ صاحب ساکن حیدرآباد سندھ:

جس کو ریشمی خطوط میں سے تشریحی خط بھیجا گیا تھا۔ بھگوان داس زمیندار کا لڑکا ہے۔ ہندو سے مسلمان ہوا تھا۔ دوسرے با حیثیت ہندوؤں کو مسلمان کرنے کی کوشش کے باعث کافی بدنام ہے۔ پیشہ کے اعتبار سے درزی ہے۔ حیدرآباد میں حکیم عبدالحکیم کے مکان کے قریب گاڑی احاطہ میں رہا کرتا تھا۔ شیخ ابراہیم سندھی ایم اے سابق پروفیسر حبیبیہ کالج اور عبدالمجید مدیر ''الحق'' حیدرآباد اور ایم عبیداللہ کا شریک کار ہے۔ عبیداللہ کے سفر کابل کا اہتمام کرنے میں ان کی مدد کی تھی۔ سازش کا ایک اہم رکن تھا اور ایک مشہور متعصب ہے جو ہندوستان، حجاز اور کابل میں موجود سازشیوں کے درمیان رابطہ کا کام کرتا ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے اس کا موجودہ پتہ معلوم نہیں۔ ممکن ہے عبیداللہ کے ساتھ کابل میں ہو۔

(۵۹) عبدالرحمٰن:

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر ہے۔ گمان غالب یہ ہے کہ یہ عبدالرحمٰن ہے جو شیخ عبداللہ مہاجر کا بھائی، شیخ عبدالقادر سیکرٹری ڈسٹرکٹ بورڈ میانوالی کا لڑکا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں گورنمنٹ کالج میں ایف اے کا طالب علم تھا۔ جہادی طلباء کے اسمس پہنچنے کے دس دن بعد ان سے جاملا تھا اس وقت کابل میں ہے۔

(۶۰) عبدالرحمٰن:

محمود مسعود کے بیان میں اس کا تذکرہ ہے کہ یہ مولانا محمود الحسن کے ان آدمیوں میں ہے جن کو ۱۹۱۵ء میں سرحد پار بھیجا گیا تھا تاکہ آزاد قبائل کو جہاد کے لیے تیار کریں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ پنجابی ہے لیکن اس کا پتہ معلوم نہیں ہوسکا۔ ممکن ہے یہ وہی عبدالرحمٰن ہو جس نے فضل ربی، فضل محمود وغیرہ کے ساتھ جون ۱۹۱۶ء میں کابل کا سفر کیا تھا۔ شاید اس وقت حاجی ترنگ زئی کے ہمراہ آزاد علاقہ میں ہے۔

(۶۱) عبدالرحمٰن ساکن جالندھر:

پہلا شخص ہے جو مولانا محمود الحسن اور ان کے رفقاء کے مکہ پہنچنے پر ان سے ملا۔ عبدالرحمٰن کا پتہ نشان اب تک یقینی طور پر معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ دیوبند کے مدرسہ کا سابق طالب علم ہے اور اس وقت مکہ کے مدرسہ صولتیہ میں پڑھ رہا تھا۔ بعد میں اس نے اس جماعت کے کھانے کے انتظامات میں خان محمد کی مدد کرنی شروع کر دی۔ ۳۵ برس عمر بتائی جاتی ہے۔ ممکن ہے یہ کوٹ بادل خان ضلع جالندھر کا عبدالرحمٰن ہو جو ایک وقت میں دیوبند کا طالب علم تھا اور اب اپنے گھر سے غائب ہے۔ یہ عبدالرحمٰن مولوی عبداللہ کا بھائی ہے جسے شاید عبداللہ ٹنڈا کہتے ہیں محمد مسعود کے بیان میں اس کا ذکر ہے۔

(۶۲) عبدالرحمٰن شیخ:

گوجرانوالہ ضلع کا رہنے والا ایک سابق سکھ۔ کچھ عرصہ تک انارکلی بازار لاہور میں درزی کا کام کرتا رہا۔ تقریباً ۶ برس قبل ہندوستانی متعصبوں میں شامل ہو گیا۔ ہندوستان سے مجاہدین کے لیے چندہ لانے والا خاص ایجنٹ ہے۔ خیال ہے کہ مولوی احمد چکوالی اور رفاہ عام پریس لاہور کے مولوی عبدالحق سے اکثر ملاقاتیں کر کے روپیہ لیا ہے۔

(۶۳) عبدالرشید مہاجر:

پسر حافظ عبداللطیف پلیڈر باشندہ لاہور جو مردان میں پریکٹس کرتا ہے۔ جہادی طلباء میں سے ایک ہے (گورنمنٹ کالج لاہور) جو فروری ۱۹۱۵ء میں فرار ہو کر مجاہدین میں پہنچ گئے تھے۔ شاید اب آزاد علاقہ میں اس انقلابی پارٹی کے ہمراہ ہے جو ۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء کو کابل سے سرحدی ملاؤں وغیرہ کے لیے سردار نصراللہ خاں کے خفیہ خطوط لے کر روانہ ہوئی تھی جس میں ان کے متحد ہونے اور برطانیہ کے خلاف جنگ کرنے کے واسطے کہا گیا تھا۔ جنود ربانیہ میں کرنل ہے۔

عبدالرزاق صاحب حکیم:

پسر جان محمد عرف عبدالرحمٰن صاحب انصاری باشندہ غازی پور، صوبہ جات متحدہ، دلی

کے ڈاکٹر انصاری کا بھائی، مشہور حکیم ہے اور حیدر آباد دکن میں برسوں طبابت کی ہے۔ مولانا محمود الحسن کا پکا مرید ہے۔ ان کو ہجرت کے لیے اُکسانے والے خاص لوگوں میں ہے۔ محمود الحسن کے سفر عرب کے تمام انتظامات کیے اور ان کو رخصت کرنے بمبئی تک گیا۔ محمود الحسن کے کنبہ کے مصارف کے لیے پچاس روپیہ ماہانہ دے رہا ہے۔ بلاشبہ سازش کا ایک رکن تھا۔ ۱۰ نومبر ۱۹۱۶ء کو اس نے مولوی محمد مسعود کو حجاز روانہ کیا تاکہ مولانا محمود الحسن کو متنبہ کر دے کہ وہ ہندوستان نہ آئیں اور انہیں اس ملک میں سازش کی پیش رفت سے آگاہ کرے۔ عبیداللہ نے حضرت مولانا کو جس خط میں جدہ کے بعد کے واقعات بیان کیے اس میں حکیم صاحب کے الفاظ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹنٹ جنرل ہے۔

(۶۵) عبدالسلام:

پسر حاجی محمد اکبر صدر مدرسہ امدادیہ مراد آباد۔ یہ عربستان میں ہے۔ مکہ میں باغیان دیوبند کے مذاکرات جہاد میں حصہ لیا تھا۔ اس کے باپ کے ذریعہ مولانا محمود الحسن کو یہ اطلاع دی جاتی تھی کہ وہ ہندوستان آئیں یا نہیں۔ باپ بیٹا دونوں مدینہ میں محمود الحسن اور ہندوستان میں اس کے دوستوں اور رشتہ داروں کے درمیان خط و کتابت کے لیے واسطہ کا کام دیتے تھے۔

(۶۶) علی محمد:

پسر سیّد شرف الدین کا غازی ساکن موضع کینتھان تھانہ واسو ضلع ہوشیار پور بٹالہ کے ڈاکٹر غلام نبی کے ہمراہ بطور کمپونڈر کابل گیا تھا۔ اب تک حکومت افغانستان کا ملازم ہے۔ ریشمی خطوط لانے والے شیخ عبدالحق کا بیان ہے کہ کابل میں ہندوستان کے مہاجر طلباء اس کے ذریعہ اپنے رشتہ داروں سے خط و کتابت کرتے تھے اور یہ خط و کتابت اب تک اس کے ذریعہ جاری ہے۔ مارچ ۱۹۱۶ء میں وہ رخصت پر پنجاب آیا تھا۔ جاتے وقت عبداللہ، ظفر حسن، خوشی محمد اور عبدالحمید مہاجرین کے گھر سے کپڑے لے گیا تھا۔

(۶۷) انیس احمد مولوی بی اے:

پسر مولوی ادریس احمد آف علی گڑھ کالج جمعیۃ الانصار دیوبند کا اور بعد میں نظارۃ

المعارف القرآنیہ کا طالب علم رہا۔۱۹۱۲ء کی جنگ بلقان میں ترکی کی مدد کے لیے اس نے بڑے جوش وخروش سے چندہ جمع کیا اور بڑے جوش وجذبہ کے ساتھ یورپی مال کے بائیکاٹ کی تحریک چلائی۔ اس نے خود بھی یورپی کپڑا پہننا چھوڑ دیا اور گاؤں کا بنا ہوا موٹا کھدر پہننے لگا۔ دیوبند میں خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا اور مولوی عبیداللہ کا نہایت مخلص ساتھی تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جہاد کے لیے روپیہ جمع کرنے میں اس نے محمد میاں کی بھی مدد کی ہے۔ اس کا باپ ادریس احمد نظارۃ المعارف کمیٹی کا ممبر تھا اور دلی کی مشہور وہابی فرم حاجی علی جان اینڈ کمپنی کے حاجی عبدالغفار کا دوست تھا۔ مولانا محمودالحسن میں جہاد کا خیال پیدا کرنے اور اس کو تقویت دینے کی ذمہ داری میں اس کا بھی حصہ ہے۔ شاید وہ سازش جہاد کا رکن تھا۔ آج کل وہ علی گڑھ میں دینیات کا پروفیسر ہے۔

(۶۸) انور شاہ مولوی:

مدرسہ دیوبند کا ایک اُستاذ، کشمیری اور نامور عالم ہیں۔ دیوبند میں ان کا بڑا احترام کیا جاتا ہے۔ جنگ بلقان کے زمانہ میں انہوں نے ہلال احمر کے لیے روپیہ جمع کرنے میں جمعیۃ الانصار کی بڑی سرگرمی سے مدد کی۔ وہ غیر ملکی مال کے بائیکاٹ کے بھی حامی تھے۔ خیال ہے کہ ایم انور شاہ بھی سازش میں شریک تھے۔ وہ مولانا محمودالحسن کے ہمراہ جانے والے تھے لیکن آخرالذکر نے اپنے بعد ہندوستان میں قیام کرنے پر اصرار کر کے روک دیا۔

(۶۹) عزیر گل:

پسر شہید گل کا کاخیل پٹھان درگاتی شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں رہتا ہے۔ بڑا آتشیں مزاج ہے۔ جب وہ دیوبند میں طالب علم تھا اسی وقت سے مولانا محمودالحسن کا پکا مرید ہوگیا تھا۔ بڑا اہم سازشی ہے۔ ہجرت کا بڑا خواہش مند ہے۔ ان لوگوں میں سے ایک ہے جنہوں نے ہمیشہ مولانا کو اُکسایا ہے کہ وہ جہاد کے لیے ہجرت کر جائیں۔

وہ دیوبند میں خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا اور ستمبر ۱۹۱۵ء میں محمودالحسن کے ہمراہ عرب گیا تھا۔ اس کے سفر حجاز سے قبل مولانا محمودالحسن نے اس کو آزاد علاقہ میں بھیجا تھا تاکہ

حاجی صاحب، سیف الرحمٰن اور دوسرے منحرف لوگوں کو مطلع کر سکے کہ حضرت مولانا کا ارادہ ہندوستان سے ہجرت کرنے کا ہے۔ نیز لڑائی کا اور جہاد کی تیاریوں کا مشاہدہ کر سکے۔ وہ حضرت مولانا کے ہمراہ اس وقت بھی ٹھہرا رہا جب کہ ان کے اکثر پیرو اور مریدین ہندوستان کو واپس کروائے گئے۔ یہ کہا جاتا تھا کہ عزیز گل، انور پاشا اور جمال پاشا کے فرمان لے کر عنقریب ہندوستان آئے گا اور اس فرمان کو افغانستان لے جانا ہوگا لیکن بعد کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مکہ میں شریف مکہ کے حکم سے ۲ دسمبر کو یا اس کے لگ بھگ گرفتار کر لیا گیا اور جدہ بھیج دیا گیا۔ جہاں سے ۱۲ جنوری ۱۹۱۷ء کو اسے مصر روانہ کر دیا گیا، جنود ربانیہ کی فہرست میں مولوی عزیز گل کا نام لے کر اسے کرنل دکھایا گیا ہے۔

(۷۰) عزیز الرحمٰن:

مطلوب الرحمٰن کا سب سے بڑا بھائی، مدرسہ دیوبند میں مفتی کی حیثیت سے ملازم تھا۔ وہ مولانا محمود الحسن کا پکا معتقد تھا لیکن شاید اس سازش میں شامل نہ تھا۔

(۷۱) بابرہ ملا صاحب:

جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹنٹ جنرل ہے۔ عبدالرحمٰن سالارزئی بایوکٹرہ باجوڑ کا لڑکا ہے۔ سالارزئی اور مہمند قبائلیوں میں بااثر ہے۔ عمر ۶۶ سال ہے۔ بڑا فسادی سرکش مولوی ہے۔ ۱۹۱۵ء میں ابتدا میں جہاد سے انکار کیا لیکن جب حاجی صاحب ترنگ زئی نے طعنہ دیا تو دس ہزار مہمندوں کے ساتھ شب قدر پر ستمبر ۱۹۱۵ء میں حملہ آور ہوا۔ اس کو جان صاحب بھی کہا جاتا ہے لیکن اس پر جان صاحب باجوڑ کا شبہ نہ ہونا چاہیے۔

(۷۲) برکت اللہ مولوی بھوپالی:

وہی بدنام مولوی برکت اللہ ہے جو ٹوکیو میں اُردو کا سابق پروفیسر تھا۔ مخالف برطانیہ پروپیگنڈہ کی وجہ سے جاپان میں مشہور ہو گیا۔ بھوپال کے منشی قدرت اللہ کا لڑکا ہے۔ ۱۹۱۴ء میں حکومت جاپان کی طرف سے برطرف کیے جانے کے بعد سان فرانسسکو چلا گیا اور وہاں غدر پارٹی کا سرگرم ممبر بن گیا۔ وہاں سے برلن پہنچا جہاں وہ انڈین نیشنل پارٹی کا ممبر بن گیا۔

بعد میں جرمن ترک مشن کے ہمراہ کابل کو روانہ کیا گیا۔

راجہ مہندر پرتاپ اور عبیداللہ کے ساتھ افغانستان میں ہے اور بڑی سرگرمی کے ساتھ افغانستان کو برطانیہ کے خلاف جنگ پر اُکسانے میں مصروف ہے۔ حضرت مولانا کے نام اپنے خط میں عبیداللہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ لیفٹنٹ جنرل ہے۔ جس خط میں حکومت موقتہ ہندیہ کی تفصیل دی گئی ہے اس میں بھی اس کا ذکر ہے۔

(۷۳) دارالارشاد (الٰہیات کا مدرسہ):

مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۵ء میں کلکتہ میں قائم کیا۔ دیکھنے میں ایک تعلیمی ادارہ ہے جو قرآن و حدیث کی ہدایت کے عین مطابق چلایا جاتا ہے لیکن شرائط داخلہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقوف علم کے اتحاد اسلامی کا فروغ اس کالج کا مقصد ہے۔ اس میں داخلہ کی بعض شرائط شری آزابندا گھوش کے مانک ٹولہ گارڈن گیتا اسکول کی شرائط سے ملتی جلتی ہیں۔ کالج میں داخلہ تمام میٹرک پاس انڈر گریجویٹ اور گریجویٹ مسلمانوں کے لیے کھلا ہے۔ تمام طلباء پر چھ ماہ کی ٹریننگ کا کورس پورا کرنے کی پابندی ہے۔ اس کے بعد وہ آزاد ہیں چاہے دارالارشاد کے مقاصد کے لیے کام کریں یا کوئی پیشہ خود اختیار کرلیں۔ مولوی محی الدین عرف برکت علی ولد مولوی عبدالقادر پلیڈر قصور، محمد حسین زماں آف گوجرانوالہ جواب ٹریفک میجر نارتھ ویسٹرن ریلوے لاہور کے دفتر میں کلرک ہے۔ ضلع سیالکوٹ کا محمد اکبر اور محمد یونس پسر شیخ محمد یوسف آف گجرات دارالارشاد کلکتہ کے طالب علم رہے ہیں۔ ڈیفنس ایکٹ کے تحت کلکتہ سے مولانا ابوالکلام آزاد کے اخراج کے بعد سے غالباً یہ ادارہ بند ہے۔

(۷۴) فقیر شاہ:

پسر غلام نبی آف کوہاٹ سٹی۔ کوہاٹ اسکول کا سابق طالب علم۔ کوہاٹ کی جہادی پارٹی میں سے ایک ہے۔ لاہوری طلباء کے مفقود الخبر ہونے کے بعد آزاد علاقہ کو فرار ہو گیا تھا۔ غالباً اب کابل میں ہے۔

(۷۵) فتح محمد سندھی:

سابق ہندو جسے دین پور ریاست بہاولپور کے مولوی غلام محمد نے اس وقت مسلمان کیا جب وہ لڑکا تھا۔ تبدیلی مذہب کے بعد رہنے کے لیے وہ امروٹ ضلع سکھر کو چلا گیا جہاں چھ برس گزارے۔ شکار پور اور سکھر میں بیکری کی دکانیں ہیں۔ گائے کی کھالوں کی بھی تجارت کرتا ہے۔ جولائی ۱۹۱۵ء میں مولوی عبید اللہ کے ہمراہ کابل گیا اور مارچ ۱۹۱۶ء میں عبید اللہ، برکت اللہ وغیرہ کے خفیہ خطوط اس ملک کے چند سازشیوں کے نام لے کر واپس آ گیا۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں اس کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا گیا لیکن وہ مفرور ہو گیا اور اب اس کا پتہ ونشان معلوم نہیں۔

(۷۶) فضل الٰہی مولوی:

پسر میراں بخش خرادی ریٹائرڈ سب وے انسپکٹر نارتھ ویسٹرن ریلوے باشندہ محلّہ خرادیاں وزیرآباد ضلع گوجرانوالہ۔ تقریباً ۲۸ برس پہلے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ اب مدت تک اس ریلوے کے انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ میں ملازم رہا۔ ذہنی رجحان کے باعث یہ ملازمت چھوڑ دی اور وہابی مولوی بن گیا۔ انتہائی متعصب ہے اور اس صوبہ کی جہادی تحریک کا ایک خطرناک لیڈر ہے۔

یہی شخص ہے جس نے چینیاں والی مسجد کے مولوی عبدالرحیم کے اشتراک وتعاون سے لاہور کے جہادی طلباء کے فرار کا انتظام کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔ اس پارٹی کے ہمراہ ہری پور ہزارہ تک گیا اور اپنے بھائی محمد الٰہی کے ہمراہ جو ہری پور میں پرمنٹ وے انسپکٹر ہے۔ انہیں اسمس روانہ کر دیا۔ بعد میں آزاد علاقہ میں خود بھی مولوی عبدالرحیم سے جا ملا اور قبائل کو آمادہ جہاد کرنے میں مدد دی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے شب قدر پر حملہ میں حصہ لیا تھا۔ فضل الٰہی نومبر ۱۹۱۵ء میں وزیرآباد واپس آیا۔ اس کے بعد جلد ہی اسے گرفتار کر لیا گیا۔ جہادی طالب علموں کے معاملہ سے تعلق پیدا کرنے سے قبل ہی اس کا ہندوستانی متعصبوں سے رابطہ تھا اور روپیہ کی وصولی اور ترسیل کے لیے ان کے ایجنٹ کے طور پر کام کرتا تھا۔ وزیرآباد کے گردونواح میں اس کے پیروؤں کی تعداد کافی تھی جن سے وہ زکوٰۃ اور قربانی کا روپیہ وصول کرنے کے بہانے کافی

رقوم اکٹھی کرتا تھا۔ ایم فضل الٰہی جمع شدہ رقوم کو وزیر آباد کے رمضان حلوائی کے ذریعہ مجاہدین کو روانہ کرتا تھا۔ ایم ولی محمد منتھوئی والا کا ذاتی معاون تھا اور اس کے گہرے تعاون کے ساتھ تحریک کے لیے کام کرتا تھا۔ مولوی فضل الٰہی ہر اس شخص میں جہاد کی روح پھونک دیتا تھا جو اس سے ملتا تھا اور حافظ عبدالمنان کے شاگردوں کو منحرف کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا تھا جو وزیر آباد کی ایک مسجد میں مذہبی درس دیا کرتے تھے۔ اسمس میں مجاہدین کا پریس جو جہاد کے پمفلٹ چھاپا کرتا تھا اسے مولوی فضل الٰہی نے ہی مہیا کیا تھا۔ خیال ہے کہ وہ کاغذ وغیرہ بھی مہیا کیا کرتا تھا اور اکثر کاپی نویسوں کو مجبور کرتا تھا کہ اس کے لیے کام کریں۔ اس وقت وہ جالندھر جیل میں نظر بند ہے۔

(۷۷) فضلین:

حضرت مولانا کے نام عبیداللہ کے خط میں یہ نام آیا ہے۔ یہ فضل کا تثنیہ کا صیغہ ہے۔ اس سے اشارہ دو مہاجرین یعنی فضل ربی اور فضل محمود کی طرف ہے جن کا تذکرہ جنود ربانیہ کے افسروں میں ہے۔

(۷۸) فضل محمود عرف مولوی محمود:

شاید یہ ضلع پشاور کا رہنے والا ہے۔ مولانا محمود الحسن کا مرید ہے۔ اس کو سیف الرحمٰن اور فضل ربی کے ساتھ سرحد پار بھیجا گیا تھا تا کہ قبائلیوں کو برطانیہ کے خلاف جنگ کے لیے بھڑکا سکیں۔ ۱۹۱۵ء میں قبائلیوں کی شورش کا بڑی حد تک ذمہ دار ہے۔ جون ۱۹۱۶ء کے لگ بھگ مولانا فضل ربی (انجمن حزب اللہ کے یاغستان میں وکیل) اور عبدالعزیز کے ہمراہ حاجی ترنگ زئی کی طرف خفیہ مشن پر کابل گیا کہ سردار نصر اللہ خاں سے ملاقات کرے۔ مشن کے دوسرے ممبروں کی واپسی کے بعد بھی کابل میں ٹھہرا رہا۔ جولائی ۱۹۱۶ء میں انقلابیوں کی پارٹی کے ساتھ آزاد علاقہ کو واپس آیا جو ملاؤں اور خانوں کے لیے سردار نصر اللہ خاں کے خطوط ساتھ لائی تھی۔ وہ حاجی صاحب ترنگ زئی کے لیے خط لایا تھا۔ شاید ابھی تک آزاد علاقہ میں ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹننٹ کرنل ہے۔

(۷۹) فضل ربی:

جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ غالباً یہی ہے مولوی فضل ربی عرف ابوالفتح ولد محمود آف یافہ تھانہ شنکیاری ضلع ہزارہ۔ پہلے حاجی ترنگ زئی کے قائم کردہ مدرسہ مقام غدر تحصیل مردان میں معلم تھا۔ ۱۹۱۸ء میں ایک جلسہ میں جسے غدر اسکول کے لیے روپیہ جمع کرنے کے واسطے طلب کیا گیا تھا۔ اس نے نہایت قابل اعتراض تقریر کی معلوم ہوتا ہے کہ فضل ربی حال ہی میں دیوبند کے مدرسہ کا متعلم تھا جہاں وہ مولانا محمود الحسن کا پکا مرید بن گیا تھا۔ مولانا کے مکان پر خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ محمود الحسن نے اسے مولوی سیف الرحمٰن، فضل محمود وغیرہ کے ہمراہ جہاد کی تبلیغ کے لیے آزاد علاقہ کو بھیجا تھا۔ ۱۹۱۵ء کی بہت سی لڑائیوں کے لیے ذمہ دار ہے۔ جون ۱۹۱۶ء میں فضل ربی فضل محمود اور عبدالعزیز (یاغستان میں انجمن حزب اللہ کے نمائندہ) کے ہمراہ حاجی ترنگ زئی کی طرف سے خفیہ مشن پر سردار نصر اللہ سے ملاقات کرنے کابل گیا تھا۔ دس بارہ دن کے بعد واپس آ گیا تھا۔ اس وقت شاید آزاد علاقہ میں ہے۔

(۸۰) فضل اللہ میاں:

ہندوستانی متعصبوں کے سابق امیر کا شاید بھتیجا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں موجودہ امیر نعمت اللہ سے جس کی کشمکش ہو رہی تھی۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔

(۸۱) فضل الرحمٰن مولوی:

مولوی سیف الرحمٰن کا بھتیجا ہے۔ اس کا باپ بہت عرصہ تک دلی میں رہا اور پھر ریاست ٹونک میں متوطن ہو گیا۔ اس نے فتح پوری کے مدرسہ اور نظارۃ المعارف القرآنیہ میں تعلیم پائی ہے۔ ۱۹۱۳ء میں پنڈت بھوج دت کے اسکول واقع آگرہ میں عربی کا اُستاد تھا جہاں وہ مقامی ٹرکش ریلیف فنڈ کمیٹی کا ممبر بھی تھا۔ جنگ بلقان کے دوران اس نے روپے جمع کرنے میں مدد کی تھی پھر وہ نواکھالی کے مدرسہ احمدیہ میں ہیڈ مولوی بن گیا۔ ۱۹۱۶ء میں دلی کے سینٹ اسٹیفن اسکول میں عربی کا اُستاد اور بعد میں نظارۃ کے عملہ میں سیکنڈ مولوی مقرر رہا جہاں اس کی سازش

جہاد کے ممبروں سے ملاقات رہتی تھی لیکن یہ بات یقینی طور سے نہیں کہی جاسکتی کہ وہ خود سازش سے متعلق تھا یا نہیں۔

(۸۲) غالب:

جدہ کے بعد کی تفصیل بتاتے ہوئے عبیداللہ نے حضرت مولانا کو جو خط لکھا ہے اس میں لفظ غالب سے مراد غالب پاشا ہے جو حجاز کا ترک فوجی گورنر تھا۔ اس کی شہرت اس وقت ہوئی جب اس نے ہندوستانی زائرین سے اصرار شروع کیا کہ وہ اپنے ہم وطنوں میں جہاد کی تبلیغ کریں۔

(۸۳) غالب نامہ:

جدہ کے بعد کے واقعات بتاتے ہوئے عبیداللہ نے حضرت مولانا کو جو خط لکھا ہے اس میں یہ لفظ آیا ہے اس کا لفظی ترجمہ ہے ''غالب کی تحریر'' یہاں اس کا اشارہ اس فرمان کی طرف ہے جو مولانا محمود الحسن نے حجاز کے ترک فوجی گورنر غالب پاشا سے حاصل کیا تھا۔ یہ عام سادہ کاغذ پر عربی، فارسی اور ترکی زبانوں میں لکھا ہوا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ترک برطانیہ عظمیٰ اور دوسرے ملکوں سے برسر جنگ ہے اور ہر جگہ کامیابی ہو رہی ہے۔ فرمان لکھنے والے کی مولانا محمود الحسن صدر مدرس مدرسہ دیوبند سے ملاقات ہوئی اس نے وہ سب باتیں سنیں جو مولانا نے بیان کیں۔ اسے ان پر پورا بھروسہ ہے۔ تمام مسلمان ان کو معتمد سمجھیں اور ان پر بھروسہ کریں اور ان کی ہر ممکن امداد کریں۔ خصوصاً ترکوں کو ان کی مدد کرنی چاہیے۔

محمد میاں عرف مولوی منصور جوان تیرہ منحرف لوگوں میں شامل ہے جو محمود الحسن کے ہمراہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں عرب گیا تھا۔ اس کے بارہ میں خیال ہے کہ وہ غالب نامہ ساتھ لایا تھا اور ملک میں چند سازشیوں کو دکھانے کے بعد اسے کابل لے گیا تھا۔

(۸۴) غلام حسین:

شاید اس کا پورا نام راجہ غلام حسین ہے۔ مرحوم ''کامریڈ'' اخبار کا سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔

(۸۵) غلام محمد کشمیری:

مولوی انور شاہ اُستاد مدرسہ دیوبند کا رشتہ دار ہے۔ جب مولانا محمود الحسن عرب پہنچے تو اسے وہاں رہتے ہوئے کافی مدت ہو چکی تھی۔ خان محمد کو کھانے کے انتظام میں مدد دیا کرتا تھا۔ مطلوب الرحمٰن اکتوبر ۱۹۱۵ء میں اسے ہندوستان واپس لایا تھا۔ یقینی طور پر کہنا مشکل ہے کہ وہ مولانا محمود الحسن کی جہاد کی سازش میں شامل تھا یا نہیں لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اسے غالب پاشا سے مولانا کی ملاقات کا پورا علم تھا۔

(۸۶) غلام محمد صاحب مولانا آف بہاولپور:

پسر حاجی نور محمد، یہ خاندان ابتداء میں ضلع جھنگ کے مقام اہلما میں رہتا تھا لیکن پچاس برس گزرے ریاست بہاولپور میں متوطن ہو گیا تھا۔ مولوی غلام محمد دین پور، علاقہ بہاولپور میں ۱۸، ۱۹ برس سے مقیم ہے۔ وہ ایک با اثر پیر ہے۔ اس کے پیرو کافی زیادہ تعداد میں مغربی پنجاب، سندھ اور بہاولپور میں ہیں۔ غلام محمد اور عبیداللہ دونوں مرحوم پیر محمد صادق آف بھر چونڈی ضلع سکھر (سندھ) کے مرید ہیں۔ مولوی غلام محمد پیر محمد صدیق کا بھی خلیفہ ہے مولوی عبداللہ سندھی جو مارچ ۱۹۱۶ء میں عبیداللہ اور بعض دوسرے ہندوستانی سازشیوں کے خطوط لے کر ہندوستان آیا تھا۔ اس کو ہدایت تھی کہ پیر غلام محمد کو افغانستان لائے لیکن آخر الذکر سفر کی مشکلات اور دشواریوں کی وجہ سے یہ سفر نہیں کر سکا لیکن یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے امیر کو خط لکھا تھا کہ اس نے حلف لے لیا ہے اور جب بھی ہندوستان پر حملہ ہو گا وہ ہر امکانی مدد کرے گا۔ بلوچستان میں ۱۹۱۵ء میں جو جنگ ہوئی وہ اس کی کوششوں کا نتیجہ بیان کی جاتی ہے لیکن اس بات کی تصدیق نہیں ہو سکی ہے۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں اس کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ کچھ عرصہ تک اسے جالندھر کے گاؤں نور محل میں پابند رکھا گیا تھا۔ اب وہ بہاولپور کے مقام دین پور میں ہے جہاں اس کی نقل و حرکت پر پابندی ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹنٹ جنرل ہے۔

(۸۷) غلام نبی:

جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹنٹ کرنل ہے۔ اس شخص کے بارہ میں ابھی تک کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

(۸۸) غلام رسول مولوی:

مدرسہ دیوبند میں معلم ہے۔ خیال ہے کہ مولانا محمود الحسن کی سازش کا رُکن ہے۔ وہ مولانا کے ساتھ عرب جانے پر بالکل تیار تھا لیکن آخر الذکر نے اسے ہندوستان ٹھہرنے پر مجبور کیا۔

(۸۹) حبیب اللہ غازی:

حضرت مولانا کے نام عبید اللہ کے خطوط میں یہ نام آیا ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر ہے۔ کاکوری یوپی کا باشندہ ہے۔ اس کو غازی اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس نے جنگ بلقان میں ترکوں کی طرف سے حصہ لیا تھا جب مولانا محمود الحسن مکہ پہنچے تو یہ مکہ میں تھا کیونکہ بے وسیلہ تھا اس لیے طے پایا تھا کہ وہ کھانا تیار کرنے میں مدد دے جس کے بدلہ میں اسے مفت کھانا دیا جائے۔ بعد میں وہ مولانا کا معتقد اور پیرو ہو گیا۔ مکہ و مدینہ میں خفیہ میٹنگوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ غالباً اس وقت شام میں ہے اور ترکی فوج میں بھرتی ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔

(۹۰) حبیب الرحمٰن مولوی:

نائب مہتمم دیوبند مدرسہ، مطلوب الرحمٰن کا بھائی۔ ان تیرہ منحرف اشخاص میں شامل ہے جو مولانا محمود الحسن کے ہمراہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں عرب گئے تھے۔ حبیب الرحمٰن ایم عبید اللہ اور ایم محمود الحسن کی اسکیموں میں شامل نہیں ہوا اس کو وفادار سمجھا جا سکتا ہے۔

(۹۱) ہادی حسن سیّد:

دیکھئے سیّد ہادی کے تحت۔

(۹۲) حاجی صاحب ترنگ زئی:

حضرت مولانا کے نام عبید اللہ نے اپنے خطوط میں صرف حاجی لکھ کر اس کا تذکرہ کیا ہے اور جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ لیفٹنٹ جنرل ہے۔ اس کا اصلی نام فضل واحد ہے لیکن حاجی صاحب ترنگ زئی کے نام سے مشہور ہے۔ لڑکا ہے فضل احمد حاجی خلیل محمد پیرزادہ آف عمرزئی

آف ترنگ زئی نزد چارسدہ ضلع پشاور کا۔ مرحوم ملا ہدا کے پیروؤں میں اور پشاور کے اکثر دیہات میں نہایت با اثر ہے۔ نہایت متعصب ہے اور حکومت کے خلاف سخت مخالفانہ جذبات رکھتا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں دیوبند کے مولانا محمود الحسن کے ایماء پر آزاد علاقہ میں چلا گیا تھا۔ جہاں سیف الرحمٰن اس سے جا ملا تھا۔ اس کے بعد سے مہمند بونروال اور دوسرے قبیلوں کو علم جہاد بلند کرنے پر اُکسانے میں نہایت سرگرم رہتا ہے۔ شب قدر کے حملہ کے لیے خاص طور سے ذمہ دار ہے۔ کابل کے سازشیوں سے رابطہ ہے اور پانی پت کے ایم حمد اللہ اور صوفی مسجد لاہور کے مولوی احمد کے ذریعہ دیوبند پارٹی سے امداد حاصل کی ہے۔

(۹۳) حکیم جمیل:

جدہ کے بعد کے واقعات بیان کرتے ہوئے عبید اللہ نے حضرت مولانا کو جو خط لکھا ہے اس میں اس کا تذکرہ ہے۔

حکیم جمیل الدین آف دیوبند، بلیا میں طبابت کرتا ہے، شمس العلماء حافظ محمد احمد مدرسہ دیوبند کے وفادار پرنسپل کا معتقد ہے۔ شاید آج کل جون پور میں ہے۔

(۹۴) حکیم صاحب:

جدہ کے بعد کے واقعات کے بیان میں جو خط عبید اللہ نے حضرت مولانا کو لکھا ہے اس میں اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ حکیم عبدالرزاق انصاری ہے جو ڈاکٹر انصاری کا بھائی ہے۔

(۹۵) حمد اللہ مولوی آف پانی پت:

شیخ عبدالرحیم آف حیدر آباد سندھ کے نام عبید اللہ کے تشریحی خط میں نیز جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹنٹ جنرل کی حیثیت سے یہ نام آیا ہے ولد سراج الدین ذات شیخ آف پانی پت ضلع کرنال۔ ابتدائی تعلیم پانی پت و کانپور میں حاصل کی۔ بعد میں دیوبند کے مدرسہ میں شامل ہوا۔ جہاں وہ تقریباً تین برس تک رہا۔ تکمیل تعلیم کے بعد کرنال، چھتاری ریاست وغیرہ مقامات میں ۱۹۱۲ء تک رہا۔ اس کے بعد ترجمہ قرآن میں مولانا محمود الحسن کی مدد کرنے کے لیے دیوبند کے مدرسہ میں پھر شامل ہو گیا۔ وہ مولانا کا پکا مرید بن گیا اور عبید اللہ ایم ابو احمد، ایم احمد

علی وغیرہ کا شریک ہوگیا۔ جن کے بارہ میں اب معلوم ہوا ہے کہ وہ اتحاد اسلامی کے لیے جہاد کے بڑے اہم مبلغ ہیں۔ جنگ بلقان کے دوران ترکی کی مدد کے لیے ایک ہزار روپے جمع کیے۔ دیوبند کی خفیہ میٹنگوں میں شامل ہوا کرتا تھا۔ بعد میں وہ خورجہ کے مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں معلم کے طور پر مقرر ہوگیا اس ذریعہ سے وہ دیوبند کے اسفار کے اخراجات پورے کرتا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ مولانا محمود الحسن کے ہمراہ حجاز جانے والے سازشی ساتھیوں کے کنبوں کی دیکھ بھال کرے اور سرحد پار کی پارٹی کو روپیہ بھیجنے نیز ہندوستان میں کام کی پیش رفت سے مولانا کو باخبر رکھے۔ نیز مولانا اور سرحد پار کے لوگوں کے درمیان خط وکتابت کے رابطہ کا کام دے۔ اس ساری مدت میں اس نے مولانا کی بڑے وفادار ساتھی کی طرح خدمت کی ہے اور اس کو خاص آدمی کہا جاتا ہے۔ نومبر ۱۹۱۵ء میں یار محمد کابلی کے ذریعہ اس نے دوسوتیس روپے مجاہدین کے ایلچی کے ذریعہ روانہ کیے۔ کابل سے ایم عبداللہ سندھی جو خطوط لایا تھا ان میں سے ایک خط اور جہاد کے دو فتاویٰ ایم حمداللہ کے واسطے تھے۔ بلاشبہ محمود الحسن نے جب وہ ہندوستان میں تھے اس کو چندہ جمع کرنے کے لیے ملازم رکھا تھا۔ ایم حمداللہ اس وقت موگا ضلع فیروز پور میں ہے اور اس کی نقل وحرکت پر پابندی ہے۔

(۹۶) حنیف مولوی:

جدہ کے بعد کے واقعات کے بیان میں عبیداللہ نے حضرت مولانا کو جو خط لکھا ہے اس میں یہ نام آیا ہے۔ مولوی محمد حنیف مولانا محمود الحسن کے بھتیجے اور داماد ہیں دیوبند کا ایم محمد مسعود جسے حکیم عبدالرزاق انصاری نے نومبر ۱۹۱۶ء میں مولانا کو یہ بتانے کے لیے عرب بھیجا تھا کہ وہ ہندوستان نہ آئیں۔ اس کا بھائی ہے۔ متھرا کے گورنمنٹ ہائی اسکول میں ٹیچر ہے۔ مولانا نے مکہ روانہ ہوتے وقت گھر کا انتظام اس کے سپرد کر دیا تھا۔

(۹۷) حرمت اللہ:

عبیداللہ نے جدہ کے بعد کے واقعات بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا کو جو خط روانہ کیا ہے اس میں یہ نام آیا ہے۔ یہ شخص قازان، روسی، ترکستان کا باشندہ ہے۔ کچھ عرصہ تک وہ اپنے

ایک ہم وطن احمد جان کے ہمراہ دیوبند میں زیر تعلیم رہا۔ تقریباً دو برس ہوئے یہ دونوں مولانا حسین احمد مدنی کے ہمراہ دیوبند سے حجاز چلے گئے اور خیال ہے کہ اب وہیں ہیں۔

(۹۸) ہرنام سنگھ عرف ارجن سنگھ:

پسر بھاگ سنگھ مہاجن موضع کہوٹہ ضلع راولپنڈی ایس ایس کوما گاٹو مارو جہاز کے جاپان جیسے دور دراز ملک تک کے سفر اور واپسی میں گردیت سنگھ کا نائب خاص تھا۔ وہ ماشیما مارو نامی جہاز کے ذریعہ بیر سنگھ کے ہمراہ ہندوستان واپس آیا۔ جو کوما گاٹو مارو مہم کا جوائنٹ سیکرٹری تھا۔ عرشہ جہاز پر مسافروں کو بھڑکانے کی اس نے سرگرم کوششیں کیں اور پھر مدہن سنگھ کی پارٹی کے ہمراہ نانند پر چلا گیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس نے خالصہ کالج امرتسر میں تعلیم پائی ہے۔ سکھ غدر سازش کا انکشاف ہونے پر جب لاہور میں گرفتاریاں کی گئیں تو وہ ڈاکٹر متھرا سنگھ کے ہمراہ سرحد پار کر کے تیراہ میں بھاگ گیا اور وہاں سے پیش بلک پہنچا جہاں افغان حکام نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا اور حراست میں کابل پہنچا دیا۔ انہیں جیل میں ڈال دیا گیا تھا لیکن بعد میں سردار نصر اللہ خاں نے راجہ مہندر پرتاپ کی سفارش پر ان کو رہا کر دیا۔ اس کے بعد سے یہ لوگ وہاں پر برطانیہ کے خلاف غدر پارٹی کے سرگرم اور باضابطہ ممبر بن گئے۔ کابل سے ہرنام سنگھ اور متھرا سنگھ نے مشترکہ طور پر مردان میں گائیڈس کے رسالہ کے دفعدار ہرچرن سنگھ کو اور راولپنڈی کے بھائی ہرنام سنگھ کو باغیانہ خطوط لکھے جن میں ہندوستانی فوجیوں کو بغاوت کے لیے بھڑکانے کی تلقین کی گئی تھی۔

ہرنام سنگھ ۱۹۱۶ء میں بھیس بدل کر ہندوستان آنے والا تھا تاکہ بعض ہندوستانی مہاراجاؤں کے نام قیصر جرمنی کے جو خطوط راجہ مہندر پرتاپ لایا تھا وہ مکتوب الیہم کو پہنچائے جا سکیں لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اس مقصد کے لیے اس نے واقعتاً ہندوستان کا سفر کیا یا نہیں۔ شاید وہ اس وقت کابل میں ہے۔

(۹۹) ہاشم:

یہ شخص عرب سے دسمبر ۱۹۱۶ء میں ہندوستان آنے والا تھا تاکہ رتھیڑی کے سیّد نور الحسن

سے وہ فرمان لے کر کابل پہنچا دے جو ایس ہادی حسن ایس ایس نامی جہاز کے ذریعہ لائے تھے۔ ہندوستان میں اس شخص کو نہیں دیکھا گیا نہ ہی ٹھیک سے اس کی شناخت کی جا سکی ہے۔ محمد مسعود کی ملاقات اس سے مکہ میں ہوئی تھی، جہاں کہ وہ مولانا محمود الحسن سے ملاقات کرنے کے لیے اکثر آیا کرتا تھا۔ اسے حیدر آباد (غالباً دکن) کا باشندہ بیان کیا گیا ہے وہ ترکی ٹوپی پہنتا ہے۔ تقریباً ۳۰ سال کا ہے، درمیان قد ہے، گٹھا ہوا بدن ہے، گندمی رنگ ہے، لمبوترا چہرہ ہے، چھوٹی سی داڑھی ہے، نئے فیشن کا لباس پہنتا ہے اور اُردو خوب بولتا ہے۔

(۱۰۰) حسرت موہانی:

حضرت مولانا کے نام جدہ کے بعد کے واقعات بیان کرتے ہوئے عبیداللہ نے اپنے خط میں یہ نام لکھا ہے اور اسے جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹننٹ جنرل لکھا ہے۔ فضل الحسن عرف حسرت موہانی بی اے پسر اظہر حسین آف علی گڑھ (یو، پی) بدنام صحافی، تحریک سودیشی کا حامی ہے۔ ابوالکلام آزا، عبیداللہ، محمد علی (آف کامریڈ) اور شوکت علی کا بے تکلف ساتھی ہے۔ مرحوم اُردوئے معلیٰ کا ایڈیٹر تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ سازش میں شامل تھا اور کابل میں ایم عبیداللہ سے ابوالکلام آزاد کے ساتھ جا کر ملنے والا تھا۔ ملک سے براہِ کوئٹہ ان کی روانگی کے تمام انتظامات مکمل تھے لیکن اپریل ۱۹۱۶ء میں حسرت کی گرفتاری سے سارا منصوبہ ناکام ہو گیا۔

(۱۰۱) حزب اللہ:

یہ ادارہ ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۳ء میں کلکتہ میں قائم کیا تھا۔ بیرونی طور پر ہر وقت سرگرم سفر رہنے والے مسلم مبلغین کا اصلاحی و تبلیغی ادارہ ہے لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی اصل غرض و مقصد حکومت دشمنی ہے۔ ابوالکلام آزاد نے یہ اسکیم ۱۹۱۳ء میں تیار کی تھی جبکہ جنگ بلقان جاری تھی۔ اس کے اپنے الفاظ میں یہ ادارہ ایسے آدمیوں کی جماعت ہو گی جو راہِ خدا میں جہاد کریں جو دنیاوی فلاح کی توقعات، اُمنگیں، تعلقات اور رشتے ختم کر دیں۔ اپنے قلوب کو زندگی کی راحتوں اور آسانیوں سے پاک کر لیں اور اپنی زندگیاں مذہب اور عقیدہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیں اور خدا اور اس کے فرشتوں کو اپنے ایثار و قربانی کا گواہ بنا لیں۔ لاہور میں

اس سوسائٹی کی شاخ ہے جس کا انتظام حامد علی چشتی کے سپرد ہے۔ دوسرے صوبوں میں بھی ایسی ہی شاخیں ہیں۔ ممبروں کی تعداد کئی ہزار ہے۔ ہمیں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ یہ سب لوگ اتحاد اسلامی کے پروپیگنڈے میں مصروف ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حزب اللہ کا ایک وفد جس میں ایک نمائندہ عبدالعزیز ہے جو جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۵ء میں سرحد پار روانہ کیا تھا۔ وہ آزاد علاقہ میں قبائل کو جہاد کے لیے بھڑکانے کا ایک حد تک ذمہ دار ہے۔ لاہور کی شاخ اب تقریباً ختم ہو چکی ہے۔

(۱۰۲) حضرات یاغستان:

جدہ کے بعد کے واقعات بیان کرتے ہوئے عبیداللہ نے حضرت مولانا کو جو خط لکھا ہے اس میں یہ آیا ہے۔ غالباً سیف الرحمٰن، حاجی ترنگ زئی، فضل ربی، فضل محمود وغیرہ وغیرہ مراد ہیں۔

(۱۰۳) حسین حیدر:

اس کو حیدر حسین بھی کہا گیا ہے۔ مکہ میں تسبیحیں بناتا ہے، اس کو ہندوستانی بتایا ہے لیکن ابھی تک ٹھیک نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ کون ہے۔ حسین حیدر مکہ میں جہاد سے متعلق دھرم پور رباط کی خفیہ بات چیت میں شریک ہوا کرتا تھا اور اسے خاص میٹنگوں میں بھی مدعو کیا جاتا تھا۔ مولانا محمود الحسن کی غالب پاشا سے ملاقات کرانے میں بھی اس نے مدد کی تھی۔ غالباً یہی شخص پاشا سے غالب نامہ لایا تھا۔

(۱۰۴) حسین:

واقعات بعد جدہ بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا کو عبیداللہ نے جو خط لکھا ہے اس میں یہ نام آیا ہے۔ یہ حسین احمد مدنی ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹننٹ جنرل ہے۔ یہ خاندان اصل میں ضلع فیض آباد یو، پی کا ہے لیکن ۱۸۹۹ء میں حجاز کو ہجرت کر گیا تھا۔ مولوی حسین احمد مدنی مدینہ کے مفتی تھے۔ ہندوستان سے جانے سے پہلے وہ دیوبند میں مدرس تھے۔ مولانا محمود الحسن کا پکا مرید اور جہاد کا زبردست مبلغ ہے۔ دو سال ہوئے اپنے بھتیجے وحید کے ساتھ جو اس

کے مرحوم بھائی ایم صدیق کالڑکا ہے ہندوستان آیا تھااور دیو بند میں مولانا محمودالحسن کے مکان میں چند ماہ قیام کرنے کے بعد وحید کو مدرسہ میں طالب علم کی حیثیت سے چھوڑ کر عرب کو واپس ہوگیا تھا۔ مدینہ میں مولانا محمودالحسن اس کے مکان میں ٹھہرے تھے۔ شریف مکہ کے حکم سے ۲۰ دسمبر ۱۹۱۶ءکو یا اس کے لگ بھگ اسے مکہ میں گرفتار کرلیا گیا تھا اور جدہ بھیج دیا گیا تھا جہاں سے اسے ۱۲ جنوری ۱۹۱۷ءکو مصر روانہ کر دیا گیا تھا۔

(۱۰۵) حسین احمد مدنی:

دیکھئے حسین

(۱۰۶) عمادی:

عبداللہ عمادی سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر زمیندار ساکن جونپور صوبہ جات متحدہ) ظفرعلی اور اتحاد اسلامی کے دوسرے حامیوں کا بے تکلف ساتھی۔ مارچ ۱۹۱۶ء میں مولوی عبداللہ سندھی کابل سے جو خطوط اور جہاد کے فتاویٰ لایا تھا۔ ان میں ایک خط مولوی عبداللہ عمادی کے لیے تھا۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔

(۱۰۷) جلیل:

یہی شخص محمد جلیل ہے۔ کیرانہ ضلع مظفرنگر صوبہ جات متحدہ کے محمد اسماعیل کالڑکا اور دیو بند کے مدرسہ میں طالب علم۔ وہ محمودالحسن کے مکان میں ملازم کی حیثیت سے بھی کام کرتا تھا۔ محمد جلیل کو سازش کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے لیکن اس کا سازش میں شامل ہونا مشتبہ ہے۔

(۱۰۹) جماعت:

حضرت مولانا کے نام خطوط میں یہ لفظ اکثر آیا ہے۔ لغوی معنی ہیں انجمن یا دوستوں کا گروہ۔ ان خطوط میں یہ اشارہ ہے، سازش میں ملوث لوگوں کی طرف جن کے نام زیرغور خطوط میں لیے گئے ہیں۔

(۱۰۹) جمعیۃ الانصار (انجمن طلباء قدیم) دیوبند:

ایم عبیداللہ کی نظامت اور چھ سات ممبروں پر مشتمل مجلس منتظمہ کے ساتھ ۱۹۰۹ء میں قائم ہوئی۔ یہ انجمن دیوبند میں تعلیم پائے ہوئے مولویوں کی انجمن کے طور پر قائم کی گئی تھی۔ تا کہ (الف) مدرسہ دیوبند کا انتظام کرے اور اس کو بہتر بنائے (ب) مدرسہ کے لیے رقم کا انتظام کرے (ج) دیوبند میں جن عقائد کی تعلیم دی جاتی ہے انہیں فروغ دے اور (د) دوسرے مقامات پر ایسے ہی مدرسے قائم کرے۔ تجویز یہ تھی کہ تمام مدارس اسلامیہ کو جمعیۃ الانصار کے تحت کر دیا جائے اور دیوبند کے فارغ التحصیل مدرسوں کو ایسے تمام مدرسوں میں بھیجا جائے۔ اس کے قواعد وضوابط تیار کیے گئے تھے اور اس کے سالانہ جلسے مراد آباد اور میرٹھ میں ہوئے تا کہ جمعیۃ الانصار کے مقاصد کی تبلیغ کی جا سکے۔ لاہور کی صوفی مسجد کے ایم ابو احمد نے نائب ناظم کی حیثیت سے ۱۹۱۱ء میں چند ماہ کام کیا۔ ابتداء میں دیوبند کے مدرسہ کی ساری مجلس منتظمہ جمعیۃ الانصار کے حق میں تھی۔ جلد ہی عبیداللہ نے انگریزی پڑھے ہوئے نوجوانوں کو طالب علم بھرتی کرنا شروع کر دیا۔ اس پر اس ادارہ نے نیم سیاسی نوعیت اختیار کر لی۔ جب جنگ بلقان شروع ہوئی اور دیوبند کے ذمہ داروں نے ترکی کی مالی امداد کے جواز کا فتویٰ جاری کر دیا تو اچانک جمعیۃ الانصار اپنے اصلی رنگ میں آ گئی اور انتہائی متعصب سیاسی جماعت بن گئی۔ مولوی، طلباء اور دوسرے لوگ مبلغ بنا کر بھیجے جانے لگے اور ترکی کی مدد کے لیے ہلال احمر کے فنڈ میں بڑی بڑی رقمیں جمع کی جانے لگیں۔ غیر ملکی سامان کے بائیکاٹ کی تبلیغ بڑے شد و مد سے کی گئی۔ اس کی شاخ قاسم المعارف نے کلکتہ میں چندہ جمع کرنے کے سلسلہ میں بہت کافی سرگرمی دکھائی۔ اس پر مدرسہ کے عملہ کے سنجیدہ لوگ چوکنے ہوئے اور ایسے اختلافات پیدا ہوئے کہ عبیداللہ کو ۱۹۱۳ء میں استعفیٰ دینا پڑا۔ جلد ہی اس ادارہ کا وجود ختم ہو گیا۔

(۱۱۰) جمیل الدین حکیم:

دیکھئے حکیم جمیل

(۱۱۱) جان صاحب باجوڑ:

جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ جنرل ہے۔ اس کا عرف ڈوڈا جان یا جان صاحب ڈوڈا ہے۔ والدین کے بارہ میں کچھ معلوم نہیں۔ ڈوڈا کا اور باجوڑ میں لکروکلی کا سیہ حکومت کا سخت مخالف ہے۔ بابڑہ ملا کے مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں جب مہمند قبائل نے شب قدر میں برطانوی فوجیوں پر حملہ کیا تو اس کے ساتھ شامل ہوگیا۔ مئی ۱۹۱۶ء میں اس کا رویہ بدل گیا اور وہ حکومت کی خدمت کرنے پر تیار ہوگیا۔

(۱۱۲) کالا سنگھ عرف گوجر سنگھ:

پسر مان سنگھ آف اکھاڑہ تھانہ جگراؤں ضلع لدھیانہ می شیما مارو جہاز کے مسافروں میں شامل ہے جنہوں نے غدر برپا کردیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ شنگھائی میں دکاندار ہے۔ پنجاب میں ۱۵-۱۹۱۴ء کے موسم سرما کی انقلابی تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا ہے۔ فیروز پور شہر کے قاتلوں میں سے ایک ہے۔ جب گرفتاریاں شروع ہوئیں تو وہ بھاگ کر آزاد علاقہ میں پہنچ گیا۔ مردان اور بنیر ہوتا ہوا اسمس پہنچا جب کہ لاہوری طلبا اور مجاہدین وہاں موجود تھے۔ کالا سنگھ نے ۱۹۱۸ء کی سرحدی لڑائیوں میں حصہ لیا۔ کہا جاتا ہے کہ لڑائی شروع ہونے سے فوراً پہلے وہ مردان پہنچا اور وہاں پر مامور سکھ رجمنٹ کے سپاہیوں کو ورغلانے کی کوشش کی۔ جون ۱۹۱۶ء میں مولوی عبدالرحیم عرف بشیر اور ڈاکٹر صدرالدین کے ہمراہ کابل پہنچا۔ کہا جاتا ہے کہ راجہ مہندر پرتاپ نے اسے کچھ خفیہ پیغامات دے کر واپس بھیجا تھا۔ اس کے بعد وہ کابل لوٹ گیا۔ اس وقت غالباً کابل میں ہے۔

(۱۱۳) کریم بخش:

جنود ربانیہ کی فہرست میں کیپٹن ہے۔ یہ شخص غالباً وہی کریم بخش ہے جو کابل کے محکمہ تعلیم میں ملازم ہے۔ لاہور کا رہنے والا ہے۔

(۱۱۴) قاسم المعارف:

دیوبند کی جمعیۃ الانصار (انجمن طلباء قدیم) کی شاخ کلکتہ، دلی کے شیخ محمد شفیع جو کلکتہ میں

تاجر ہیں۔ اس کے ناظم تھے اور شیر کوٹ کے مولوی مظہر الدین کچھ مدت تک اس کے سفیر رہے تھے وہ تقریریں کرتے تھے اور چندہ وصول کرتے تھے۔ جنگ بلقان کے زمانہ میں اس سوسائٹی نے ترکی انجمن ہلال احمر کے لیے چندہ جمع کرنے میں کافی سرگرمی دکھائی۔

(نوٹ) یہ ادارہ اسی نام کے اس دوسرے ادارہ سے بالکل مختلف ہے جو ایم عبداللہ نے کراچی میں قائم کیا تھا۔

(۱۱۵) کاظم بے:

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔ ایک ترکی فوجی افسر ہے جس کو قسطنطنیہ سے ترک جرمن مشن کے ساتھ انور پاشا نے خاص طور سے روانہ کیا تھا۔

(۱۱۶) خلیل احمد مولانا:

عرف خلیل الرحمٰن آف مدرسہ اسلامیہ سہارنپور۔ ایک بہت معزز و محترم مولوی جس کے مریدوں کی تعداد ہندوستان بھر میں بہت زیادہ ہے۔ موضع انبیٹھ ضلع سہارنپور کا رہنے والا ہے اور مولوی محمد میاں عرف مولوی منصور کا قریبی رشتہ دار ہے۔ ہندوستانی علماء میں شاید یہ واحد شخص ہے جو مولانا محمود الحسن سے ہجرت کے سوال پر متفق تھا۔ ایس ایس حجاز کے ذریعہ عرب گیا۔ ستمبر ۱۹۱۵ء کے شروع میں وہاں پر قیام کے دوران یہ مولانا محمود الحسن کی سیاسی سازش میں شامل ہو گیا اور غالب پاشا کے معاملہ میں بھی شامل رہا۔ یہ بھی یقین کیا جاتا ہے کہ مکہ کے دھرم پور رباط میں جہاد سے متعلق مذاکرات میں شامل ہوا کرتا تھا۔ جب انور پاشا اور جمال پاشا ترک افواج کی کامیابی کے لیے دعا کرنے مدینہ آئے تو مولوی خلیل احمد بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ پاشاؤں نے اس کو نذر پیش کی۔ ۸ ستمبر ۱۹۱۶ء کو ایس ایس اکبر نامی جہاز کے ذریعہ ہندوستان واپس ہوا۔ بمبئی میں اُترتے ہی گرفتار کر لیا گیا۔

(۱۱۷) خان محمد حاجی:

یہ سرحدی ہے۔ غالباً ضلع پشاور کا باشندہ ہے۔ اس نے دیوبند میں تعلیم پائی اور مولانا محمود الحسن کا مرید ہو گیا۔ مولانا محمود الحسن کی سازش جہاد میں شامل تھا۔ خان محمد ان تیرہ منحرف

اشخاص میں شامل ہے جو مولانا کے ہمراہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں عرب گئے تھے۔ وہ خوراک کا منتظم تھا۔ مکہ میں وفات پائی۔

(۱۱۸) خدا بخش:

جدہ کے بعد کے واقعات کے بیان میں حضرت مولانا کے نام عبیداللہ کے خط میں یہ نام آیا ہے۔ شاید یہ وہی خدا بخش ہے جو ناگور جودھ پور ریاست کا رہنے والا ہے اور مولانا محمودالحسن کے ہمراہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں عرب گیا تھا۔

(۱۱۹) خدام:

حضرت مولانا کے نام خطوط میں یہ لفظ بار بار آیا ہے۔ یہ لفظ خادم کی جمع ہے جس کے لغوی معنی ہیں خدمت کرنے والا (ملازم) اس کا اطلاق زیارت گاہوں اور مقدس عمارتوں کے انتظام کرنے والوں پر اکثر ہوتا ہے۔ یہاں اس سے مراد مولانا محمودالحسن کی پارٹی کے لوگ ہیں۔

(۱۲۰) خوشی محمد مہاجر:

پسر جان محمد ساکن موضع سلولی ضلع جالندھر، لاہور کے میڈیکل کالج میں تھرڈ ایئر کا طالب علم تھا جب اس نے دوسرے جہادی طلباء کے ہمراہ فروری ۱۹۱۵ء میں سرحد پار کی۔ وہ کابل میں مخالف برطانیہ پارٹی کے ساتھ سرگرمی کے ساتھ شامل رہا۔ مارچ ۱۹۱۶ء میں راجہ مہندر پرتاپ اور مولوی برکت اللہ نے زار اور تاشقند کے روسی گورنر جنرل کے نام خط دے کر اسے ڈاکٹر متھرا سنگھ کے ہمراہ روانہ کیا۔ جون ۱۹۱۶ء میں یہ سفارت واپس آ گئی تھی۔ خوشی محمد ابھی تک کابل میں ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ گورنر جنرل ہے۔

(۱۲۱) کوہستانی ملا:

جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹننٹ جنرل ہے۔ سوات میں سنڈا کے ملا اور دوسرے مقامات میں کوہستانی ملا یا فقیر کے نام سے مشہور ہے۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں سوات میں برطانوی فوجوں پر حملہ کرنے کے لیے اس نے سواتی لوگوں کا لشکر جمع کر لیا تھا۔

(۱۲۲) مدرسہ:

حضرت مولانا کے نام خطوط میں یہ لفظ آیا ہے۔ یہ دیو بند کے عربی مدرسہ کی طرف اشارہ ہے جو دیو بند ضلع سہارنپور میں قائم ہے۔ اسے مولانا محمد قاسم نے قائم کیا تھا۔ دیو بند کا ایک مشہور تعلیمی ادارہ ہے جس کی ہندوستان بھر میں شہرت ہے جب کہ ایک طرف افغانستان سمرقند اور بخارا اور دوسری طرف مدراس اور مشرقی بنگال جیسے دور دراز مقامات سے اس میں طالب علم آتے ہیں۔ حیدرآباد کے نظام اور بھوپال کی بیگم اس ادارہ کو فیاضی سے امداد دینے والوں میں شامل ہیں۔ علوم مشرقی اور اسلامی دینیات کی تعلیم کے لیے وقف ہے۔ مدرسہ کے پرنسپل شمس العلماء مولوی حافظ محمد احمد ہیں جو اس ادارہ کے مرحوم بانی کے فرزند ہیں۔ وہ وفادار اور شریف آدمی ہیں۔ ۱۹۱۵ء میں مولانا محمود الحسن صدر مدرس تھے جو ریشمی خطوط کے مکتوب الیہ ہیں۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں وہ ہجرت کر کے حجاز چلے گئے۔ ریشمی خطوط کی سازش میں جو مولوی شامل ہیں تقریباً وہ سب اس مدرسہ کے فارغ التحصیل ہیں۔ بعد میں یہ مدرسہ اتحاد اسلامی اور جہاد کے حامیوں کا گڑھ اور مولانا محمود الحسن نے اپنے زمانہ صدر مدرسی میں جہاد کی جو تحریک شروع کی تھی اس کا مرکز بن گیا۔

(۱۲۳) مدرسہ صولتیہ:

مکہ کا مشہور عربی مدرسہ جس کے مصارف ہندوستان سے بھیجے گئے چندہ سے پورے ہوتے ہیں۔ اس کے کچھ مدرس اور طالب علم جو زیادہ تر ہندوستانی ہیں ۱۹۱۵ء میں مولانا محمود الحسن کے جہاد کے پروپیگنڈہ میں شامل ہو گئے تھے۔

(۱۲۴) محبوب خاں ساکن سہارنپور:

ان تیرہ منحرف اشخاص میں سے ایک جو مولانا محمود الحسن کے ہمراہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں عرب گئے تھے۔ کھانا پکانے اور پارٹی کے سامان کی حفاظت کرنے میں یہ خان محمد کی معاونت کرتا تھا۔ مکہ میں اپنے ہاتھوں سے تیار کردہ پھول پیش کرنے کے بہانے والی اور شریف سے ملاقات کی لیکن یہ ممکن ہے کہ اس نے اپنا تعارف اس لیے کرایا ہو کہ مولانا محمود الحسن کے پیغامات پہنچا سکے۔ مولانا کا مرید ہے۔

(۱۲۵) مہندر پرتاپ راجہ:

حضرت مولانا کے نام عبیداللہ کے خط میں اور دوسرے خط میں جس میں ''حکومت موقتہ ہندیہ'' کی تفصیلات دی گئی ہیں یہ نام لیا گیا ہے۔ ضلع علی گڑھ کے مقام مرسان کے راجہ دت پرشاد سنگھ بہادر کا بھائی اور جنید کے راجہ زبیر سنگھ کا بردار نسبتی ہے۔ راجہ پرتاپ پرانے حکمران خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور ہاتھرس اور مرسان میں کافی اراضی کا مالک ہے۔ اس نے ایم اے او کالج علی گڑھ میں تعلیم پائی جہاں ہندو مسلم اتحاد کا جذبہ اس کے رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس نے بندرا بن میں ہندوؤں مسلمانوں اور عیسائیوں نیز سکھوں پر مشتمل منتظمہ کمیٹی بنا کر پریم مہاویالیہ قائم کیا۔ راجہ کو اُمید تھی کہ اس اسکول کے ذریعہ متحدہ ہندوستان کی اساس پر قومی اتحاد کی تحریک شروع کرے گا۔ وہ سفر کا بڑا شوقین تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے دو بار ساری دنیا کا سفر کیا تھا۔ امریکہ میں اس کی ملاقات ہردیال اور غدر پارٹی کے دوسرے ممبروں سے ہوئی اور اس میں انقلابی خیالات نے جوش و خروش پیدا کر دیا۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۱۴ء کو ہندوستان سے مارسیلز روانہ ہوا جہاں سے وہ سوئزرلینڈ اور جرمنی پہنچ کر برلن کی انڈیا سوسائٹی میں شامل ہو گیا۔ ۱۹۱۵ء میں امیر کابل اور ہندوستانی والیان ریاست کے لیے قیصر اور سلطان ترکی کے خطوط اور جہاد کے فتاویٰ دے کر اسے ترک جرمن مشن کے ہمراہ افغانستان بھیجا گیا۔

کابل کے قیام میں اس نے حکومت موقتہ ہندیہ قائم کی جس کا صدر وہ خود بنا۔ برکت اللہ وزیر اعظم اور عبیداللہ وزیر داخلہ بنائے گئے۔ اس نے مہاجر طلباء کی بہت سی سفارتیں منظم کیں جو روس، چین، جاپان، برلن اور قسطنطنیہ بھیجی گئیں۔

(۱۲۶) محمد حسن صوفی:

صوفی محمد حسن آف مدرسہ اسلامیہ سہارنپور، مولانا خلیل احمد آف سہارنپور کا معتقد اور شاید مولانا محمود الحسن کا مرید ۱۹۱۵ء میں ان کی عرب کو ہجرت کے موقعہ پر ان کے ساتھ بمبئی تک گیا تھا۔ مولوی محمد مبین کے ساتھ واپس آ گیا۔

(۱۲۷) محمود الحسن مولانا:

حضرت مولانا بھی کہا جاتا ہے۔ ریشمی خطوط کے مکتوب الیہ مدرسہ اسلامیہ دیوبند کے صدر مدرس، پارسائی اور تقدس کے لیے مشہور۔ ان کے مرید جن میں سرکردہ مسلمان بھی ہیں۔ ہندوستان بھر میں ہیں۔ عبیداللہ کے اثر میں آنے سے ان کے خیالات تبدیل ہوئے۔ دیوبند میں ان کا مکان اتحاد اسلامی کے سازشیوں کا گڑھ تھا۔ اسی شخص نے سیف الرحمٰن، فضل الٰہی، فضل محمود وغیرہ کو سرحد پار قبائلیوں کو جہاد پر بھڑکانے کے واسطے بھیجا۔ ایس ایس اکبر جہاز کے ذریعہ وہ خود بھی تیرہ منحرف اشخاص کے ساتھ ۱۸ ستمبر ۱۹۱۶ء کو ہجرت کر کے عرب کو روانہ ہو گیا۔ عرب میں اپنے قیام کے دوران انہوں نے پے در پے اس بات کی کوشش کی کہ ہندوستان میں جہاد کے مقصد کے لیے حکومت ترکی کی ہمدردیاں حاصل کریں۔ انور پاشا، جمال پاشا اور غالب پاشا سے ملاقاتیں کیں اور فرمان حاصل کیے جن میں سے ایک فرمان محمد میاں عرف مولوی منصور کے ذریعہ ہندوستان اور آزاد علاقہ کے سازشیوں کو دکھائے جانے کے بعد کابل پہنچایا گیا۔

ہندوستان میں اتحاد اسلامی کی سازش میں مولانا کی رہنمایانہ قائدانہ شخصیت بڑی سرکردہ ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ جنرل ہیں۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۱۶ء کو شریف مکہ کے احکام سے ان کو گرفتار کر لیا گیا اور جدہ بھیج دیا گیا جہاں سے انہیں ۱۲ جنوری ۱۹۱۷ء کو مصر روانہ کر دیا گیا۔

(۱۲۸) مسعود:

حضرت مولانا کے نام خط میں یہ نام آیا ہے شاید یہ شخص مولوی محمد مسعود ہے جو دیوبند کے منشی مظہر حسین کا لڑکا ہے۔ مولانا محمود الحسن کا بھتیجا اور داماد ہے اور مولوی حنیف کا بھائی ہے۔ دیوبند کے مدرسہ میں ملازم ہے۔ حکیم عبدالرزاق انصاری وغیرہ نے ستمبر ۱۹۱۶ء میں اسے عرب بھیجا تھا تاکہ محمود الحسن کو ہندوستان کے واقعات سے مطلع کرے اور اس ملک میں واپس آنے کے خلاف متنبہ کرے۔

(۱۲۹) متھر اسنگھ ڈاکٹر:

عرف سردارا سنگھ عرف سندر سنگھ عرف شمشیر سنگھ پسر ہری سنگھ کھتری ساکن موضع ڈھڈیال تحصیل چکوال ضلع جہلم۔ یہ شخص پہلے محض ایک کمپونڈر تھا لیکن اس نے خود کو ڈاکٹر کہنا شروع کر دیا۔ پہلے یہ راولپنڈی صدر میں ڈاکٹر جگت سنگھ کی دکان میں کام کرتا تھا اور پھر ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۲ء تک نوشہرہ چھاؤنی میں ایچ ڈی ٹھاکر داس کیمسٹ اینڈ ڈرگسٹ کی دکان میں شریک رہا۔ غبن کا شبہ ہونے پر اس نے اس دکان سے اپنا تعلق توڑ لیا اور فروری ۱۹۱۳ء میں نوکری کی تلاش میں سمندر پار چلا گیا۔ وہ رنگون، پنیانگ سنگاپور، ہانگ کانگ جاپان وغیرہ مقامات کو گیا اور جولائی ۱۹۱۳ء میں سان فرانسسکو گیا جہاں اس کی ملاقات ہردیال سنگھ اور اس کی انقلابی پارٹی سے ہوئی۔ جنہوں نے اس میں برطانیہ کے خلاف خیالات بھڑکائے۔ اسے افغانستان بھیجا گیا تاکہ حکومت سے طے کرے کہ آئندہ جو انقلابی بھاگ کر افغانستان جائیں ان کا تحفظ کیا جائے، سان فرانسسکو میں ایک ماہ قیام کرنے کے بعد وہ شنگھائی، جاپان، ہانگ کانگ، ریاست ہائے ملایا اور برما ہوتا ہوا اور ان ملکوں میں انقلاب پسندوں سے ملاقات کرتا ہوا مارچ ۱۹۱۴ء میں مدراس پہنچا۔ کسی نامعلوم وجہ سے وہ جولائی ۱۹۱۴ء میں شنگھائی واپس آ گیا۔ جنگ شروع ہونے کے بعد نومبر ۱۹۱۴ء میں وہ پھر ہندوستان آیا اور سیدھا پنجاب پہنچا۔ اس کے بعد بے چینی کے دور میں معلوم ہوا کہ وہ امرتسر اور دوسرے مقامات پر بم بناتا رہا۔ جب لاہور میں کچھ گرفتاریاں کی گئیں تو وہ ہرنام سنگھ عرف ارجن سنگھ ساکن کٹھوعہ کے ہمراہ سرحد پار کر کے تیراہ بھاگ گیا اور وہاں سے پیش بلک پہنچ گیا۔ افغان حکام نے ان کو وہاں گرفتار کر لیا اور حراست میں کابل پہنچا دیا۔ دونوں کو جیل میں رکھا گیا لیکن راجہ مہندر پرتاپ کی سفارش پر سردار نصر اللہ خاں نے ان کو رہا کر دیا۔ اس کے بعد سے وہ کابل میں انٹی برٹش پارٹی کے سرگرم اور مستقل ممبر بن گئے۔ متھر اسنگھ نے وہاں سے ہندوستانی فوجیوں کو بغاوت پر اُکسانے کے لیے خطوط، مردان میں مامور گائڈس کیویلری کے دفعدار ہرچرن سنگھ کو اور راولپنڈی میں بھائی ہرنام سنگھ کے نام روانہ کیے مارچ ۱۹۱۶ء میں ڈاکٹر متھر اسنگھ اور لاہور کا ایک جہادی طالب علم خوشی محمد راجہ مہندر پرتاپ سنگھ کا ایک خط گورنر تاشقند کے لیے اور دوسرا خط جو سونے کی طشتری میں زار روس

کے لیے تھا اپنے ساتھ لے کر خفیہ مشن پر روانہ ہوئے جن میں حکومت روس سے درخواست کی گئی تھی کہ اگر افغانستان ہندوستان پر حملہ آور ہو تو روس غیر جانبدار رہے۔ یہ مشن مئی ۱۹۱۶ء میں ہندوستان واپس آ گیا۔ متھرا سنگھ شیخ عبدالقادر کے ہمراہ جولائی ۱۹۱۶ء میں راجہ مہندر پرتاپ اور ایم برکت اللہ کے خطوط چین کے ڈاکٹر سن یات سن اور جاپان کے شاہ میکاڈو اور کاونٹ اوکاما کے نام لے کر روانہ ہوئے۔ ان کے پاس گیارہ ہزار پونڈ کے چیک تھے۔ کچھ چیک نیویارک کے ریمش بینک (جرمن بینک) اور کچھ چیک جاپان کے اسپینی بینک کے نام تھے اور باقی ماندہ چیک سان فرانسسکو کے انٹرنیشنل بنگ کارپوریشن کے نام تھے۔ یہ چیک چین اور جاپان میں مقامی بینکوں کی معرفت کیش کرانے تھے۔ متھرا سنگھ اور عبدالقادر نے روسی ترکستان کے راسطے سے سفر کیا لیکن روسی علاقہ میں پہنچنے کے کچھ دیر بعد ان کو روسی حکام نے گرفتار کر لیا۔ ان کو مشہد لے جا کر برطانوی قونصل جنرل کے حوالہ کر دیا گیا۔ بالآخران کو لاہور پہنچا دیا گیا۔ ایک اسپیشل ٹریبونل نے متھرا سنگھ کے خلاف مارچ ۱۹۱۷ء میں مقدمہ کی سماعت کی۔ اس کو ضابطہ فوجداری کی دفعات (۱۲) (۱۲۱ الف اور ۱۰۹/۳۰۲) کے تحت اور دوسرے جرائم کا مجرم قرار دے دیا گیا اور موت کا حکم سنا دیا گیا جس پر عملدرآمد کے لیے ۲۱ مارچ کا دن مقرر کیا گیا۔

(۱۳۰) مطلوب:

حضرت مولانا کے نام خط میں اس کا ذکر آیا ہے۔ مطلوب الرحمان بھائی ہے۔ حبیب الرحمٰن کا جو مدرسہ دیو بند کے نائب مہتمم ہیں دوسرے بھائی یہ ہیں۔ مفتی عزیز الرحمٰن شبیر احمد (جو دیو بند کے مدرسہ میں مدرس ہیں) وہ کان پور کے ایگریکلچرل ڈیپارٹمنٹ میں ملازم ہیں۔ مولانا محمود الحسن کا پکا مرید ہے اور جہاد کا سرگرم حامی ہے۔ دیو بند کے خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں محمود الحسن کے ہمراہ عرب گیا اور پہلے ہی جہاز سے یہ معلوم کرنے کے لیے واپس آ گیا کہ کیا مولانا کی واپسی کے لیے ہندوستان محفوظ ہے؟

سازشیوں کے تیار شدہ منصوبے کے مطابق مطلوب الرحمٰن اور محمد میاں عرف منصور کو جہاز سے واپسی پر جہاد کے لیے زبردست کوششیں کرنی تھیں۔

(۱۳۱) مطلوب الرحمٰن:

دیکھئے مطلوب۔

(۱۳۲) مولانا سیف:

دیکھئے سیف الرحمٰن مولوی

(۱۳۳) مولوی احمد چکوالی:

دیکھئے ابو محمد احمد مولوی ساکن لاہور

(۱۳۴) مولوی احمد ساکن رام پور:

دیکھئے رام پوری مولوی

(۱۳۵) مولوی محمود:

دیکھئے فضل محمود

(۱۳۶) مولوی شائق:

دیکھئے شائق احمد مولوی

(۱۳۷) مظہر الدین مولوی:

شیر کوٹ ضلع بجنور (صوبہ جات متحدہ) کے شیخ علی بخش کا لڑکا، دیو بند اور مدرسہ الٰہیات کانپور میں تعلیم پائی ہے۔ تکمیل درس کے بعد اس نے آخر الذکر ادارہ کے لیے بہت کافی تقریریں کیں اور چندہ جمع کیا۔ آخر میں اسے اس مدرسہ میں منیجر مقرر کر دیا گیا۔ بعد میں مولانا عبید اللہ نے اس کی خدمات حاصل کر لیں اور جمعیۃ الانصار کا سفیر مقرر کر دیا۔ اس جماعت کی جانب سے اس نے ملک میں بہت زیادہ سفر کیا۔ جنگ بلقان کے وقت کلکتہ میں قاسم المعارف سے بحیثیت مولوی وابستہ رہا جو کلکتہ میں جمعیۃ الانصار کی شاخ تھی جہاں اس نے ہلال احمر کے لیے روپیہ جمع کیا۔ جمعیۃ الانصار کے خاتمہ کے بعد وہ دیو بند سے چلا گیا اور بعد میں یعنی اکتوبر

۱۹۱۴ء میں اسے نظارۃ المعارف القرآنیہ دلی کا سفیر مقرر کر دیا گیا۔ ۱۹۱۵ء میں اس نے اس عہدہ کو چھوڑ دیا جب کہ عبید اللہ مفقود الخبر ہو گیا تھا اور اس نے کلکتہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کے تحت دارالارشاد میں بحیثیت اُستاد اور ''البلاغ'' میں بحیثیت ایڈیٹر ملازمت قبول کر لی۔ وہ مولانا محمود الحسن کا مرید ہے اور دیوبند کے خفیہ جلسوں میں شامل ہوا کرتا تھا۔ جب ڈیفنس ایکٹ کے تحت مولانا ابوالکلام آزاد کو کلکتہ سے نکال دیا گیا تو مظہر الدین نے مختصر مدت تک ادیب اور رسالت کے شعبہ ادارت میں کام کیا۔

(۱۳۸) محی الدین خاں مولانا:

محی الدین عرف برکت علی بی اے پسر عبدالقادر پلیڈر ساکن قصور، محمد علی بی اے سابق پرنسپل حبیبیہ کالج کابل اس کا بھائی ہے۔ قصور و لاہور میں تعلیم پائی۔ اسلامیہ کالج لاہور سے ڈگری لی۔ کچھ عرصہ اسلامیہ کالج گوجرانوالہ میں ہیڈ ماسٹر رہا۔ بعد میں وہ دارالارشاد کلکتہ میں طالب علم رہا۔ جس کے بعد اس نے ''اقدام'' شروع کیا۔ عبید اللہ، ابوالکلام آزاد اور کلکتہ کے نجم الدین احمد کا گہرا دوست ہے۔ قاضی ضیاء الدین ایم اے، خواجہ عبدالحی، عبدالکریم عرف ڈاکٹر صدر الدین، ایم احمد علی، ایس ایم سعید ساکن قصور وغیرہ وغیرہ اس کے ساتھیوں میں ہیں۔ ڈاکٹر صدر الدین سرحد پار کے علاقہ سے واپسی میں محی الدین کے پاس قصور میں ٹھہرے تھے۔ (عبید اللہ سندھی کابل سے جو خط اور فتاویٰ مولانا ابوالکلام آزاد کے لیے لائے تھے وہ اس کے ذریعہ اسے پہنچائے گئے تھے) ستمبر ۱۹۱۶ء میں محی الدین کو گرفتار کیا گیا تھا۔ اب واسویا ضلع ہوشیار پور میں ہے۔ یہاں اس کی نقل و حرکت پر پابندی ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹننٹ جنرل ہے۔

(۱۳۹) محی الدین نواب:

دیکھئے قاضی صاحب

(۱۴۰) محی الدین قاضی:

دیکھئے قاضی صاحب

(۱۴۱) محسن مولوی:

واقعات مابعد جدہ کے بیان میں جو خط حضرت مولانا کے نام عبیداللہ نے لکھا ہے اس میں یہ نام آیا ہے۔ مولوی محمد محسن مولانا محمود الحسن کا چھوٹا بھائی ہے۔ دیوبند میں وہ کسی جگہ ملازم ہے۔ سیّد نور الحسن رتھیڑی ضلع مظفرنگر کا دوست ہے۔

(۱۴۲) مہاجر:

جمع مہاجرین حضرت مولانا کے نام عبیداللہ کے خط میں یہ لفظ آیا ہے۔ لغوی معنی ہیں ہجرت کرنے والا۔ اس کا تاریخی اطلاق پیغمبرؐ صاحب اور ان کے صحابہ پر ہوتا ہے جو مکہ والے محافظوں سے پناہ لینے کے لیے ۶۲۲ء میں مدینہ روانہ ہوئے تھے۔ اس کیلنڈر کا آغاز اسی وقت سے ہوتا ہے۔ اب مہاجر کا اطلاق اس مسلمان پر ہوتا ہے جو کافروں کے مقبوضہ ملک سے ترک وطن کرے۔ اس ضمن میں اس کا اطلاق ان مسلم طلباء پر ہوتا ہے جو فروری ۱۹۱۵ء میں لاہور سے ترک وطن کر کے افغانستان یا آزاد علاقہ کو چلے گئے تھے۔ جن میں سیف الرحمٰن، فضل ربی، فضل محمود وغیرہ بھی شامل ہیں جو فرداً فرداً یا اجتماعی طور پر ان کے پیچھے پہنچے۔

(۱۴۳) محمد عبداللہ انصاری مولوی:

دیکھئے عبداللہ انصاری کو۔

(۱۴۴) محمد احمد حافظ شمس العلماء:

(۱) پسر محمد قاسم بانی مدرسہ دیوبند۔ یہ مدرسہ کا مہتمم پرنسپل ہے اور وفادار ہے۔

(۱۴۵) محمد اکبر حاجی:

صدر امدادیہ مدرسہ مراد آباد۔ یہ مکہ کے تاجروں کے ساتھ کاروبار کرتا ہے جہاں اس کا لڑکا عبدالسلام شاید اس کا نمائندہ ہے۔ اپنے بیٹے کے واسطے سے یہ مولانا محمود الحسن اور ہندوستان میں اس کے رشتہ داروں اور دوستوں میں خط و کتابت کا ذریعہ بن گیا۔ مطلوب الرحمٰن کو اسی کے ذریعہ مولانا کو اطلاع دینی تھی کہ وہ ہندوستان آئے یا نہ آئے۔

(۱۴۶) محمد علی:

جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹننٹ جنرل ہے۔ محمد علی ایم اے رام پور ریاست صوبہ جات متحدہ کا ہے اور دلی کے اخبار ''کامریڈ'' کا بدنام ایڈیٹر ہے۔ اتحاد اسلامی کا آتش بیان حامی ہے، ترکوں سے زبردست ہمدردی رکھتا ہے۔ شوکت علی کا بھائی، ڈاکٹر انصاری کا گہرا دوست ہے۔ عبیداللہ کا قریبی ساتھی ہے۔ صوبہ جات متوسط میں ۱۹۱۵ء میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔

(۱۴۷) محمد علی بی اے آف قصور:

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔ عبدالقادر پلیڈر قصور کا لڑکا ہے اور محی الدین عرف برکت علی کا بھائی ہے۔ ڈگری لینے کے بعد سول سروس کا امتحان دینے انگلینڈ گیا لیکن امتحان پاس نہ کر سکا اور ۱۹۱۴ء میں ہندوستان واپس آ گیا۔ ایم عبیداللہ کی سفارش سے ۱۹۱۵ء میں حبیبیہ کالج کابل کا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسے اور شیخ ابراہیم سندھی کو عبیداللہ نے خاص طور سے کابل طلب کیا تھا تاکہ وہ نوجوان افغان کو جہاد کے لیے تیار کر سکیں۔ سازش کا سرگرم رکن تھا۔ سول لائنز کابل میں جرمن مشن کے ساتھ خفیہ ملاقاتوں میں نمایاں طور سے شریک ہوتا تھا۔ حکومت موقتہ ہندیہ کے بانیوں میں سے ایک ہے۔ تجویز تھی کہ محمد علی اور شیخ ابراہیم سندھی کو جرمنی اور ترکی روانہ کیا جائے تاکہ پچاس ہزار نفری پر مشتمل جرمن ترک بھیجنے کی درخواست کریں جو ہندوستان پر حملہ کے وقت افغان فوج کی رہنمائی کرے لیکن راجہ مہندر پرتاپ اور نان ہینٹگ میں اختلاف کے باعث یہ تجویز ختم کر دی گئی۔ جون ۱۹۱۶ء میں اسے ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ ۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء کو سرحد پار کے تمام ملاؤں اور خانوں کے لیے سردار نصراللہ خاں کے خطوط لے کر انقلابی پارٹی کے ہمراہ آزاد علاقہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ جن میں ان سے متحد ہونے اور برطانیہ کے خلاف جنگ کرنے پر اصرار کیا گیا تھا۔ اس وقت شاید ثمرقند میں ہے۔

(۱۴۸) محمد علی آف سندھ:

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر ہے۔ یہ شخص شاید محمد علی پسر شیخ حبیب اللہ سکنہ بابو چک

ضلع گوجرانوالہ ہے۔ یہ شخص ایم احمد علی نائب ناظم نظارۃ المعارف القرآنیہ دلی کا بھائی ہے۔ جولائی ۱۹۱۵ء میں عبیداللہ کے ہمراہ کابل چلا گیا تھا اور شیخ عبدالحق حامل ریشمی خطوط کے ہمراہ کسی خفیہ مشن پر واپس آیا تھا۔ اس نے ایم احمد علی کو کچھ اہم اطلاعات بھی پہنچائی تھیں۔ مولوی ابواحمد سے صوفی مسجد میں ملاقات کی تھی اور انہیں ایم عبدالرحیم کا ایک زبانی پیغام دیا تھا کہ چندہ وصول نہیں ہو رہا۔

ایم احمد علی سے بھی ملاقات کی تھی اور پھر ان کے ہمراہ دلی آیا تھا اور پھر وہاں سے بندرا بن گیا تھا تاکہ راجہ مہندر پرتاپ کا ایک خط ان کے قائم کردہ اسکول پریم مہاودیالیہ کے ایک ہندو ٹیچر کو دے سکے۔ یہ خط راجہ مہندر پرتاپ کے بھائی کو دکھا کر ان سے روپیہ لینا تھا۔ راجہ مہندر پرتاپ نے کافی روپیہ مانگا تھا لیکن محمد علی کو صرف ایک ہزار روپیہ دیا گیا اور دوسو روپے اس کے مصارف کے واسطے دیے گئے۔ اس روپیہ سے وہ دلی واپس آیا۔ دوسرے دن پانی پت کو روانہ ہو گیا تاکہ حمداللہ سے محمد میاں کے گھر والوں کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ اس کے بعد وہ کابل چلا گیا۔

(۱۴۹) محمد اسلم:

قصہ خوانی بازار پشاور کا ایک عطار اور سرحد پار مولوی عبدالرحیم عرف بشیر فضل محمود اور دوسرے جہادیوں کا شریک کار۔ اس کے ذمہ تھا کہ پنجاب اور ملک کے زیریں حصہ کے آدمیوں کو سرحد پار کے علاقوں میں پہنچائے۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں اسے گرفتار کر لیا گیا۔

(۱۵۰) محمد حنیف:

دیکھئے حنیف مولوی

(۱۵۱) محمد حسن، بی اے:

جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹننٹ کرنل ہے۔ محمد حسین خاں بی اے، پسر چودھری غلام محمد خاں کورٹ انسپکٹر پولیس سکنہ تلونڈی رائیکی ضلع لدھیانہ۔ لاہور کے جہادی طلباء میں سے ایک ہے (لاءکالج لاہور) طلباء کی اصل جماعت اسمس روانہ ہونے کے ایک دن بعد ہری پور پہنچا اور لاہور واپس آنا مناسب خیال کیا۔

(۱۵۲) محمد حسن مولوی آف مرادآباد:

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔ بھوپال اسٹیٹ کونسل کا ممبر ہے مولانا محمود الحسن کی جماعت کے سربرآوردہ وابستگان میں ہے۔ دیوبند کمیٹی کا بھی ممبر ہے۔

(۱۵۳) محمد حسن مہاجر:

پسر غلام نبی کاتب پیسہ اخبار لاہور۔ فروری ۱۹۱۵ء میں جب لاہور کے جہادی طلباء کے ساتھ فرار ہوکر سرحد پار مجاہدین میں پہنچا تو اسلامیہ کالج کا طالب علم تھا۔ ۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء کو سرحد کے ملاؤں وغیرہ کے لیے سردار نصر اللہ خاں کے خفیہ خطوط لے کر کابل سے روانہ ہوا جن میں زور دیا گیا تھا کہ متحد ہوکر برطانیہ کے خلاف جنگ کریں۔ ابھی تک آزاد علاقہ میں ہے۔

(۱۵۴) محمد حسن خیاط آف حیدرآباد (سندھ):

حیدرآباد کے شیخ عبدالکریم (ا) کا ساتھی جس کے نام تشریحی ریشمی خط روانہ کیا گیا تھا۔ صدر بازار کے قریب کا چوالا ہوو، اسٹریٹ میں رہتا ہے۔ شیخ عبدالرحیم نے اسے دین پور ریاست بہاولپور بھیجا تھا تا کہ وہ ریشمی خطوط لے آئے جو شیخ عبدالحق نے کابل سے روانہ کیے تھے لیکن وہ اتنی تاخیر سے پہنچا کہ انہیں حاصل نہ کرسکا کیونکہ خطوط خان بہادر رب نواز خاں کے حوالہ کردیے گئے تھے۔

(۱۵۵) محمد حسین:

واقعات بعد از جدہ کے بیان حضرت مولانا کے نام عبیداللہ کے خط میں اس کا تذکرہ ہے۔ شاید یہ وہی حافظ محمد حسین ہے جو راندیر ضلع سورت کے حافظ محمد اسماعیل کا لڑکا ہے۔ دیوبند میں تعلیم پائی ہے۔ مولانا محمود الحسن نے عرب روانہ ہونے سے قبل ان کی مدد کی کہ کافی روپیہ جمع کرسکیں۔ مولانا کے رخصت کرنے کے لیے بمبئی تک گیا۔ جب مولانا محمد میاں اور ان کی پارٹی مکہ سے واپس ہوئی استقبال کرنے کے لیے یہ بمبئی گیا تھا۔

(۱۵۶) محمد الٰہی ریل کی پٹڑیاں جمانے والا:

پسر میراں بخش خرادی ریٹائرڈ سب وے انسپکٹر محلّہ خرادیاں وزیر آباد۔ برادر مولوی فضل الٰہی وزیر آباد احمدی فرقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں ہری پوری میں پرمانٹ وے انسپکٹر تھا۔ اس نے جہادی طلباء کو سرحد پار کرنے میں مدد دی تھی۔ اب اس کا تبادلہ سکھر ضلع میں کر دیا گیا ہے۔

(۱۵۷) محمد اسماعیل خاں حکیم سیّد اجمیری بمبئی:

خیال ہے کہ اس کا خاندان اصل میں گنگوہ ضلع سہارنپور (صوبہ جات متحدہ) کا ہے۔ بعد میں وہ اجمیر میں متوطن ہو گئے پھر وہ بمبئی میں بس گئے جہاں محمد اسماعیل بہت مشہور طبیب ہے جب مولانا محمود الحسن عرب جا رہے تھے تو محمد اسماعیل ریلوے اسٹیشن بمبئی پر ان کا استقبال کرنے آیا تھا۔ مولوی مرتضیٰ حسن، قاضی محی الدین آف بھوپال اور ان کی جماعت کے کچھ لوگ اس کے مکان پر ٹھہرے جہاں اس نے ان کی ضیافت کی یہ شخص ان لوگوں میں سے ایک ہے جن سے مولانا محمود الحسن نے کہا تھا کہ وہ جن لوگوں کو پیچھے چھوڑے جا رہے ہیں ان کی دیکھ بھال کریں۔ کہا جاتا ہے اسے مولانا سے بڑا لگاؤ تھا لیکن جب مطلوب الرحمٰن نے عرب سے واپسی میں اس سے کہا کہ وہ بمبئی سے غالب پاشا کی جہادی اسکیم کے نمائندہ کے طور پر کام کرے تو اس نے اس جماعت سے کسی بھی قسم کا تعلق رکھنے سے انکار کر دیا۔ وہ محلّہ کھرالے میں رہتا ہے۔

(۱۵۸) محمد اسماعیل شہید دہلوی:

وہابی تحریک کا بدنام مولوی اسماعیل دہلوی جو غدر کے وقت اپنے گھر سے فرار ہو گیا اور جس نے مجاہدین کی بستی قائم کی۔ انتہائی کٹر اور متعصب تھا۔ اس نے ایک کتاب سوانح احمدی تالیف کی جس میں مختلف بادشاہوں اور امیروں سے اس کی خط و کتابت شامل ہے جس میں انہوں نے سکھوں کے خلاف جہاد کرنے کی تلقین کی گئی ہے، یہ کتاب نایاب بتائی جاتی ہے۔ یہ بھی خبر تھی کہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا، صوفی اکبر پریس منڈی بہاؤ الدین ضلع گجرات میں اس

کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے۔ سی آئی ڈی اس کا کوئی نسخہ حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ مولوی نعمت اللہ جو اس وقت ہندوستانی متعصبوں کا رئیس ہے۔ ایم اسماعیل کا پوتا ہے۔

(۱۵۹) محمد مسعود مولوی:

دیکھئے مسعود

(۱۶۰) محمد میاں مولوی عرف مولوی منصور:

جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹننٹ جنرل ہے۔ تشریحی ریشمی خط بنام شیخ عبدالرحیم حیدر آباد سندھ میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔ مولوی محمد میاں، مولوی عبداللہ پروفیسر دینیات ایم اے او کالج علی گڑھ کا لڑکا اور شمس العلماء حافظ احمد پرنسپل مدرسہ دیوبند کا بھانجا ہے۔ وہ انبیٹھ ضلع سہارنپور کا باشندہ ہے۔ اس نے دیوبند میں تعلیم پائی ہے جب مولوی ابو احمد جمعیۃ الانصار کے نائب ناظم تھے۔ تب وہ وہاں پر طالب علم تھا۔ تکمیل تعلیم کے بعد وہ کچھ عرصہ تک نگینہ میں ملازم رہا۔ بعد میں دارالعلوم دیوبند میں ملازم رکھ لیا گیا جہاں وہ مولانا محمود الحسن کا مرید ہو گیا۔ اسے ان سے گہری وابستگی ہے۔ وہ سازش کا اہم رکن ہے۔ دیوبند میں خفیہ جلسوں میں شامل ہوا کرتا تھا۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں مولانا محمود الحسن کے ہمراہ حجاز گیا۔ جماعت کے خازن کے طور پر کام کیا۔ اپریل ۱۹۱۶ء میں غالب نامہ ساتھ لے کر واپس آیا جو ہندوستان میں اور آزاد علاقہ میں سازشیوں کو دکھانے کے بعد وہ کابل لے گیا جہاں وہ جون ۱۹۱۶ء میں پہنچا۔ ابھی تک وہ عبیداللہ وغیرہ کے ساتھ کابل میں ہے شاید حضرت مولانا کے نام خط اسی نے تحریر کیا ہے۔

(۱۶۱) محمد محسن مولوی:

دیکھئے محسن مولوی

(۱۶۲) محمد مبین مولوی:

جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ دیوبند کے حاجی محمد مومن کا لڑکا ہے۔ مدرسہ اسلامیہ سہارنپور میں تعلیم پائی ہے۔ جہاں مولوی خلیل احمد کا شاگرد تھا۔ تکمیل درس کے بعد

اسے مدرسہ اسلامیہ انبالہ میں مدرسی کی ملازمت مل گئی۔ اسی وقت سے وہاں پر کام کر رہا ہے۔ اگرچہ وہ مولوی خلیل احمد کا مرید ہے لیکن مولانا محمود الحسن کے عرب جانے سے چھ ماہ پہلے ان کا سخت معتقد ہو گیا۔ اس کی سازش کا ایک رکن بن گیا۔ دیوبند کی خفیہ میٹنگوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ مولانا محمود الحسن کے سفر حجاز کے لیے میرٹھ، دلی، راندیر، کلکتہ، رنگون وغیرہ سے رقوم جمع کیں۔ محمود الحسن کی روانگی کے وقت ستمبر ۱۹۱۵ء میں محمد مبین کو کلکتہ روانہ کیا گیا تاکہ مولانا ابوالکلام آزاد کو مولانا کی ہجرت کا سبب بتا سکے اور وہاں سے ان کا جواب مولانا کو بمبئی پہنچائے۔ محمد میاں عرف مولوی منصور نے غالب نامہ لے کر کابل روانہ ہونے سے پہلے اس سے انبالہ میں ملاقات کی۔

نوٹ: محمد مبین خطیب کے نام سے بھی مشہور ہے جس کا مطلب ہے کہ نماز عیدین کے خطبہ پڑھنے والا۔ حضرت مولانا کے نام عبیداللہ کے خط میں خطیب کا جو لفظ آیا ہے شاید اس کا اشارہ اسی کی طرف ہو۔

(۱۶۳) محمد صادق مولوی آف سندھ:

جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ سندھ کے انتہائی کٹر وہابیوں میں شامل ہے۔ شیخ ابراہیم ایم اے سابق پروفیسر حبیبیہ کالج کابل اس کا بھتیجا ہے۔ جنگ چھڑنے کے بعد سے یہ شخص روپوش رہ کر جہاد کے لیے پروپیگنڈہ کر رہا ہے۔ عبیداللہ پیر جھنڈے والا اور دوسرے منحرف سرہندی سندھی پیروں کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ ۱۹۱۵ء اور ۱۹۱۶ء کے شروع میں قلات (بلوچستان) کی شورشوں میں اس کا ہاتھ ہے۔ اب وہ کاروار میں نظر بند ہے۔

(۱۶۴) محمد سہول مولوی:

مولوی محمد سہول آف پرینی ضلع دربھنگہ بہار کانپور میں مولانا احمد حسن کی نگرانی میں تعلیم پائی اور دیوبند میں مولانا محمود الحسن سے تعلیم حاصل کی لیکن آخر الذکر مقام پر وہ پانی پت کے ایم حمداللہ کا ہم درس تھا۔ وہ مولانا رشید احمد گنگوہی کا مرید تھا۔ تکمیل درس کے بعد مولوی سہول نے دیوبند کے مدرسہ میں چند سال تک مدرس کی حیثیت سے کام کیا جس کے بعد وہ مدرسہ عالیہ

عربیہ کلکتہ کے اسٹاف میں شامل ہو گئے جہاں اب وہ سینئر مدرس ہیں۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں مولانا محمود الحسن کے ہمراہ عرب چلا گیا تھا اور محمد میاں و مرتضٰی حسن کے ہمراہ واپس آیا تھا۔ شاید سازش جہاد میں شامل تھا۔ دیوبند اور مکہ میں خفیہ جلسوں میں شامل ہوا کرتا تھا۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں بدست محمد مسعود مولانا محمود الحسن کو روپیہ بھی روانہ کیا تھا۔

(۱۶۵) محمد سعید مولوی:

مدرسہ صولتیہ مکہ کے عملہ سے تعلق رکھتا ہے۔ غالبًا یہ ہندوستانی ہے۔ مکہ میں دھرم پور رباط میں مولانا محمود الحسن کے خفیہ مشوروں میں شامل ہوا کرتا تھا۔

(۱۶۶) محمد سلیم:

جنود ربانیہ کی فہرست میں کپتان ہے۔ اس شخص کی شناخت نہیں ہو سکی۔

(۱۶۷) محمد طرزی:

مدیر ''سراج الاخبار'' کابل وخسر پرنس عنایت اللہ جان، اتحاد اسلامی کا زبردست حامی ہے۔ اس نے ایم عبید اللہ کا تعارف پرنس عنایت اللہ سے کرایا تھا اور دوسرے طریقوں سے بھی اس کی اسکیموں میں مدد کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ محمد طرزی، ابوالکلام آزاد اور محی الدین عرف برکت علی قصوری کا گہرا دوست ہے۔

(۱۶۸) محمد یوسف مولوی گنگوہی:

جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ مولوی محمد یوسف گنگوہی، مولانا رشید احمد گنگوہی کا نواسہ ہے جو مولانا محمود الحسن کا پیر ہے۔ اٹاوہ کے کنال ڈیپارٹمنٹ میں ضلعدار ہے۔ جنگ بلقان کے موقع پر ڈاکٹر انصاری کے ہمراہ ترکی گیا تھا۔ مولانا محمود الحسن سے اس کا تعلق ہے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مرید ہے یا نہیں۔

(۱۶۹) مجاہدین:

مجاہدین لفظ مجاہد کی جمع ہے۔ مجاہد کے معنی وہ شخص جو مقدس جنگ کرے۔ مجاہدین یا

ہندوستان متعصبین ایک اصطلاح ہے جس کا اطلاق ہندوستان خصوصاً وادی گنگا سے ترک وطن کرنے والوں کی کالونی پر ہوتا ہے جو بریلی کے مولوی سیّد احمد شہید کی قیادت میں سرحد پار کے یوسف زئی کے علاقہ میں ۱۸۲۴ء میں قائم کی گئی تھی۔ سیّد احمد شہیدؒ نے عرب کا سفر کیا تھا جہاں اس پر نجدیوں کی وہابی کٹرپن کی تحریک کا رنگ چڑھ گیا۔ ہندوستان میں وہ وہابی تحریک کے بانیوں میں سے ہے۔ مجاہدین کی بستی قائم کرنے سے ان کا اصل مقصد ''بے دین'' سکھوں کے خلاف بغاوت کی آگ بڑھکانا تھا جو اس وقت پشاور تک پنجاب کے حکمران تھے۔ اس بستی کے قیام کے بعد سے اس کے باشندوں اور ہندوستانی وہابیوں کے درمیان بہت قریبی تعلق رہا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں ہندوستانی متعصبوں نے انتہائی کوشش کی کہ سرحد پر عام جنگ کی آگ بھڑک اُٹھے۔

۱۸۶۵ء میں وہابیوں کے خلاف مقدمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستانی متعصبوں کا ہندوستان میں اپنے بھائیوں کے ساتھ گہرا تعاون رہا ہے۔ گزشتہ کئی برسوں کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستانی متعصب ہر وقت سرحدی لڑائیوں میں مصروف رہے ہیں۔ ہندوستان سے نئے بھرتی ہونے والوں کی وجہ سے ان کی تعداد برقرار رہتی ہے۔ اس طرح ہندوستانی کا اصل مفہوم (یعنی ہندوستان کے لوگ) ان پر اب بھی صادق آتا ہے۔ پچھلے برسوں میں ان کی شرانگیزی کی طاقت میں کافی کمی ہوگئی تھی لیکن ۱۹۱۵ء میں ان کی سرگرمیاں پھر نمایاں طور سے مشاہدہ میں آئیں۔ ہندوستانی متعصبوں کی اس قیام گاہ کو ہندوستان سے فرار ہونے والے اکثر پناہ گاہ کے طور پر استعمال کرنے لگے۔

لاہور کے جن جہادی طلباء نے فروری ۱۹۱۵ء میں سرحد پار کی تھی اور بعض دوسرے منحرف لوگ جنہوں نے ان کی پیروی کی تھی یعنی (مولوی عبدالرحیم عرف بشیر، ایم ولی محمد فتوحی والا برکت علی برطرف شدہ سب جج لائلپور وغیرہ) ان سب نے پہلے مرحلہ میں مجاہدین کے پاس پناہ لی۔ بعض صورتوں میں پنجاب میں غدر پارٹی کی شورشوں کے بعد سکھوں نے ان متعصب لوگوں میں پناہ لی۔ ہندوستانی اور پنجاب، دلی، بہار بنگال اور سندھ کے وہابیوں کے درمیان بڑا گہرا رابطہ ہے اور اس بات کا یقین کرنے کی کافی وجوہات ہیں کہ ان صوبہ جات

سے نقد روپے اور والنٹیروں کے ذریعہ ان کی زبردست امداد کی جاتی ہے۔ امیر بھی ان کو دو ہزار روپے سالانہ کی امداد دیتا ہے۔

ان متعصبوں کی عددی طاقت مختلف اندازوں کے مطابق چھ سو اور دو ہزار کے درمیان ہے۔ ان میں سے چار سو جنگ کے قابل ہیں جو منہ کی طرف سے بھری جانے والی بندوقوں، جدید ترین قسم کی چند توڑے دار بندوقوں سے لیس ہیں۔ ان کا ہیڈ کوارٹر اسمس میں ہے جو مداخیل کے علاقہ میں دربند سے تیس میل شمال مغرب میں ہے۔ کسی کسی وقت یہ لوگ فوجی مشقیں کرتے ہیں ورنہ زیادہ تر کاہلی کی زندگی گزارتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر لوگ اکیلے ہیں۔ ان میں بہت ہی کم لوگوں کے بیوی بچے ان کے ساتھ ہیں۔ متعصبوں کے لیڈر کو امیر یا رئیس کہا جاتا ہے۔ مولوی نعمت اللہ اس وقت ان کا امیر ہے جو عبداللہ کا لڑکا اور دلی کے مشہور مولوی اسماعیل کا پوتا ہے جو غدر کے وقت اپنے گھر سے مفقود الخبر ہو گئے تھے۔ ان کا قریب ترین پڑوسی امب کا نواب ہے جس کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ مولوی نعمت اللہ کا شاگرد ہے۔ سردار نصر اللہ خاں جو کابل میں ہے ان کی ضرورتوں اور معاملات میں بڑی دلچسپی لیتا ہے۔ مولوی عبدالرحیم عرف بشیر مجاہدین کا وکیل ہے اور ان کے اور نائب السلطنت کابل کے درمیان رابطہ کا کام کرتا ہے۔ وہ گولی بارود اور روپیہ لانے کے لیے اکثر اس جگہ کا دورہ کرتا رہتا ہے۔

۱۹۱۶ء میں ہندوستانی متعصبوں نے افغان سرحد پر مقام چمرقند میں اپنی بستی کی ایک شاخ قائم کی تاکہ کابل سے قریبی رابطہ قائم رکھ سکیں۔ مولوی عبدالکریم سابق فوجی کمانڈر اسمس اس ذیلی بستی کا امیر ہے۔ اسمس میں ایک پریس بھی لگایا گیا ہے تاکہ جہاد کے فرامین، اعلانات اور باغیانہ پمفلٹ وغیرہ بھی چھاپ سکے۔

سرحد میں سیف الرحمٰن اور دوسرے لوگوں کی سرگرمیوں کا متعصبوں سے گہرا تعلق ہے۔ ان سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ ہندوستان میں بعض خطرناک متعصب گروہوں نے جو اگرچہ وہابی عقیدوں کے پوری طرح پابند نہیں عمداً ہندوستان میں اور سرحد پر اس پرانی تحریک کو اتحاد اسلامی اور برطانیہ دشمنی کے مقاصد کے لیے پھر زندہ کر دیا ہے۔

۱۵ اگست ۱۹۱۵ء کو مقام رستم میں جو لڑائی ہوئی اس کے لیے مہاجرین ذمہ دار ہیں اور بعض متعصبوں نے برطانوی فوجیوں کے خلاف کارروائی میں بھی حصہ لیا۔

(۱۷۰) منیر بے:

(۱) یہ ترک ڈاکٹر کابل کے سول اسپتال کا انچارج ہے۔ اس کی چشم پوشی کے باعث کابل میں اسپتال کی عمارت میں جرمن مشن کے کمروں سے ایم عبیداللہ، محمد علی بی اے، شیخ ابراہیم ایم اے اور لاہور کے دوسرے جہادی طلباء کی ملاقاتیں اور مشورے ہوا کرتے تھے۔

(۱۷۱) مرتضیٰ حسن مولوی:

دیکھئے مرتضیٰ مولوی

(۱۷۲) مرتضیٰ مولوی:

واقعات مابعد جدہ بیان کرتے ہوئے عبیداللہ نے حضرت مولانا کو جو خط لکھا تھا اس میں یہ نام آیا ہے یہ اور مولوی سیّد مرتضیٰ حسن پسر حکیم بنیاد علی ساکن چاند پور ضلع بجنور صوبہ جات متحدہ ایک ہی شخص ہیں۔ دیوبند میں تعلیم پائی اور بعد میں بحیثیت مدرس مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں نیز مدرسہ دیوبند میں کام کرتا رہا۔ اس نے طبیب کا کام بھی کیا ہے مولانا محمود الحسن کا پکا معتقد اور سازش جہاد کا سربرآوردہ ممبر ہے۔ دیوبند کے خفیہ مشوروں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں مولانا محمود الحسن کے ساتھ عرب گیا تھا۔ محمد میاں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ فروری ۱۹۱۶ء میں واپس آیا تھا۔ مولانا محمود الحسن اسے ساری پارٹی میں سب سے زیادہ لائق اور چالاک سمجھتے تھے۔ مولانا کے تحت وہ سب سے بڑا افسر تھا۔ صوبہ جات متحدہ کی سی آئی ڈی نے جب اسے گرفتار کیا تو وہ مراد آباد کے کسی مدرسہ میں مدرس تھا۔

(۱۷۳) مشتاق احمد مولوی:

مولوی احمد کالڑکا جو یو، پی کا مشہور مولوی ہے۔ تقریباً گزشتہ سات برس سے وہ مدرسہ صولتیہ کے مدرسوں میں شامل ہے۔ دیوبند کے سازشیوں کے خفیہ اجتماعات میں شامل ہوا کرتا تھا جو مکہ میں دھرم پور رباط میں ہوا کرتے تھے۔

(۱۷۴) نادر شاہ:

جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹننٹ ہے۔ یہ شخص لاہور ڈسٹرکٹ پولیس کا سابق لائن ہیڈ کانسٹیبل نادر شاہ ہے جو اپنے خسر خلیل الرحمٰن سابق ہیڈ کانسٹیبل پولیس کو ۱۲ مارچ ۱۹۱۵ء کو قتل کرنے کے بعد مفرور ہو گیا تھا۔ یہ لڑکا ہے محمد شاہ قریشی کا جو موضع پائل تھانہ نوشہرہ ضلع شاہ پور کا باشندہ ہے۔ اس کا بھائی حسین شاہ گائڈس میں دفعدار ہے اور ۱۹۱۵ء میں ہز ایکسی لینسی وائسرائے کے باڈی گارڈ میں خدمت انجام دے رہا تھا۔ نادر شاہ فروری یا مارچ ۱۹۱۶ء میں کابل پہنچا جہاں اس کا تعلق لاہور کے جہادی طلباء اور دوسرے ہندوستانی انقلاب پسندوں سے قائم ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ برطانیہ کے خلاف مینگل قبائل کی بغاوت میں اس نے حصہ لیا ہے جو ۱۹۱۵ء میں سرحد پر ہوئی تھی۔ اس نے ایک انگریز افسر اور ایک انگریز کرنل کو ہلاک کیا تھا جن کی تلواریں اب تک اس کے قبضہ میں ہیں۔

۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء کو اس جماعت کے ہمراہ روانہ ہوا جو قبائلی ملاؤں وغیرہ کے لیے سردار نصر اللہ خاں کے خطوط لے کر آئی تھی۔ ان میں متحد ہو کر برطانیہ کے خلاف جنگ کرنے کے واسطے کہا گیا تھا۔ شاید اب تک آزاد علاقہ میں ہے۔

(۱۷۵) نصیر احمد حافظ دہلوی:

دہلی میں یہ ایک بڑا پیر بنا ہوا تھا۔ مولانا محمود الحسن کے ساتھ سازش میں یہ اچھی طرح شریک تھا۔ ایم حمد اللہ اور ایم ظہور احمد اس سے اچھی طرح واقف تھے جو اس سے اکثر ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔

(۱۷۶) نظارۃ المعارف القرآنیہ دلی:

ایک مشہور ادارہ ہے جسے ایم عبید اللہ نے جمعیۃ الانصار دیوبند سے رابطہ منقطع کرنے کے بعد یکم نومبر ۱۹۱۳ء کو قائم کیا تھا۔ نظارۃ المعارف کا ظاہری مقصد یہ تھا کہ وہ انگریزی خواں مسلمانوں میں عربی تعلیم کا شوق پیدا کرے لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کو مشنری کی ٹریننگ دینے کا ادارہ تھا اور ان کے ذہن میں سخت متعصّبانہ خیالات پیدا کرتا تھا۔ اس کام میں

عبیداللہ کے خاص ساتھی ایم احمد علی قاضی ضیاء الدین ایم اے، اصطفٰی کریم بی اے، انیس احمد بی اے وغیرہ تھے۔ جب کہ مولانا ابوالکلام آزاد، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، محمد علی آف کامریڈ، مرحوم شبلی نعمانی، نواب مشتاق حسین وغیرہ اس کے پرجوش ہمدرد تھے۔ مصارف دوسو روپیہ مہینہ کی دربار بھوپال کی امداد، ڈاکٹر انصاری کا پچاس روپیہ ماہانہ کا چندہ اور سفیروں کے ذریعہ جمع ہونے والی رقوم سے پورے ہوتے تھے۔ ۱۹۱۴ء میں یہ تجویز تھی کہ نظارہ کو کلکتہ کے دارالارشاد میں ضم کر دیا جائے لیکن بعد میں اسے رد کر دیا گیا۔ حال ہی میں نظارہ کو اتحاد اسلامی کے منصوبوں کی تیاری کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ نیز آزاد علاقہ کو جانے والے اور وہاں سے واپس آنے والوں کے لیے قیام کا کام دیتا ہے۔ عبیداللہ کے فرار کابل کے بعد ایم احمد علی نے کچھ دنوں تک اس ادارہ کا انتظام چلایا۔ ۲۵ جون ۱۹۱۶ء سے اس کا وجود ختم ہو گیا۔

(۱۷۷) ناظم مولانا:

حضرت مولانا کے نام عبیداللہ کے سارے خط میں یہ لفظ آیا ہے۔ شاید یہ خود عبیداللہ کی طرف اشارہ ہے جس نے یہ خط لکھا ہے اور عام طور پر ناظم صاحب کہلاتا ہے یعنی ناظم نظارۃ المعارف القرآنیہ۔

(۱۷۸) نذیر احمد کاتب:

پسر محمد حسین کاتب راجپوت ساکن موضع ٹیان والا ضلع گجرات۔ وہ حافظ عبدالمنان کا شاگرد ہے جو وزیر آباد کا مشہور وہابی مولوی ہے۔ اسی کے ذریعہ اس کا تعارف مولوی فضل الٰہی خرادی سے ہوا جس نے جہاد کا جذبہ اس کے اندر بھر دیا۔ بعد میں وہ وہابی بن گیا اور فضل الٰہی نے اسے اسمس جانے پر اُبھارا۔ جہاں وہ چھ ماہ مقیم رہا اور جہادی پمفلٹ چھاپنے میں معاون ہوا۔ اب اپنے گاؤں میں ہے اور اس کو باہر جانے کی اجازت نہیں۔

(۱۷۹) نعمت اللہ:

موجودہ امیر مجاہدین (پسر عبداللہ) دلی کے مشہور مولوی اسماعیل کا پوتا جو غدر کے وقت اپنے گھر سے فرار ہو گئے تھے اور جنہوں نے اسمس میں مجاہدین کی بستی کی بنیاد ڈالی تھی۔ اس کا چھوٹا بھائی رحمت اللہ اس کا نائب ہے۔

(۱۸۰) نور الحسن سیّد:

دیکھیے سیّد نور۔

(۱۸۱) عبید اللہ:

اس نے ریشمی خطوط پر دستخط کیے ہیں۔ پہلے سکھ تھا، اس کا اصلی نام بوٹا سنگھ ہے چیانوالی ضلع سیالکوٹ کا رہنے والا ہے۔ اوائل عمر میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ ابتدائی تعلیم سندھ میں پائی۔ پھر مدرسہ دیوبند میں داخل ہوا تکمیل درس کے بعد اس نے بارہ برس سندھ میں گزارے جہاں پیر جھنڈا اور نواب شاہ میں مدرسے قائم کیے۔ ۱۹۱۲ء میں دیوبند واپس آ گیا جہاں جمعیۃ الانصار قائم کی۔ جنگ بلقان میں بڑے پیمانہ پر ہلال احمر فنڈ کے لیے روپیہ جمع کیا اور غیر ملکی مال کے بائیکاٹ کی تبلیغ کر کے اہمیت و شہرت حاصل کر لی۔ بعد میں وہ دلی میں مقیم ہو گیا جہاں اس نے نظارۃ المعارف القرآنیہ قائم کر دیا جس کا وہ اب بھی ناظم ہے وہ مولانا ابوالکلام آزاد، قاضی ضیاء الدین، مولوی احمد چکوالی، حسرت موہانی، محمد علی آف کامریڈ، شوکت علی، مولوی عبدالرحمٰن عرف مولوی بشیر، مولوی غلام محمد، عبدالقادر ساکن دین پور (ریاست بہاولپور) شیخ عبدالرحیم ساکن حیدر آباد سندھ وغیرہ وغیرہ کا شریک کار ہے۔

فروری ۱۹۱۵ء میں جب لاہور کے جہادی طلباء فرار ہو کر ہندوستانی متعصبوں کے پاس پہنچے تو وہ لاہور میں موجود تھا۔ مولانا محمود الحسن کا پکا مرید ہے۔ اس نے حضرت مولانا پر اثر ڈالا اور بالآخر انہیں اتحاد اسلامی کا اتنا زبردست مبلغ بنا دیا۔ وہ دیوبند کے خفیہ مشوروں میں شریک ہوتا تھا۔ قصور کے محمد علی بی اے اور مولوی ابراہیم سندھی ایم اے جو حبیبیہ کالج کابل میں عبید اللہ کی سازش سے پروفیسر مقرر کیے گئے تھے۔ فی الحقیقت وہاں پر انقلابی کام کے لیے زمین ہموار کرنے کے واسطے بھیجے گئے تھے۔ جولائی ۱۹۱۵ء براہ کوئٹہ و قندھار افغانستان کے لیے روانہ ہو گیا۔ مولوی عبداللہ سندھی، فتح محمد اور محمد علی برادر احمد علی کو اپنے ہمراہ لے گیا۔ اکتوبر ۱۹۱۵ء میں کابل پہنچا۔ پرنس عنایت اللہ خان، سردار نصر اللہ خاں اور امیر سے ملاقاتیں کیں۔ حاجی عبدالرزاق سے قریبی تعلقات قائم کیے جو نائب السلطنت کا پیش کار تھا۔ محمد طرزی مدیر سراج

الاخبار نیز تارا خاں سے ملا جو امیر کی افواج کا کمانڈ انچیف تھا۔ تعلق پیدا کیا۔ سول اسپتال کابل میں جرمن مشن کے ممبروں سے خفیہ ملاقاتیں کیں۔ عبید اللہ اور مولوی عبدالرحیم نے آزاد علاقہ کے بعض حصوں کا دورہ مشن کے جرمن وسٹرین ممبروں کو کرایا۔ وہ علم جہاد بلند کرنے کے لیے اور سارے افغانستان کو بھڑکا کر برطانیہ کے خلاف جنگ کرانے کے ارادہ سے ہندوستان سے گیا تھا۔ فروری ۱۹۱۶ء میں اس نے عبداللہ سندھی اور فتح محمد کو کابل سے جہاد کے فتوے اور خطوط دے کر اپنے خاص خاص شرکاء کار کے پاس ہندوستان روانہ کیا۔ جولائی ۱۹۱۶ء میں اس نے شیخ عبدالحق کے ہاتھ حیدرآباد کے شیخ عبدالرحیم کو ریشمی خطوط روانہ کیے، ان خطوط کا پتہ چل گیا اور یہ حکومت کے قبضہ میں آ گئے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں کابل میں قائم مقام سالار ہے۔

(۱۸۲) باچا ملا عبدالخالق:

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔ باچا کی زیارت گاہ کا نگران اور محافظ ہے جو بنیر میں گدے زئی کے علاقہ کی اہم زیارت گاہ ہے۔ بظاہر عملی سیاست میں حصہ نہیں لیتا لیکن دوسرے اہم ملاؤں جیسے سنڈاکی ملا وغیرہ کی آؤ بھگت کرتا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں حاجی صاحب ترنگ زئی کا ایک خط سے ایک ہندوستانی متعصب کے ذریعہ پہنچا تھا۔

(۱۸۳) پشاور جہادی پارٹی:

اس کا اطلاق ان چار مہاجرین پر ہوتا ہے جو ۱۹۱۵ء کے آخر میں جہاد کے لیے پشاور سے کابل پہنچے تھے۔

(۱) فقیر محمد سکنہ مورت لکی ضلع بنوں۔ یہ کوہاٹ میں وٹرنری اسسٹنٹ تھا۔

(۲) عبدالرحیم (۳) فضل قادر

(۴) شیر علی، طلبائے اسلامیہ ہائی اسکول، پشاور

یہ لوگ شاید اب کابل میں ہیں۔

(۱۸۴) پیر بخش:

ولد علی مردان بار بار کوہاٹ سٹی، کوہاٹ اسکول کا ایک سابق طالب علم، یہ کوہاٹ کی جہادی جماعت کا ایک رکن تھا جو لاہوری طلباء کے غائب ہونے کے کچھ عرصہ بعد بھاگ کر آزاد علاقہ میں پہنچے تھے۔ اب شاید کابل میں ہے۔

(۱۸۵) قاضی صاحب:

واقعات مابعد جدہ بیان کرتے ہوئے عبیداللہ نے حضرت مولانا کو جو خط لکھا ہے اس میں یہ نام آیا ہے۔ یہ شخص اور قاضی محی الدین احمد خاں قاضی ریاست بھوپال ایک ہی ہیں۔ (مراد آباد (یوپی) کے نواب شیر علی خاں کا لڑکا ہے اس کو نواب محی الدین بھی کہا جاتا ہے۔ وہ اور مولانا محمود الحسن دیوبند میں ہم سبق تھے۔ اس وقت ان کے درمیان بڑی گہری دوستی ہے۔ ایم محمود الحسن کی باغیانہ سرگرمیوں سے اس کا بڑا گہرا تعلق تھا اور سازش جہاد کا رکن تھا۔ جب مولانا مکہ روانہ ہوئے تو ان کو رخصت کرنے بمبئی گیا تھا۔

(۱۸۶) رب نواز خاں، خان بہادر:

ریٹائرڈ رسالدار میجر اور ملتان شہر کا آنریری مجسٹریٹ، مکمل وفادار شخص ہے۔ اس کے دو لڑکے اللہ نواز خاں اور شاہ نواز خاں لاہوری طلباء کی جہادی پارٹی میں شامل ہیں جو فروری ۱۹۱۵ء میں آزاد علاقہ کو بھاگ گئی تھی۔ تیسرا لڑکا پنجاب میں پولیس سب انسپکٹر ہے۔ شیخ عبدالحق نے ریشمی خطوط خان بہادر کے حوالہ کیے تھے۔

(۱۸۷) رحمت علی مہاجر:

جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹننٹ کرنل ہے۔ کرم الٰہی کلرک آفس فنانس کمشنر لاہور کا لڑکا ہے۔ ان لاہوری طلباء (میڈیکل کالج لاہور) میں شامل ہے جو فروری ۱۹۱۵ء میں سرحد کو بھاگ گئے تھے۔ گوجرانوالہ کا باشندہ ہے۔

(۱۸۸) رائے پور والا مولوی:

حضرت مولانا کے نام عبیداللہ کے خط میں اس کا تذکرہ ہے۔ یہ غالباً رائے پور ضلع

سہارنپور (یو، پی) کے مولوی عبدالرحیم ہیں جو مولانا رائے پوری کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ مولانا محمود الحسن کی جہاد کی اسکیموں میں شریک تھے لیکن ہندوستان سے ہجرت کے مخالف تھے۔ یہ دیو بند کے مدرسہ کی کمیٹی میں بھی شامل ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمود الحسن کی عدم موجودگی میں اسے نائب نمائندہ کے طور پر روپیہ جمع کرنا اور اسے حمداللہ کو پہنچانا تھا۔

(۱۸۹) رام پوری مولوی:

جدہ کے بعد کے واقعات کے بیان میں حضرت مولانا کے نام عبیداللہ نے اپنے خط میں تذکرہ کیا ہے۔ رام پور کے مولوی احمد یہی ہیں، حکیم ہیں۔ یہ مولانا محمود الحسن کے شاگرد اور مدرسہ دیو بند کی کمیٹی کے ممبر ہیں۔ خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ مولانا محمود الحسن کے سفر حج پر ان سے ملنے دیو بند آئے اور سفر حج کے لیے تین سو روپے دیے لیکن مولانا نے ان سے کہا کہ روپیہ اپنے پاس رکھیں اور جب ضرورت ہو تو حمداللہ کو دے دیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اس تحریک سے الگ ہو گیا اور روپیہ دینے سے انکار کر دیا۔

(۱۹۰) رمضان آف پانی پت:

محمد رمضان پسر شبراتی موضع راک سرائے تھانہ سمبھلکا ضلع کرنال۔ آج کل موضع بسارا ضلع کرنال میں مقیم ہے۔ پانی پت سہارنپور اور دلی میں مذہبی تعلیم حاصل کی ہے۔ ذات کا بنکر ہے لیکن جہاں بھی جگہ مل جائے امامت کرتا ہے۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں ایس ایس حجاز کے ذریعے حج کو گیا۔ جس میں اس کی ملاقات دیو بند کے محمد مسعود اور پانی پت کے محمد لطیف سے ہوئی۔ نومبر ۱۹۱۶ء میں وہ واپس آ گیا۔ مولانا محمود الحسن سے وہ حمداللہ کے لیے ایک خط لایا تھا۔ یہ خط اصلی حالت میں برآمد ہو گیا۔

(۱۹۱) رشید احمد انصاری مولوی:

جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ مولوی رشید احمد انصاری محمد میاں عرف مولوی منصور کا برادر نسبتی ہے۔ ایم اے او کالج علی گڑھ میں ملازم ہے۔ پہلے وہاں پریس میں کام کرتا تھا۔

(۱۹۲) اسد اللہ پیر جھنڈے والا:

مشہور سندھی پیر ساکن موضع گوٹھ پیر جھنڈا تحصیل ہالا ضلع حیدر آباد بہت متعصب اور جنونی ہے۔ سندھ کاٹھیاواڑ، بلوچستان، ریاست بہاولپور وغیرہ میں چھ لاکھ مرید ہیں اور بالعموم اپنے معتقدین کے درمیان گشت کرتا رہتا ہے۔ اپنے گاؤں میں ایک مدرسہ دارالارشاد مذہبی تعلیم دینے کے لیے قائم کیا ہے۔ ایم عبید اللہ اس ادارہ کا ۱۹۰۹ء تک کئی برس ہیڈ مولوی اور ناظم رہا ہے۔ پیر اسد اللہ کٹر وہابی بیان کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس نے مجاہدین کو ایک موقع پر ان کے ایک نمائندہ کے ذریعہ روپیہ بھیجا تھا۔ انگلینڈ کا سفر کر چکا ہے۔ عبید اللہ کا خاص شریک کار بیان کیا جاتا ہے جس کو اس نے کابل جانے میں مدد دی ہے۔ مولوی عبد اللہ سندھی اور فتح محمد کابل سے جو خطوط لائے تھے ان میں عبید اللہ کی طرف سے ایک خط پیر جھنڈے والا کے لیے تھا جس میں پیر سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ جہاد کے لیے مدد کرے۔ ریشمی خط لانے والا شیخ عبدالحق عبید اللہ کی طرف سے ایک خط اس پیر کے واسطے بھی لایا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ ایم احمد علی کے ذریعہ ایک ہزار روپے (غالباً مولانا محمود الحسن کو) بھیجے جو حج کے لیے جانے والا ہے۔ جنگ شروع ہونے سے چھ سات برس پہلے وہ مذہبی جنون کا اظہار کیا کرتا تھا اور اپنے بیان کے مطابق انگریزی تہذیب اور مذہب عیسوی کی برائیوں کی مذمت کیا کرتا تھا۔ جنگ چھڑ جانے کے بعد اس نے آزادی کے ساتھ جرمنوں کی فتح اور جب ترکی بھی جنگ میں شامل ہو گیا۔ تو ترکی کی کامیابیوں کی باتیں شروع کر دیں۔ شاید عبید اللہ کے خراب اثر سے وہ اظہار خیال میں محتاط ہو گیا ہے۔ بعد کی تحقیقات سے ظاہر ہوا کہ پیر اسد اللہ کا رابطہ دیو بند کے سازشیوں سے بھی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جھنڈے والے پیر اپنے مریدوں سے جہاد کی بیعت لیتے تھے۔

(۱۹۳) رئیس المجاہدین:

مجاہدین کا سربراہ یا امیر۔ مولوی نعمت اللہ ولد عبد اللہ بدنام مولوی اسماعیل کا پوتا آج کل امیر ہے۔ مولوی اسماعیل غدر کے وقت اپنے گھر سے غائب ہو گیا تھا۔

(۱۹۴)رضوان شاہ:

کابل کا باشندہ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ ایک خوشحال شخص ہے اور وہاں کئی باغات وغیرہ کا مالک ہے۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں وہ اسی جہاز سے حجاز گیا تھا جس جہاز سے مولانا محمود الحسن اور ان کی جماعت کے لوگ گئے تھے۔ مکہ میں وہ مولانا سے بہت بے تکلف ہوگیا اور اس نے آخرالذکر کو بتایا کہ امیر پر اس کا بہت اثر ہے اور اس بات کا اہتمام کرسکتا ہے کہ ساری پارٹی کا کابل میں بڑے اعزاز سے خیر مقدم کیا جائے۔ مولانا محمود الحسن نے اس کو روپیہ دیا اور مطلوب الرحمٰن کے ہمراہ ایس ایس کویت سے اکتوبر ۱۹۱۵ء میں کابل جا کر استقبال کرانے کے واسطے حجاز سے واپس آ گیا۔ اس کی دیانت کے بارے میں شک ہے۔ ممکن ہے وہ دھوکہ باز ہو۔

(۱۹۵)صدرالدین:

جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ یہی شخص عبدالکریم برلاسی عرف صدرالدین ولد امیر علی سکنہ سہسرام (بہار) ہے۔ ۱۹۱۰ء تک بنارس کے کسی اسپتال میں کمپوڈر تھا جب کہ اسے آگرہ میڈیکل کالج میں کمپوڈر اسٹوڈنٹ کے طور پر داخل کرلیا گیا لیکن ۱۹۱۴ء میں طلباء کی ہڑتال سے تعلق کی بنا پر اسے نکال دیا گیا۔ آگرہ میں اس نے طرابلس اور بلقان کی لڑائیوں میں دلچسپی لی۔ ترکی کی مدد کے لیے چندہ جمع کرنے میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ ۱۹۱۵ء میں سرحد میں قبائلیوں کی بغاوت کے بعد ابوالکلام آزاد نے لڑائی میں زخمی ہونے والے قبائلیوں کی دیکھ بھال کے لیے روانہ کیا۔ وہاں سے وہ عبدالرحیم کے ساتھ ۱۹۱۶ء میں کابل چلا گیا، تاکہ افغان حکومت کی ملازمت کر سکے لیکن اسے ملازمت دینے سے انکار کر دیا گیا۔ کابل میں ایک ماہ قیام کے بعد وہ ہندوستان واپس آ گیا۔ اثنائے سفر میں اس نے لاہور میں قیام کیا اور صوفی مسجد میں مولوی ابواحمد سے اور رفاہ عام پریس کے ایم عبدالحق سے ملاقات کی۔ پھر وہ قصور چلا گیا اور محی الدین عرف برکت علی ولد عبدالقادر پلیڈر کے ہمراہ مقیم ہوا۔ یہ جولائی ۱۹۱۶ء کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد وہ دلی پہنچا اور محی الدین کا تعارفی خط دکھا کر نظارۃ المعارف کے ایم احمد علی سے ملاقات کی۔ دلی کے بعد وہ ملک میں آگے کی طرف گیا۔ شاید اپنے گھر بھی گیا اور مولانا

ابوالکلام آزاد سے بھی ملاقات کی۔ اگست ۱۹۱۶ء میں وہ پھر احمد علی کے پاس پہنچا اور اس کے ذریعہ حمداللہ سے روپیہ حاصل کرنے کی کوشش کی تاکہ وہ سرحدی علاقہ کو واپس جاسکے۔ ناکام رہنے پر وہ بنارس واپس آ گیا جہاں بالآخر اس کو گرفتار کرلیا گیا۔

(۱۹۶) سیف الرحمٰن مولوی صاحب:

ولد غلام خاں ساکن متھرا تھانہ شنکر گڑھ شمالی مغربی سرحدی صوبہ۔ مولانا محمود الحسن نے جہاد کی جو سازش تیار کی تھی اس میں ایک اہم ترین شخص ہے۔ سیف الرحمٰن درانی خاندانی کا ہے۔ اس کا خاندان کابل سے ترک وطن کرکے پشاور آیا اور اسی ضلع میں سکونت پذیر ہوگیا۔ علی گڑھ میں مولوی لطف اللہ سے مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے بعد سیف الرحمٰن بالآخر شاہجہانپور کے اسلامیہ اسکول کا ہیڈ ماسٹر بن گیا۔ اس کے بعد وہ ریاست ٹونک پہنچا اور ایک ریاستی اسکول میں ملازمت اختیار کرلی۔ تقریباً ۵ برس ہوئے سیف الرحمٰن دلی چلا گیا اور مسجد فتح پوری کے اسکول کا ہیڈ ماسٹر بن گیا۔ جون ۱۹۱۵ء تک وہ دلی میں رہا جب کہ مولانا محمود الحسن عبیداللہ اور ابوالکلام آزاد کی اسکیموں کے تحت سرحد پار کرگیا۔ وہ حاجی صاحب ترنگزئی پر اثر ڈال کر ان سے غلط اقدامات کراتا رہا۔ جن کا وہ خود ہی سیکرٹری بن گیا تھا۔ سیف الرحمٰن کے اثر سے حاجی صاحب ہمیشہ آزاد قبائل اور مجاہدین میں تعصب کا جوش پیدا کرنے میں سرگرمی سے مصروف رہتا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں سرحد پر جو لڑائیاں ہوئیں ان کی ذمہ داری بڑی حد تک اس پر ہے۔ اب وہ کابل میں ہے۔

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔ حضرت مولانا کے نام عبیداللہ کے خطوط میں بھی اس کا ذکر ہے۔

(۱۹۷) سیّد نور:

یہ نام حضرت مولانا کے نام عبیداللہ کے اس خط میں آیا ہے جس میں واقعات مابعد جدہ کی تفصیل دی گئی ہے۔ یہی شخص رتھیڑی ضلع مظفر نگر (یو، پی) کا سیّد نور الحسن ہے۔ یہ سیّد ہادی حسن کا چچا ہے۔ یہ امیر آدمی ہے اور مولانا محمود الحسن کا پکا مرید ہے۔ جب وہ دیوبند تھے تو یہ

برابر آتا رہتا تھا۔ سازش کا ایک اہم ممبر ہے۔

محمود الحسن نے، جب حجاز گئے تھے تو اپنی عدم موجودگی میں اسے ہندوستان میں اسلحہ اور ہتھیاروں کا نگران بنایا تھا۔ مولانا کے ہمراہ بمبئی تک گیا تھا۔ مولانا محمود الحسن نے انور پاشا، جمال پاشا اور غالب پاشا سے جو فرمان حاصل کیے تھے اور سیّد ہادی حسن کی نگرانی میں جنھیں ہندوستان بھیجا تھا وہ ڈاکٹر حاجی شاہ بخش کے ذریعہ ایس نور الحسن کو پہنچائے جانے تھے۔ ایک شخص احمد مرزا کو ان کا فوٹو لینا تھا اور ان میں دو ایک خاص ایلچی کے ذریعہ جس کا نام ہاشم تھا کابل لے جائے جانے تھے۔ ہاشم اسی مقصد کے لیے عربستان سے آنے والا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے پشاور میں عبدالرحیم (شاید آزاد علاقہ کے ایم بشیر) کو دو سو روپے بھیجے تھے۔

(۱۹۸) سلیم خاں:

پسر جہانگیر خاں کابل کا پناہ گزیں ہے۔ سراجاہ پشاور میں رہتا ہے۔ اس کا باپ کابل سے مرحوم سردار ایوب خاں کے ہمراہ آیا تھا۔ آزاد علاقہ میں سلیم خاں کی کچھ زمین ہے جس کا وہ اکثر دورہ کرتا رہتا ہے۔ مولوی عبدالرحیم عرف بشیر، فضل محمود اور سرحد پار کے دوسرے جہادی طلباء کا شریک کار ہے۔ پشاور میں وہ محمد اسلم عطار کے اشتراک وتعاون سے پنجاب زیریں ملک کے آدمیوں کو سرحد پار پہنچایا کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اب وہ آزاد علاقہ میں ہے۔

(۱۹۹) ثناء اللہ مولوی:

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔ یہی شخص مولوی ثناء اللہ امرتسری ہے۔ انجمن اہل حدیث پنجاب کا صدر ہے۔ ہندوستان میں شاید سب سے ممتاز وہابی ہے۔ امرتسر سے شائع ہونے والے اُردو اخبار اہل حدیث کو مرتب کرتا ہے۔ مولوی ثناء اللہ مولانا محمود الحسن کا شاگرد ہے اور شاید ۲۰، ۲۵ برس گزرے ان سے حدیث پڑھی تھی۔ وہ ایم ابراہیم سیالکوٹی کا بڑا گہرا اور مخلص دوست ہے۔

(۲۰۰) شبیر احمد مولوی:

مطلوب الرحمٰن کا بھائی ہے اور دیوبند کے مدرسہ میں ملازم ہے۔ دوسرے بھائی یعنی

حبیب الرحمٰن اور مفتی عزیز الرحمٰن بھی مدرسہ کے عملہ میں شامل ہیں۔ پہلے وہ فتح پوری اسکول دہلی میں مولوی فضل الرحمٰن کے ساتھ تھا لیکن ان کا ساتھ نہیں نبھ سکا۔ چنانچہ شبیر احمد دیوبند کے مدرسہ میں آ گیا۔ وہ بڑا فاضل مولوی ہے اس نے ترکی کی امداد کے لیے چندہ جمع کرنے میں جنگ بلقان کے دوران بڑی سرگرمی سے حصہ لیا اور اسلامی سیاست میں وہ زبردست دلچسپی لیتا ہے۔

وہ مولانا محمود الحسن کی جہاد کی اسکیم کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے اور اگر اسے حبیب الرحمٰن اور مفتی عزیز الرحمٰن نہ روکتے تو وہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں مولانا کے ساتھ ہجرت کرنے والوں میں ضرور شامل ہو جاتا۔ شبیر احمد شروع میں عبیداللہ کے ساتھ دوستی رکھتے تھے لیکن بعد میں سخت دشمن ہو گئے اور دیوبند سے ان کے اخراج کے خاص ذمہ دار وہی ہیں۔

(۲۰۱) شفیق الرحمٰن حکیم ساکن رام پور (یو، پی):

انور پاشا اور جمال پاشا ترک افواج کی کامیابی کے لیے جب دعا مانگنے کے واسطے مدینہ آئے تو یہ وہاں موجود تھا اور اس نے دونوں جنرلوں کی تعریف میں اس وقت ایک قصیدہ پڑھا تھا۔ وہ جہاد کا زبردست حامی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے مدینہ میں وہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی جمع کیں جن میں جہاد کی تلقین کی گئی ہے اور پھر انہیں طبع کرنے کے لیے شام کو بھیج دیا تاکہ انہیں تقسیم کیا جا سکے۔

(۲۰۲) سیف الدین مولوی ساکن بجنور (یو، پی):

کئی برس سے عرب میں مقیم ہے۔ مکہ میں دھرم پورہ رباط میں جہاد سے متعلق محمود الحسن نے خفیہ مشوروں میں شریک ہوا کرتا تھا۔

(۲۰۳) شاہ بخش حاجی ڈاکٹر سندھی:

جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ کرنل ہے۔ حضرت مولانا کے نام عبیداللہ کے خط میں بھی یہ نام آیا ہے۔ ڈاکٹر حاجی شاہ بخش ولد امام بخش لشاوری بلوچ تھورونواچاری شہر حیدرآباد سندھ۔ یہ گھڑی ساز اور بہت چھوٹا زمیندار ہے۔ کچھ طب یونانی کا کام بھی کرتا ہے۔ یہ اسی

جہاز میں عرب گیا تھا جس جہاز میں سہارنپور کے مولانا خلیل احمد اور ان کی پارٹی نے ستمبر ۱۹۱۵ء میں سفر کیا تھا اور ایس ایس اکبر نامی جہاز سے ستمبر ۱۹۱۶ء میں ہندوستان واپس آیا تھا۔ مولوی خلیل احمد بھی اسی جہاز سے لوٹے تھے۔ مولوی حبیب اللہ اور حکیم عبدالقیوم اور شیخ عبدالرحیم (جس کے نام تشریحی ریشمی خط روانہ کیا گیا تھا) ساکن حیدرآباد سندھ کا نہایت مخلص ساتھی ہے۔ مولانا محمودالحسن کی سازش جہاد کا رکن تھا۔ حجاز سے ہندوستان پہنچنے پر اس نے فوراً حکیم عبدالقیوم اور شیخ عبدالرحیم کو تار دیا کہ اس سے حیدرآباد میں ملیں۔ یہ ممکن ہے وہ مولانا محمودالحسن کے پیغامات لایا ہو۔ محمودالحسن نے انور پاشا جمال اور غالب پاشا سے عرب میں جو چھ فرمان حاصل کیے تھے وہ حاجی شاہ بخش اور ایس ہادی حسن کی مشترکہ نگرانی میں ہندوستان بھیجے گئے تھے تاکہ سیّد نورالحسن ساکن رتھیڑی (یو، پی) کے حوالہ کیے جاسکیں۔

(۲۰۴) شاہ نواز خاں:

پسر خان بہادر رب نواز خاں آنریری مجسٹریٹ ملتان، اللہ نواز خاں اور طالب علم کا بڑا بھائی اپنے بھائی کے اصرار پر لاہور کے جہادی طلباء کے ساتھ ہو گیا تھا۔ پہلے وہ برج ہری سنگھ بر پشاور میں ملازم تھا۔ اس انقلابی پارٹی کا ایک فرد تھا جو ۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء کو کابل سے سردار نصراللہ خاں کے خفیہ خطوط قبائلی ملاؤں وغیرہ کے نام لے کر روانہ ہوئی تھی۔ ان خطوط میں ان سے متحد ہونے اور انگریزیوں سے مقابلہ کرنے کو کہا گیا تھا۔ اسے نادر شاہ اور مولوی عبدالرحیم کے ہمراہ پہلے تو یہ خطوط آزاد علاقہ میں پہنچانے تھے پھر عبدالرحیم کے ہمراہ انہیں ذاتی طور پر نواب امب اور مہتر چترال کے پاس لے جا کر انہیں پیش کرنا تھا۔ وہ جنود ربانیہ میں میجر ہے۔

(۲۰۵) صادق احمد مولوی:

(۱) مولوی شائق کے نام سے بھی مشہور ہے۔ بھاگلپور بہار کا باشندہ ہے۔

(۲) پہلے وہ عبیداللہ کی جمعیۃ الانصار دیوبند کی تشکیل میں اس کا خاص معاون تھا۔ نظارۃ المعارف دلی کے عملہ میں ان کے ساتھ تھا لیکن بعد میں اختلاف پیدا ہو گیا اور وہ علیحدہ ہو گیا۔

(۲۰۶) شوکت علی مولوی:

مولوی شوکت علی ساکن رام پور (یو، پی) اتحاد اسلامی کا مشہور حامی بدنام محمد علی ایم اے آف کامریڈ کا بھائی وہ ایکسائز ڈیپارٹمنٹ کا سابق ملازم ہے۔ عبیداللہ کا مخلص ساتھی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے سفر کابل میں اس کو مالی امداد دی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ شوکت علی نے عبیداللہ کی درخواست پر مولوی سیف الرحمٰن کو جب وہ سرحد پار جارہے تھے پانچ سو روپے دیے تھے۔ وہ انجمن خدام کعبہ کا اس وقت تک سیکرٹری رہا۔ جب تک کہ وہ اور اس کا بھائی ۱۹۱۵ء میں سی، پی میں نظر بند کیے گئے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ لفٹننٹ جنرل ہے۔

(۲۰۷) شجاع اللہ مہاجر:

پسر حبیب اللہ ریٹائرڈ فورمین گورنمنٹ سنٹرل پریس شملہ سکنہ محلّہ مصدی مل لاہور شہر۔ ڈاکٹر اللہ جوایا کا دور کا رشتہ دار ہے۔ ایک بھائی شیخ ولی اللہ محکمہ موسمیات شملہ میں ملازم ہے اور دوسرا بھائی شیخ عظیم اللہ لاہور میں پلیڈر ہے۔ فروری ۱۹۱۵ء میں دیگر جہادی طلباء کے ساتھ اسمس کو فرار ہونے سے پہلے لاہور میڈیکل کالج کا طالب علم تھا۔ جہاں اب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ملاقات ایم عبداللہ پشاوری سے ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مولوی کی آتش بار خطابت نے اس کے خیالات کو متاثر کیا اور وہ بڑے زور وشور کے ساتھ ہجرت کے منصوبہ میں شریک ہوگیا۔ کابل میں ایک موقعہ ایسا آیا کہ اسے اپنی حالت پر بہت افسوس ہوا اور اس نے ہندوستان آنے کی کئی بار ناکام کوشش کی۔ بالآخر اس کا تعلق عبیداللہ، مہندر پرتاپ، برکت اللہ اور ہینٹنگ سے ہوگیا۔ جون ۱۹۱۶ء میں اسے عبدالباری کے ہمراہ انور پاشا اور جرمن چانسلر کے لیے مہندر پرتاپ کے خط دے کر خفیہ مشن پر قسطنطنیہ اور برلن بھیجا گیا۔ ایران میں اسے گرفتار کر کے ہندوستان لے آیا گیا۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ کرنل ہے اور حکومت موقتہ ہندیہ کا نائب وکیل ہے۔

(۲۰۸) سراج الدین میر ساکن ریاست بہاولپور:

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔ یہ اور میر سراج الدین جج چیف کورٹ

ریاست بہاولپور ایک ہی شخص ہیں۔ خان بہادر شمس العلماء سیّد محمد لطیف مولف ''انگلش ہسٹری آف پنجاب'' کا چھوٹا بھائی ہے۔ یہ خاندان بہت مشہور ہے اور میر سراج الدین بھی بہت وفادار بتایا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ان اشخاص میں شامل ہے جن سے دریافت کیے بغیر ان کو جنود ربانیہ میں عہدے دیے گئے تھے۔

(۲۰۹) سلیمان سیّد ندوی:

مولوی شبلی نعمانی کا پیرو اور ان کے ادارہ ندوۃ العلماء کا پرجوش حامی۔ اس نے مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں سیّد مرتضیٰ حسن ساکن چاند پور (یو، پی) کے تحت تعلیم پائی ہے۔ پھر وہ پونہ کالج میں پروفیسر ہو گیا تھا۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔

(۲۱۰) سیّد احمد حاجی ساکن انبیٹھ:

جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ جنرل ہے۔ انبیٹھ کا باشندہ ہے۔ محمد میاں عرف مولوی منصور کا چھوٹا بھائی ہے۔ مولانا محمود الحسن اور ان کے رفقاء مکہ پہنچے تو یہ حاجی وہاں موجود تھا کیونکہ بیوی سے کسی جھگڑے کے باعث دو برس قبل وہاں چلا گیا تھا۔ احمد میاں کے ذریعہ محمود الحسن سے متعارف ہو سکا۔

(۲۱۱) سیّد ہادی:

عبیداللہ نے واقعات مابعد جدہ کے بیان میں جو خط مولانا کو لکھا ہے اس میں اس کا تذکرہ ہے۔ یہ وہی سیّد ہادی حسن ہے جو مہدی حسن ساکن خان جہان پور ضلع مظفر نگر، یو پی کا لڑکا ہے اور رتھیڑی کے سیّد نور الحسن کا بھتیجا ہے۔ مولانا محمود الحسن کے عرب چلے جانے کے بعد ان کے پیچھے روپیہ اور اسلحہ ان کی سپردگی میں رہتا تھا۔ ہادی حسن مولانا رشید احمد گنگوہی اور مدرسہ دیو بند کے مفتی عزیز الرحمٰن کا مرید ہے۔ سازش کا ایک رکن تھا۔

ستمبر ۱۹۱۵ء میں ایم محمود الحسن کے ہمراہ عرب گیا تھا اور ستمبر ۱۹۱۶ء میں ایس ایس اکبر جہاز سے واپس آ گیا تھا۔ سہارنپور کے مولانا خلیل احمد بھی اسی جہاز سے لوٹے تھے۔ مولانا محمود الحسن نے انور بے جمال پاشا اور غالب پاشا سے جو چھ فرمان حاصل کیے تھے وہ ایس ہادی

حسن اور حاجی ڈاکٹر شاہ بخش کی سپردگی میں سیّد نور الحسن ساکن رتھیڑی کو پہنچانے کے لیے ہندوستان بھیجے گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ہادی حسن ان فرمانوں کے علاوہ ایم محمود الحسن کا ایک خط بھی لایا تھا جو اس کے لحاف میں سلا ہوا تھا۔ پہلی تلاشی میں یہ پولیس کی نظر میں نہ آسکا لیکن جب ایم خلیل احمد کو اس کا علم ہوا تو اس کو فوراً ضائع کر دیا۔

(۲۱۲) تاج محمد مولانا ساکن سندھ:

شاید یہی مولوی تاج محمد ساکن امروٹ سکھر سندھ ہیں۔ سندھ میں دوسرے نمبر پر اس کا زبردست اثر ہے جو صرف مولوی ہمایوں کے اثر سے کم ہے۔ وہ کھڈہ کراچی کے مولوی محمد صادق کا دوست ہے۔ جواب کاروار میں نظر بند ہے۔ خیال ہے کہ اس نے مولوی عبید اللہ کے فرار افغانستان میں اس کی مدد کی تھی۔ اس کے ہزاروں پیرو ہیں جن میں بڑے بڑے زمیندار، پلیڈر اور سرکاری ملازمین شامل ہیں۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹننٹ جنرل ہے۔

(۲۱۳) وحید:

مولوی عبید اللہ نے واقعات مابعد جدہ کے بیان میں جو خط لکھا ہے اس میں یہ نام آیا ہے۔ وحید، ایم صدیق احمد مرحوم کا لڑکا ہے جو پہلے فیض آباد، یوپی میں رہتے تھے۔ ان کا سارا خاندان ۱۸۹۹ء میں عرب کو ہجرت کر گیا تھا۔ مولانا حسین مدنی اس کے چچا ہیں۔ دو برس ہوئے وہ اپنے چچا ایم حسین احمد کے ہمراہ ہندوستان آیا تھا اور آخر الذکر کی واپسی کے بعد بطور طالب علم مدرسہ دیوبند میں ٹھہرا رہا۔ مولانا محمود الحسن کے ہمراہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں حجاز کو چلا گیا۔

(۲۱۴) ولی احمد مولوی:

ولد شیخ محمد صاحب موضع ہڑہاں تھانہ حسن ابدال ضلع اٹک وہ حسن پور ضلع مراد آباد (یوپی) کے ایک مدرسہ میں بحیثیت مدرس ملازم ہے۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں ایس ایس حجاز کے ذریعہ حج کرنے گیا تھا۔ اسی میں مولوی محمد مسعود بھی گیا تھا۔ نومبر میں اسی جہاز سے واپس آ گیا۔ مولوی محمد مسعود بھی اسی جہاز سے لوٹ آیا۔ مولوی ولی احمد مولانا محمود الحسن کے لیے ان کی اہلیہ کا ایک خط لے گیا تھا۔ نیز ہادی حسن کا پیغام بھی مولوی محمود الحسن کو پہنچایا کہ ہادی حسن اور سندھ کے ڈاکٹر شاہ بخش کی سپردگی میں جو چھ فرمان بھیجے گئے تھے وہ سلامتی کے ساتھ پہنچ گئے ہیں۔

(۲۱۵) ولی محمد مولوی:

(۱) جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ یہی مولوی محمد عرف مولوی موسیٰ ساکن موضع فتوحی والا تھانہ گنڈا سنگھ والا ضلع لاہور ہے۔ نہایت متعصب وہابی مولوی ہے۔ جو سرگرمی سے جہاد کے نظریہ کی تبلیغ کرنے اور اس مقصد کے لیے روپیہ اور آدمی جمع کرنے میں مصروف ہے۔ لاہور، فیروز پور، گوجرانوالہ اور سیالکوٹ اضلاع میں اس کے بہت سے پیرو ہیں۔ جہاں سے وہ ہندوستانی متعصبوں کے لیے روپیہ اور آدمی خفیہ طور پر جمع کرتا رہتا ہے۔ ایم ولی محمد یہ انٹی برٹش کام گزشتہ کئی برسوں سے کررہا ہے۔ وہ جو روپیہ جمع کرتا ہے اور جتنے آدمی اکٹھے کرتا ہے ان کو یا تو خود یا دوسرے نمائندوں کے ذریعہ سرحد کے پار پہنچا دیتا ہے۔ وہ ۱۹۱۵ء کی وہابی اور سرحدی سازشوں میں بہت زیادہ ملوث تھا لیکن گرفتاری سے بچتا رہا اور اسمس کو فرار ہوگیا۔ جہاں اس نے مولوی موسیٰ کا نام اختیار کرلیا۔ ولی محمد اور اس کے والنٹیر وں نے سرحد پار کی لڑائیوں میں حصہ لیا ہے۔ ریشمی خطوط کی سازش کی تفتیش سے معلوم ہوا ہے کہ وہ بھی مولانا محمود الحسن سے وابستہ اور ان کی سازش میں ملوث تھا اور کبھی کبھی دیوبند جایا کرتا تھا۔ اس کا ابوالکلام آزاد سے بھی رابطہ تھا۔ غالباً اب وہ آزاد علاقہ میں ہے۔

(۲۱۶) یار محمد ساکن کابل:

(۱) سرحد پار کا پٹھان اور شاید افغانستان کا باشندہ۔ وہ ۱۹۰۷ء میں ہندوستان آیا تھا۔ دیوبند کے مدرسہ کا پرانا طالب علم ہے۔ کچھ تعلیم مدرسہ مسجد فتح پوری میں بھی حاصل کی تھی جہاں وہ بعد میں مولوی سیف الرحمٰن کے ماتحت فقہ کا اُستاد مقرر ہوگیا تھا۔ وہ اس کے ہمراہ ۱۹۱۵ء میں کابل کو فرار ہوگیا تھا۔ یار محمد حنفی فرقہ کا ہے۔ سیف الرحمٰن اور حاجی صاحب کے ساتھ بلاناغہ رہتا ہے۔ شاید اس نے رستم کی لڑائی میں حصہ لیا تھا۔ نومبر ۱۹۱۵ء میں وہ واپس آیا تھا اور پانی پت کے حمد اللہ سے ابواحمد کے ذریعہ ۲۳۰ روپے سیف الرحمٰن کے واسطے لے گیا تھا۔ شاید اب آزاد علاقہ میں ہے۔

(۲۱۷) ظفر علی:

جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹننٹ جنرل ہے۔ یہ وہی ظفر علی خاں ہے جو اتحاد اسلامی کا بدنام حامی اور مرحوم زمیندار اخبار کا ایڈیٹر ہے۔ اتحاد اسلامی کے تمام انتہا پسند حامیوں کا دوست اور ساتھی ہے۔ اب اپنے گاؤں کرم آباد نزد وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ میں نظر بند ہے۔

(۲۱۸) ظفر حسن مہاجر:

(۱) پسر حافظ عظیم الدین ارائیں ساکن کرنال فروری ۱۹۱۵ء میں سرحد کو فرار ہونے والے طلباء میں سے ایک ہے۔ (گورنمنٹ کالج لاہور) جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ کرنل ہے۔

(۲۱۹) ظفر محمد مولوی:

جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹننٹ کرنل ہے۔ عبیداللہ نے واقعات مابعد جدہ بیان کرتے ہوئے مولانا محمود الحسن کو جو خط لکھا اس میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔ یہی مولوی ظہور محمد ساکن سہارنپور ہے جو پہلے مدرسہ اسلامیہ انبالہ میں مدرس تھا اور اب عربی اسکول رڑکی میں ٹیچر ہے۔ وہ ایم محمود الحسن کی جہادی سازش کا ایک نہایت پر جوش رکن تھا اور بلاناغہ دیوبند آکر خفیہ مشورہ میں شریک ہوا کرتا تھا۔ ایم محمود الحسن کے سفر عرب کے لیے بجنور نگینہ اور نواحی علاقہ سے روپیہ جمع کیا تھا۔ اس سے کہا گیا تھا کہ محمد میاں کی واپسی تک جو مولانا کے ساتھ گیا تھا روپیہ جمع کرتا رہے۔ اس انتظام کے تحت ظفر محمد نے رڑکی اور گردونواح کے دیہات سے جمع شدہ چندہ کی رقم سے ایم حمداللہ کی مدد کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے وہاں اس غرض سے سینکڑوں اشخاص کی ایک سوسائٹی قائم کر لی تھی۔ محمد میاں، مرتضیٰ حسن، مولوی سہول وغیرہ کو جب وہ عرب سے لوٹ رہے تھے تو ان کا خیر مقدم کرنے کے لیے بمبئی گیا تھا۔ ایم محمود الحسن اسے ''چپ چپ آدمی'' کہا کرتے تھے اور اکثر اس کی تعریف کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ وہ بڑا گہرا آدمی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بے دھڑک آدمی تھا۔

(۲۲۰) ظہور صاحب مولوی:

دیکھئے ظہور محمد مولوی

(۲۲۱) ضمیر الدین احمد نواز:

جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹنٹ جنرل ہے۔ شاید یہی نواب ضمیر الدین احمد وہابی مولوی ہے جو دلی میں ضمیر مرزا کے نام سے مشہور ہے۔ وہ نواب لوہارو کا بھائی ہے۔ ۱۹۱۶ء تک وہ اہل حدیث کانفرنس کے صدر رہے۔ جب کہ خرابی صحت کی بنا پر مستعفی ہو گئے۔ ایسا ظاہر نہیں ہوتا کہ اسے عبیداللہ کی سازش کا علم تھا یا اس میں شامل تھا۔ شاید یہ بھی انہی لوگوں میں ہے جن سے دریافت کیے بغیر ان کو عہدے دے دیے گئے تھے۔

(۲۲۲) ضیاء الدین احمد قاضی:

قاضی ضیاء الدین ایم اے ساکن چکوال ضلع جہلم۔ صوفی مسجد لاہور کے مولوی ابو احمد کا بھتیجا۔ اس کا باپ یا اس کے چچاؤں میں سے ایک مولوی احمد دین مولوی عبداللہ کا اُستاد تھا۔ جو کھڈہ کراچی کے بدنام متعصب وہابی محمد صادق کا باپ تھا۔ پہلے وہ چکوال کے ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی اسکول کا ہیڈ ماسٹر تھا لیکن بعد میں جمعیۃ الانصار میں شامل ہو گیا۔ جہاں وہ مولانا محمود الحسن کے مکان پر خفیہ مشوروں میں شامل ہوا کرتا تھا۔ جب عبیداللہ نے نظارۃ المعارف القرآنیہ دلی میں قائم کیا تو ضیاء الدین اس ادارہ میں ٹیچر بن گیا لیکن عبیداللہ کے فرار کابل سے کچھ پہلے اس نے یہ جگہ چھوڑ دی اور چکوال اسکول میں اپنی سابق جگہ پر چلا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۱۶ء کے شروع میں امیر سے ملازمت کے لیے درخواست کی تھی لیکن کسی طریقہ سے اس کو کابل جانے سے باز رکھا گیا۔ اب وہ اسلامیہ اسکول گوجرانوالہ کا ہیڈ ماسٹر ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔

ضمیمہ:

حضرت مولانا تاج محمود صاحب امروٹی

حضرت اقدس مولانا السید تاج محمود صاحب امروٹی قدس اللہ سرہ العزیز نہایت باکرامت برگزیدہ جلالی بزرگ ہیں۔ آپ کے احوال مبارکہ ذکر کرنے ضروری معلوم ہوئے کیونکہ وہ منضبط نہیں کیے گئے۔ مختصراً جو مل سکے وہ درج ذیل ہیں۔ اس کتاب میں آپ کا اسم گرامی ص ۴۸۱ پر گزرا ہے۔ (حامد میاں غفرلہ)

آپ کی ولادت قصبہ دیوانی تحصیل روہڑی ضلع سکھر میں ہوئی۔ آپ کی تاریخ تولد متعین نہیں ہوسکی۔ اندازہ یہ ہے کہ آپ اٹھارویں صدی کے نصف آخر کے ابتدائی سالوں میں پیدا ہوئے۔ آپ حسب ونسب کے لحاظ سے سیّد تھے۔ آپ کا خاندان اپنے علاقہ میں رشد وہدایت کا مرکز تھا۔ آپ کے والد حضرت مولانا سیّد عبدالقادر صاحب علوم ظاہریہ وباطنیہ میں باکمال بزرگ تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کے مراحل اپنے والد کے یہاں طے کیے اور علوم ظاہریہ کی تکمیل حضرت مولانا عبدالقادر صاحب پنھواروی تحصیل پنوعاقل ضلع سکھر کے یہاں کی۔ علوم شرعیہ کے حصول کے بعد آپ علوم باطنیہ حاصل کرنے کے لیے قدوۃ العارفین سیّد السالکین حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بھرچونڈوی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور مسلسل ریاضت کے بعد نہایت قلیل عرصہ میں خرقہ خلافت سے نوازے گئے۔ جب آپ روحانی تربیت کے سلسلہ میں بھرچونڈوی شریف میں مقیم تھے انہیں دنوں حضرت عبیداللہ صاحب سندھی بھرچونڈی شریف آئے اور حافظ صاحب کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔ یہیں دونوں حضرات کا ایک دوسرے سے تعارف ہوا اور یہ تعارف آگے چل کر اشاعت اسلام اور احیائے ملت کے لیے بہت مفید ثابت ہوا۔ یہ ۱۸۸۷ء کا واقعہ ہے۔

حصولِ خلافت کے بعد آپ نے اپنے مرشد کے حکم سے امروٹ شریف تحصیل گڑھی یاسین ضلع سکھر کو اپنا مستقل مسکن بنایا اور دعوت الی اللہ ودعوت الی الاصلاح کے لیے مشغول ہو

گئے۔ امروٹ میں آپ کے ابتدائی ایام نہایت صبر آزما تھے۔ کئی کئی اوقات آپ کو فاقے ہوتے اور بعض دفعہ آپ صرف ساگ پات پر اکتفا کرتے لیکن آپ عزم وعمل کا پیکر بن کر دعوت وعزیمت کے کام میں برابر مصروف رہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ آپ کی طرف عوام کے رجوع میں بھی اضافہ ہوتا گیا اور نہایت قلیل عرصہ میں امروٹ شریف دعوت الی اللہ کا ایک عظیم مرکز بن گیا۔ امروٹ شریف میں عوام کی ضروریات کے پیش نظر آپ نے ایک وسیع مسجد کی بنیاد رکھی اور کئی حجرے تعمیر کرائے۔ اس میں آپ دوسرے خدام کے ساتھ مل کر کام کرتے اور کسی قسم کا امتیاز برتنے نہ دیتے۔ جب مسجد کی تعمیر مکمل ہوگئی، آپ نے حفظ قرآن اور ناظرہ کے لیے مسجد کے اندر ہی ایک مدرسہ کھولا جس کے تمام اخراجات کے آپ خود ذمہ دار تھے۔

۱۳۰۸ھ میں سیّد السالکین حضرت حافظ محمد صدیق بھرچونڈوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے آپ ہمہ وقت مغموم اور متفکر رہنے لگے۔ اس المیہ نے آپ کے اندر شعر وشاعری کو جنم دیا۔ آپ نے اپنی شاعری کا آغاز نعتیہ کلام سے کیا۔ مدح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ نے سندھی زبان میں جو اشعار کہے ہیں وہ آج تک عوام میں بے حد مقبول ہیں۔ اپنے بیٹے سیّد حسن شاہ کی عین نوجوانی کی موت نے آپ کی شاعری میں اور اضافہ کیا۔ آپ نے فارسی کی ''یوسف زلیخا'' کی طرز پر سندھی زبان میں ''پریت ناموں'' کے نام سے ایک منظوم کتاب لکھی۔ یہ کتاب عوام وخاص میں بے حد مقبول ہوئی ہے۔ آج تک اس کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں آپ نے سورہ یٰسین کا سندھی زبان میں منظوم ترجمہ بھی کیا ہے۔ یہ ترجمہ بھی طبع ہو چکا ہے۔

۱۳۰۸ھ میں حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھی رحمۃ اللہ علیہ دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر سندھ میں واپس آئے۔ آپ کی آمد سے دو دن قبل حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بھرچونڈوی اس دار فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔ آپ بھرچونڈی شریف سے ہوتے ہوئے سیدھے امروٹ شریف آئے اور یہیں مستقل سکونت کا ارادہ کیا۔ حضرت مولانا امروٹی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے ارادہ کو بہت پسند کیا اور رہنے کی تمام سہولتیں مہیا کر دیں۔ حضرت مولانا امروٹی نے آپ کی شادی کرادی اور آپ کی والدہ کو پنجاب سے بلوالیا۔ نیز آپ کے لیے عربی کتابوں کا ایک بہترین ذخیرہ جمع کیا جس میں مصر، استنبول اور قاہرہ کی اہم نادر کتابیں

تھیں۔ مولانا عبیداللہ صاحب سندھی مسلسل سات سال تک نہایت سکون واطمینان سے امروٹ شریف میں قیام پذیر رہے۔ اس دوران آپ نے ایک دارالعلوم کھولا جس میں علوم اسلامیہ عربیہ خصوصاً فلسفہ ولی اللہی کی تعلیم دیتے رہے۔ آپ نے امروٹ شریف میں ایک مطبع بھی قائم کیا جس میں سندھی زبان میں کئی دینی کتابیں چھپیں۔ اسی پریس سے ''ہدایۃ الاخوان'' نامی سندھی زبان میں ایک دینی ماہنامہ بھی کچھ عرصہ تک شائع ہوتا رہا۔

انہی دنوں حضرت مولانا امروٹیؒ نے سندھی زبان میں ترجمہ قرآن شروع کیا جسے کئی سال کی جدوجہد کے بعد آپ نے شائع کرایا۔ اس ترجمہ کے کام میں دیگر مقتدر علماء کے علاوہ حضرت مولانا سندھی سے بھی آپ خصوصی مشورے لیتے رہے۔ یہ ترجمہ آپ کی زندگی میں ہی طبع ہو کر شائع ہوا اور بہت زیادہ مقبول ہوا۔ آپ کی وفات کے بعد یہ ترجمہ حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں انجمن خدام الدین دروازہ شیرانوالہ لاہور سے شائع ہوتا رہا اور اب بھی یہی انجمن اس کی اشاعت میں مصروف ہے۔

گو حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھی سات سال کے بعد امروٹ شریف سے پیر جھنڈہ سنگھ منتقل ہو گئے لیکن امروٹ شریف سے آپ کا رابطہ قائم رہا۔ آپ نے حضرت مولانا شیخ الہند کو حضرت مولانا امروٹی سے متعارف کرایا اور حضرت شیخ الہندؒ دو بار امروٹ شریف تشریف لائے۔ اسی طرح حضرت مولانا امروٹی بھی دیوبند تشریف لے گئے اور مدرسہ دیوبند کی پچاس سالہ جوبلی کے جشن میں بھی شریک ہوئے۔

۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا شیخ الہندؒ کے حکم سے جب حضرت مولانا سندھی نے کابل جانے کا ارادہ کیا تو حضرت مولانا امروٹی نے ان کو وہاں تک پہنچنے میں ہر طرح کی مدد کی۔ کابل جانے کے بعد بھی حضرت مولانا سندھیؒ امروٹ شریف سے رابطہ قائم رکھا۔ چنانچہ آپ نے جو ریشمی خطوط اندرونی ہند بھیجے تھے۔ ان میں سے ایک خط حضرت مولانا امروٹیؒ کے نام تھا جو فتح محمد شیخ نامی ایک شخص لایا تھا۔ حکومت کو اس خط کا بروقت علم ہو گیا۔ آپ کو نظر بند کر کے کراچی بلوایا گیا۔ کراچی کے کمشنر نے اس سلسلے میں آپ سے سوال وجواب کیے لیکن کافی ثبوت نہیں ملنے پر آپ کو رہا کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس نظر بندی سے آپ کی سیاسی زندگی کا باقاعدہ عملی

آغاز ہوا۔ اس کے بعد جتنی بھی عوام اور دینی تحریکیں اُٹھیں آپ نے باقاعدہ ان میں حصہ لیا۔
تحریک خلافت میں آپ سندھ میں سب سے پیش پیش تھے۔ اس تحریک کے دوران امروٹ شریف، سندھ کا عظیم سیاسی مرکز بن گیا۔ تحریک سے متعلق تمام امور آپ کے مشوروں سے ہی طے ہوتے تھے۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے آپ نے اپنی پیرانہ سالی کے باوجود سندھ کے بیرون سندھ کئی دورے کیے۔ آپ دیوبند، دہلی، میرٹھ، ناگپور اور اجمیر شریف گئے اور کئی جلسوں کی صدارت کی۔ ترک موالات کو کامیاب بنانے کے لیے آپ نے بڑے جوش و خروش سے سندھ کے دورے کیے اور اس مقصد میں آپ کو نمایاں کامیابی بھی ہوئی۔ خلافت عثمانیہ کی بقا کے لیے مسلمانانِ پاک و ہند نے کابل کی طرف جو احتجاجی ہجرت کی، آپ اس کے روح رواں تھے۔ آپ مہاجرین کی اسپیشل ٹرین کے قائد بن کر پشاور تک گئے لیکن یہ اسکیم کامیاب نہ ہوئی اور آپ بادل ناخواستہ وطن آئے۔

تحریک خلافت کے بعد آپ جمعیۃ علماء ہند سے منسلک رہے اور تازیست اس جماعت کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے۔ احیاء ملت اسلامیہ اور حریت وطن کے علاوہ آپ کو غیر مسلموں میں اشاعت اسلام کا بہت شوق تھا۔ اکیلے آپ نے اس سلسلے میں جو کام کیا وہ آج بڑی بڑی انجمنیں سرانجام نہیں دے سکتیں۔ آپ نے اپنی زندگی میں کم و بیش پانچ ہزار غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا۔ آپ نے غیر مسلموں میں اشاعت اسلام کا کام جس طرح شروع کیا وہ نہایت پرکشش اور زودا ثر تھا۔ آپ کسی کے سامنے اسلام پر لیکچر نہ دیتے اور نہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی کسی کو دعوت دیتے۔ اس قسم کی نمائشی تبلیغ سے آپ بچتے۔ آپ ذاتی طور پر غیر مسلموں سے روابط قائم کرتے اور وہ لوگ آپ کے اخلاق حسنہ سے اتنے متاثر ہوتے کہ فوراً اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتے۔ آپ کسی پر اسلام قبول کرنے کے لیے جبر نہ کرتے بلکہ اگر کوئی مسلمان ہونے کے لیے آپ کی خدمت میں آتا تو آپ اسے تلقین کرتے کہ ''بیٹا اسلام قبول کرنے میں اتنی جلدی نہ کرو اور سوچ سمجھ کر یہ قدم اُٹھاؤ'' جب وہ ہر طرح اطمینان کرنے کے بعد اسلام قبول کرنے پر اصرار کرتا تب آپ اس سے باقاعدہ طور پر بیعت لیتے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ باہر کے کچھ ہندو مسلمان ہونے کے لیے امروٹ شریف آتے۔ مقامی ہندوؤں کو اس کا علم ہو جاتا تو وہ وفد بنا کر آپ کی خدمت میں آتے اور عرض

کرتے ''حضوران لوگوں نے جذبات میں آ کر یہ فیصلہ کیا ہے آپ موقع دیجیے کہ ہم ان سے علیحدگی میں بات چیت کرلیں'' آپ ان لوگوں کی درخواست قبول کر لیتے اور مسلمان ہونے والے افراد سے ان کو بات چیت کرنے کی اجازت دیتے۔ وہ لوگ ان کو اپنے گھر میں لے جاتے۔ مندروں میں جا کر ان کو مسلمان نہ ہونے کی تلقین کرتے لیکن ان کو اسلام قبول کرنے سے باز آنے پر ہرگز آمادہ نہ کر سکتے۔ اس طرح یہ بڑے شوق و ذوق سے دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے لیکن جب آپ کے ہاتھ پر اسلام لانے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا متعصب آریہ سماج ہندوؤں میں آپ کے خلاف نفرت کا جذبہ شدید ہو گیا۔ اب وہ کھل کر آپ کے مقابلہ پر آ گئے۔ ایک بار ایک متمول ہندو گھرانے کا ایک نوجوان لڑکا آپ سے متاثر ہو کر آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ آپ نے اسے اپنے ساتھ رکھا۔ ایک بار آپ اس لڑکے کے ساتھ ایک دعوت میں شریک ہونے کے لیے باگڑ جی ریلوے اسٹیشن پہنچے تو مقامی ہندوؤں کو اس کا علم ہو گیا۔ وہ لوگ راستہ میں جمع ہو گئے اور زبردستی اس لڑکے کو چھین کر اپنے ساتھ لے گئے۔ رات بھر اس کو بند رکھا اور اسلام سے باز آنے کے لیے اسے آمادہ کرنے لگے۔ انہوں نے اس کو ہر طرح دھمکایا اور ہر قسم کے لالچ دیے لیکن یہ نوجوان کسی طرح بھی ان کی باتوں میں نہ آیا۔ حضرت مولانا امروٹی نے اس معاملہ کی پولیس میں رپورٹ درج کرائی۔ پولیس نے تفتیش کے بعد اس لڑکے کو اپنے قبضے میں لے لیا اور متعلقہ ہندو لیڈروں کو گرفتار کر کے معاملہ عدالت کے سپرد کر دیا۔ کافی عرصہ تک مقدمہ چلتا رہا۔ اس نوجوان نے ہر بار یہ بیان دیے کہ میں عاقل و بالغ ہوں اور میں نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا ہے۔ ہندوؤں نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ لڑکا نابالغ ہے اس کو اپنے والدین کی مرضی کے بغیر مذہب تبدیل کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ ہندوؤں نے متحد ہو کر یہ مقدمہ لڑا۔ عدالت نے کافی عرصہ کے بعد آخر کار فیصلہ دیا کہ لڑکا بالغ ہے اسکو اپنا مذہب تبدیل کرنے کا اختیار ہے۔ جس طرف چاہے وہ جا سکتا ہے۔

اس عدالت میں ایک طرف حضرت مولانا امروٹی معہ اپنی جماعت کے کھڑے تھے دوسری طرف اس لڑکے کے والدین اعزہ و اقارب اور سینکڑوں ہندو کھڑے تھے۔ اس لڑکے نے جونہی عدالت کا فیصلہ سنا وہ سیدھا مولانا امروٹی کے قدموں میں گر پڑا اور اس کے والدین نے اسے اپنی طرف بہت کھینچا لیکن وہ نہ گیا۔ یہ لڑکا اب مولوی نور الحق ہیں۔ موصوف ضلع لاڑکانہ

کے ایک قصبہ میں مقیم ہیں اور دینی تعلیم و تدریس میں مشغول ہیں۔ ایسا ہی ایک اور واقعہ آپ کے ساتھ پیش آیا۔ ایک ہندو پنڈت کا بیٹا اور خود آپ کے ہاتھ پر مشرف اسلام ہو گیا۔ ہندوؤں نے بڑے جوش و خروش سے آپ کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کی لیکن ناکام ہوئے۔ وہ لڑکا بعد میں شیخ عبداللہ کے نام سے مشہور ہوا۔ جو جماعت امروٹی کے ایک رکن تھے۔

آریہ سماج والے جب آپ کے مقابلے میں ناکام ہوئے تو انہوں نے شدھی کی تحریک شروع کر دی۔ وہ نومسلم افراد کے پاس جاتے اور ان کو ہر طرح کے لالچ دے کر دوبارہ ہندو مذہب اختیار کرنے پر آمادہ کرتے۔ حضرت مولانا امروٹی نے اس فتنہ کو دبانے کے لیے مثبت قدم اُٹھایا۔ آپ نے چند علماء کی ایک جمعیت بنائی جس میں اس وقت کے مشہور علماء حضرت مولانا عبدالکریم صاحب چشتی، حضرت مولانا دین محمد صاحب وفائی، حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب قاسمی، حضرت مولانا نبی بخش صاحب عودوی اور دیگر مقتدر علماء شامل تھے۔ آپ نے اس آریہ سماجی اقدام کا منظم مقابلہ کیا اور اس فتنہ کو سرزمین سندھ میں سر اُٹھانے کا موقع نہ دیا۔

اشاعت اسلام کی طرح حضرت امروٹی میں جہاد کا بھی بڑا شوق تھا۔ آپ ہر وقت اپنے آپ کو جہاد کے لیے مستعد رکھتے۔ آپ فرماتے کاش کہ میں جہاد میں شریک ہو کر جامِ شہادت نوش کروں۔ اس مقصد کے لیے آپ نے چند گھوڑے بھی پال رکھے تھے۔ آپ بذاتِ خود ان گھوڑوں کی ہر طرح خدمت کرتے تھے۔ فرماتے تھے جہاد کے لیے گھوڑے پالنا سنت ہے اور ان کی خدمت کرنا کارِ ثواب ہے۔

آپ کی زندگی کے آخری ایام میں سکھر بیراج کی کھدائی ہو رہی تھی۔ نہروں کی کھدائی کی زد میں تین مساجد آ رہی تھیں۔ محکمہ انہار نے طے کیا کہ ان مساجد کو منہدم کر کے راستہ صاف کیا جائے۔ جب آپ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے تحفظ مساجد کی خاطر اس محکمہ کے خلاف حکومت کو متنبہ کیا کہ اگر ان مساجد کو شہید دیا گیا تو مسلمانانِ سندھ حکومت برطانیہ کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیں گے۔ شروع میں حکومت نے اس اعلان کو کوئی اہمیت نہ دی اور انہار کی کھدائی کا کام جاری رہا۔ حضرت مولانا امروٹی نے بالآخر جہاد کا اعلان کر دیا اور معہ اپنی جماعت کے سر پر کفن باندھ کر گھروں سے نکل آئے اور ان مساجد کے گرد خیمہ زن ہو گئے تو حکومت فوراً مصالحت پر آمادہ ہو گئی۔ آخر طے ہوا کہ مساجد کو اپنی اصلی حالت پر رہنے دیا

جائے اور نہروں کو ان کے گرد کھودا جائے۔ یہ مساجد اب تک ان انہار کے وسط میں قائم ہیں۔

حضرت مولانا امروٹی جس طرح ایک عظیم مبلغ اسلام تھے ویسے ہی بے مثل سیاسی رہنما بھی تھے۔ برطانوی استعمار کے خلاف ان کی جدوجہد زرین حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔ حکومت برطانیہ کے لیے آپ کا وجود نا قابل برداشت تھا۔ مشہور ہے کہ حکومت نے خفیہ طریقہ سے آپ کو زہر دلوایا۔ یہ زہر دیر میں اثر کرنے والا تھا۔ اس کی وجہ سے آپ کا جسم نحیف ہوتا گیا اور آپ کے تمام بدن پر چھالے نکل آئے اور باوجود بہترین علاج کے طبیعت دن بدن کمزور ہوتی گئی۔ آپ فرماتے تھے 'مجھے انگریزوں نے زہر دلوایا ہے۔ میں اب زندہ نہیں رہ سکتا'۔ چنانچہ یہ عظیم پیشوا اور بطل حریت ۱۹۲۹ء کے آخر میں اس دارِ فانی سے رُخصت ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہو گیا۔

آپ نے اپنے پیچھے ایک عظیم جماعت چھوڑی۔ یہ جماعت توحید اور اتباع سنت میں اپنی مثال آپ ہے۔ یوں تو جماعت کا ہر فرد اسلام کا بہترین عملی نمونہ ہے لیکن آپ کے خلفاء وقت کے اہم اور نامور لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے خلفاء کی کافی تعداد ہے لیکن حسب ذیل حضرات زیادہ مشہور ہوئے۔

۱۔ حضرت مولانا محمد صالح صاحب باٹجی شریف، ضلع سکھر۔
۲۔ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب تھریچائی شریف، ضلع سکھر۔
۳۔ حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالجی شریف، ضلع سکھر۔
۴۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب، لاہور۔

یہ تمام خلفاء اپنے وقت کے عظیم دینی و سیاسی رہنما تھے۔ توحید اور سنت کے مبلغ تھے۔ ان حضرات کے آثار ابھی تک منظر عام پر ہیں۔

حضرت مولانا امروٹی کی وفات کے بعد آپ کے بھتیجے حضرت میاں نظام الدین صاحب آپ کی جگہ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند ارجمند حضرت مولانا محمد شاہ صاحب امروٹی ان کے جانشین ہوئے جو اشاعت دین متین میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ (الرحیم)

حواشی

۱- نقش حیات ص۲۰۹ ج ۲۔
۲- نقش حیات ص۱۴۵، ص۲۱۰ ج ۲۔
۳- نقش حیات ص۲۱۲ ج ۲۔
۴- سرگزشت مجاہدین ص۵۵۳۔
۵- شیخ الہند مولانا محمود حسن از اقبال حسن خاں ص۴۰۳۔
۶- کارتھیج ایک قدیم شہر شمالی افریقہ میں تھا۔ عربی میں اس کا نام قرطاجنہ ہے (تمدن عرب) سلطنت روما کے افریقی مقبوضات کا دارالحکومت تھا۔
۷- ایم ڈی ولف الکلس ٹسزم اولڈاینڈ نیو، ص۶۔ ویبر ہسٹری آف فلاسفی ص۱۱۹۔
۸- تاریخ مغربی یورپ از ڈاکٹر جیمس ہاروی رابن سن ترجمہ ص۳۱۔
۹- تھیوڈاک مشرقی گاتھ کا بادشاہ تھا۔ ۵۲۶ء میں مرا۔ اس نے ایک قابل تعریف باقاعدہ سلطنت چھوڑی۔ تاریخ مغربی یورپ از ڈاکٹر جیمس ہاروی۔ رابن سن ترجمہ ص ۲۸، ص۲۹۔
۱۰- کتاب مذکور ص۳۲۔
۱۱- تمدن عرب ص۴۴۲، ص۴۴۳۔
۱۲- پادریوں کے مقدمات عام عدالت میں پیش نہیں ہوتے تھے۔
۱۳- تاریخ مغربی یورپ از ڈاکٹر رابن سن ترجمہ ص ۲۱۷۔
۱۴- تاریخ مغربی یورپ۔
۱۵- تمدن عرب ص۱۲۱۔
۱۶- تمدن عرب ص۱۲۲۔
۱۷- تمدن عرب ص۱۴۴۔
۱۸- تمدن عرب ص ۲۵۸۔
۱۹- تمدن عرب ص ۲۴۸۔
۲۰- تمدن عرب ص ۲۵۷۔

۲۱- تمدن عرب ص ۵۲۴۔
۲۲- تمدن عرب ص ۲۸۹۔
۲۳- تمدن عرب ص ۲۸۹۔
۲۴- تاریخ یورپ از اے جے گرانٹ ص ۴۳۶۔
۲۵- یورپ سولہویں صدی میں ص ۴۷۵ (ترجمہ)۔
۲۶- ماخوذ از تاریخ یورپ اے جے گرانٹ صفحات ۱۹-۶۳-۶۴ وصفحہ ۴۷ (ترجمہ)۔
۲۷- تاریخ روما از ایچ ایف پیلہم صاحب صفحہ ۴۶ (ترجمہ)
۲۸- از تاریخ یورپ از اے جے گرانٹ ص ۴۷ (ترجمہ)
۲۹- تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۔
۳۰- قسطنطین اعظم از جان بی فرتھ ص ۱۱۳، ص ۱۱۴ (ترجمہ)
۳۱- تاریخ روما از ایچ، ایف پیلہم صاحب ص ۴۲۹ (ترجمہ)
۳۲- تاریخ روما ص ۵۰۱۔
۳۳- تاریخ روما ص ۵۰۲۔
۳۴- ڈینوب کی فوجوں نے ۲۸۴ء میں اپنے سپہ سالار ڈائیوک لیشن کو سریر آرائے سلطنت کر دیا۔ اس نے اپنی قابلیت سے ایسا مکمل اقتدار حاصل کرلیا کہ سلطنت روما لفظاً ومعناً شہنشاہیت ہوگئی۔ یہ پہلا بادشاہ تھا جس نے دربار میں مشرقی طور طریق کو رواج دیا۔ اس نے اپنے سر پر تاج شاہی رکھا اور اپنے آپ کو خداوند کہلوایا۔ اس کے دربار میں ہر ایک کو سربسجود ہونا پڑتا تھا۔ حکمت یہ تھی کہ بادشاہ کا احترام دیوتا کی طرح ہونے لگے۔ تاریخ یورپ از اے، جے گرانٹ ص ۱۹۷۔
ایران میں شاہ پرستی کا طریقہ پرانا تھا اور ہندوستان میں بھی راجہ کو اوتار کی حیثیت دی جاتی تھی۔
۳۵- قسطنطین اعظم از جان بی فرتھ اسکوائر چھٹا باب ص ۹۴ (ترجمہ)۔
۳۶- علماء سائنس کہتے ہیں کہ بعض روشنیوں کے خاص انعکاس سے کرہ آفتاب کے قریب سراجہ شمس کا ظہور ہوتا ہے یعنی اصلی آفتاب کے مثل کئی کئی آفتاب نظر آتے ہیں اور وہ روشنی کی چوڑی پٹیوں یا تھالوں سے جڑے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ روشنی کی پٹیاں بعض وقت صلیب کی سی صورت رکھتی ہیں۔ قسطنطین اعظم ص ۱۰۶ (ترجمہ)۔
۳۷- قسطنطین اعظم ص ۹۷۔
۳۸- قسطنین اعظم ص ۹۷ (ترجمہ)۔
۳۹- قسطنین اعظم باب نہم ص ۱۶۱ (رجمہ)۔
۴۰- قسطنطین اعظم ص ۲۱۶۔
۴۱- قسطنطین اعظم باب یازدہم۔

۴۲- قسطنطین اعظم ص۲۳۲۔
۴۳- قسطنطین اعظم باب پانزدہم ص۳۱۳۔
۴۴- قسطنطین اعظم باب پانزدہم ص۳۱۳۔
۴۵- قسطنطین اعظم باب دوازدہم۔
۴۶- قسطنطین اعظم باب دوم ص۳۷ (ترجمہ)
۴۷- تاریخ روما از ایچ ایف پیلم صاحب (ترجمہ)
۴۸- تاریخ روما از ایچ ایف پیلم صاحب (ترجمہ) ص۲۳۱، ص۲۳۲۔
۴۹- ایضاً ص۴۹۱۔
۵۰- قسطنطین اعظم ص۱۳۸ (ترجمہ)
۵۱- قسطنطین اعظم ص۴۸ (ترجمہ)
۵۲- قسطنطین اعظم ص۲۲ (ترجمہ)
۵۳- قسطنطین اعظم ص۲۳، ص۲۵ (ترجمہ)
۵۴- قسنطین اعظم ص۲۷ (ترجمہ)
۵۵- قسطنطین اعظم ص۲۷ (ترجمہ)
۵۶- قسطنطین اعظم ص۳۷ (ترجمہ)
۵۷- صلیبی لڑائیاں اسی دور میں ہوئیں اس لیے ان کی تفصیل بیان کرنا بھی ضروری نہیں۔ صرف گرانٹ کی تاریخ سے چند فقرے اس مضمون کے آخر میں نقل کیے جائیں گے جن سے ان کی نوعیت اور ہولناکی کا اندازہ ہو جائے گا۔
۵۸- یورپ سولہویں صدی عیسوی میں ص۴۸۷۔
۵۹- قسطنطین اعظم ص۳۷ (ترجمہ)
۶۰- یورپ سولہویں صدی عیسوی میں ص۴۸۸۔
۶۱- یورپ سولہویں صدی عیسوی میں ص۴۷۵۔
۶۲- یورپ سولہویں صدی عیسوی میں۔
۶۳- یورپ سولہویں صدی عیسوی میں۔
۶۴- شمس العلماء مولوی سیّد علی بلگرامی مترجم تمدن عرب ص۲۵۲۔
۶۵- تمدن عرب ص۳۴۰، ص۳۴۱۔
۶۶- تمدن عرب ص۳۹۹، ۴۰۰۔
۶۷- تمدن عرب ص۱۲۹۔
۶۸- ایضاً، ص۱۴۳، اے جے گرانٹ کا یہ ریمارک ہر مسلمان کے لیے درس عبرت ہے۔ اگر عالم

اسلامی میں اتحاد ہوتا تو اس کی فوجی قوت جس نے چالیس سال قبل قسطنطنیہ فتح کر لیا تھا مغرب کی اس آخری سلطنت کو تباہی سے بچا لیتی مگر ترکوں کو ہسپانی مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہیں تھی اور ۱۴۸۹ء میں جب غرناطہ پر حملہ ہوا تو کوئی قوت وہاں مسلمانوں کی مددگار نہ تھی۔ تاریخ یورپ ص ۴۳۸ ترجمہ۔

۶۹۔ کلیسا کے مقدس حقوق اور اس کے بے مثال نظم و نسق اور اس کی وسیع دولت نے اس کے افسران یعنی پادریوں کو قرونِ وسطیٰ کا نہایت طاقتور معاشرتی طبقہ بنا دیا تھا۔ ان کے پاس جنت کی کنجیاں تھیں اور بغیر ان کی امداد کے کوئی شخص جنت میں داخلہ کی اُمید نہیں کر سکتا۔ (تاریخ مغربی یورپ (از ڈاکٹر رابن سن ص ۲۱۷ (ترجمہ) پوپ کے متعلق عقیدہ یہ ہوتا تھا کہ پاپائیت کو تمام بادشاہوں پر برتری حاصل ہے۔ پاپا کے افعال پر کوئی حرف گیری نہیں کر سکتا۔ پوپ کو شاہنشاہوں کے معزول کرنے کا اختیار ہے۔ انسانی نخوت نے بادشاہوں کی قوت پیدا کی۔ خدا کے رحم نے پشپوں کی قوت پیدا کی۔ پوپ بادشاہوں کا آقا ہے، تاریخ یورپ از اے جے گرانٹ ص ۲۶۸ (ترجمہ)

۷۰۔ چھ سات صدیوں تک یورپ میں سلطنت روما کے زوال کے بعد بہت کم اشخاص پادریوں کے علاوہ مطالعہ کرنے، پڑھنے اور لکھنا سیکھنے کا خیال کرتے تھے۔ جج مسلمہ طور پر مانتے تھے کہ جس کا تعلق کلیسا سے نہ ہو وہ نہیں پڑھ سکتا۔ (تاریخ یورپ از اے جے گرانٹ ص ۲۱۷ (ترجمہ)

۷۱۔ (ہنری المتوفی ۱۴۴۰ء) یہ خود بڑا عالم اور محقق تھا۔ اس کے پاس یہودی اور فارس و مراکش کے بعض ایسے نامور علماء جمع ہو گئے تھے جو اپنے زمانہ میں دنیا کے ممتاز علماء شمار کیے جاتے تھے۔ انہوں نے عرب اور دوسری قوموں کے جغرافیوں کے ذریعہ تحقیقات کر کے پتہ چلایا کہ براعظم افریقہ کا چکر لگایا جا سکتا ہے۔ یہ انکشاف سارے یورپ پر اس بادشاہ کا بڑا احسان ہے جو عرب علماء کی تحقیقاتوں کے ذریعہ تکمیل کو پہنچا۔ الاسلام والحضارة العربیه لکرو علی شامی ہفت روزہ الجمعیۃ (مؤرخ ۳۰ نومبر ۱۹۷۳ء)

۷۲۔ ماخوذ از یورپ سولہویں صدی میں۔

۷۳۔ یہ کولمبس کی بدنصیبی تھی کہ اس نئی دنیا کا نام امریگو ویس پچی کے نام پر امریکہ رکھا گیا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ پہلی مرتبہ کولمبس کے ساتھ گیا تھا اور اس کے جہاز کا ایک افسر تھا۔ بعد میں اس نے مستقل سفر کیے۔ بدقسمتی سے بادشاہ کولمبس سے ناراض ہو گیا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی آخری زندگی تنگی اور گمنامی میں گزری اور امریگو ویس پچی نے اپنی زندگی عیش و آرام سے گزاری اور اسی کے نام پر نئی دنیا کا نام امریکہ ہو گیا۔ تاریخ امریکہ ص ۶۷۔ کولمبس ان کو انصاف کا واسطہ دیتا رہا جنہوں نے اس کو تاج کی جگہ بیڑیاں پہنائی تھیں اور محل کی بجائے قید خانہ عطا کیا تھا۔ آخر کار مقام ویلا وولد پر، ۲۰ مئی ۱۵۰۶ء اس دنیا کو خیر باد کہا (ص ۴۹) تاریخ امریکہ۔

۷۴- تاریخ امریکہ از محمد یحییٰ صاحب تنہا۔
۷۵- تاریخ امریکہ ص ۹۵۔
۷۶- تاریخ امریکہ ص ۵۱۔
۷۷- تاریخ امریکہ ص ۶۴، ص ۶۵۔
۷۸- تاریخ امریکہ ص ۶۷۔
۷۹- تاریخ امریکہ ص ۱۰۰۔
۸۰- تاریخ امریکہ ص ۸۸۔
۸۱- تاریخ امریکہ ص ۶۷۔
۸۲- تاریخ امریکہ ص ۷۷۔
۸۳- تاریخ امریکہ ص ۸۰۔
۸۴- تاریخ امریکہ ص ۸۰۔
۸۵- تاریخ امریکہ ص ۲۴۴۔
۸۶- تاریخ امریکہ ص ۹۷۔
۸۷- تاریخ امریکہ ص ۹۸۔
۸۸- تاریخ امریکہ ص ۲۳۶۔
۸۹- تاریخ یورپ ص ۴۸۴۔
۹۰- کمپنی کی حکومت از پروفیسر باری علیگ مرحوم۔
۹۱- تاریخ ہند عہد برطانیہ مولفہ جے سی مارشن مین ص ۳ (ترجمہ)۔
۹۲- عربوں کے تعلقات چین سے اس وقت قائم ہو چکے تھے جب کہ اس براعظم کے وجود کا علم تک یورپ کو نہیں تھا۔ تمدن عرب ص ۴۴۴۔
۹۳- عربوں کی تجارت اقصاء ربع مسکوت (آباد دنیا کے آخری کناروں تک) پہنچ گئی تھی اور یہ تجارت ان کی اس قدر قدیم ہے کہ خود تورات میں اس کا ذکر موجود ہے۔ دو ہزار سال تک عرب تمام عالم کا مرکز تجارت بنے رہے اور زمانہ قدیم میں انہوں نے وہی کام کیا جو یورپ میں ''وینس'' نے اپنی ترقی کے زمانہ میں کیا تھا۔ (تمدن عرب ص ۸۵، زمانہ قدیم میں عربوں ہی کی بدولت یورپ کے تعلقات اقصاء ممالک ایشیا کے ساتھ قائم رہے (تمدن عرب ۸۵) عرب ہمیشہ سے نہایت دلیر جہاز راں تھے اور فاصلہ سے مطلق خوف نہ کھاتے تھے (تمدن عرب ۴۲۷) اس زمانہ میں (قبل اسلام) عرب کی تجارت بہت وسیع پیمانہ پر تھی، ان کے جہاز بندرگاہ بصرہ سے ساحل حضرموت ویمن سے چین تک آیا جایا کرتے تھے (تاریخ جنوبی ہند ص ۵۳)
۹۴- تاریخ جنوبی ہند از محمود خان صاحب محمود ص ۵۳۔

۹۵- تاریخ جنوبی ہند ص ۵۴۔
۹۶- کمپنی کی حکومت از پروفیسر باری ص ۲۱ و تاریخ جنوبی ہند از محمود خاں صاحب محمود۔
۹۷- تاریخ ہند عہد برطانیہ او جے سی مارشن مین ص ۳۔
۹۸- تاریخ ہند عہد برطانیہ ص ۳۔
۹۹- تاریخ ہند ص ۴۔
۱۰۰- تاریخ ہند ص ۴۔
۱۰۱- تاریخ ہند ص ۵۴۔
۱۰۲- تاریخ جنوبی ہند ص ۳۲۹ کمپنی کی حکومت میں ۲۳۔
۱۰۳- یورپ سولھویں صدی میں اور تاریخ ہند عہد برطانیہ میں ص ۶ ج ۳۔
۱۰۴- کمپنی کی حکومت ص ۲۳۔
۱۰۵- تاریخ جنوبی ہند۔
۱۰۶- بحرہ شمالی میں بحری غارت گر اور لٹیرے بکثرت تھے وہ اکثر با تربیت اور باقاعدہ ہوتے تھے۔ ان کے افسرانِ اعلیٰ قابلیت کے اشخاص ہوتے تھے جو اس کام کو برا نہیں سمجھتے تھے (تاریخ مغربی یورپ ص ۲۵ (ترجمہ)
۱۰۷- کمپنی کی حکومت ص ۲۳۔
۱۰۸- کمپنی کی حکومت ص ۶۵۔
۱۰۹- تمدن انڈونیشیا ص ۳۸۴ ج ۱، از نور احمد صاحب قادری۔
۱۱۰- تمدن عرب ص ۴۴۰۔
۱۱۱- تاریخ جنوبی ہند ص ۳۲۹۔
۱۱۲- تاریخ خاندان عثمانیہ جلد اوّل ص ۳۲۷۔
۱۱۳- روئے زمین کے مسلمان سلاطین مصنفہ مسٹر سٹینلی لین پول، نیز سولھویں صدی میں یورپ۔
۱۱۴- تاریخ خاندان عثمانیہ جلد اوّل ص ۳۲۷۔
۱۱۵- روئے زمین کے مسلمان سلاطین۔
۱۱۶- تاریخ سلطنت خداداد ص ۳۰۳۔
۱۱۷- تاریخ سلطنت خداداد ص ۳۱۸۔
۱۱۸- سلطنت بہمنیہ، بانی حسن گنگو بہمنی، دارالحکومت
۱۱۹- عادل شاہی دارالحکومت بیجا پور (۲) عادل شاہی دارالحکومت بیجا پور (۳) نظام شاہی دارالسلطنت احمد نگر (۴) قطب شاہی دارالسلطنت گولکنڈہ (۵) برید شاہی دارالسلطنت بیدر (۶) عماد شاہی دارالسلطنت ایلچ پور (برار) (۷) بیجے نگر کی ہندو سلطنت (۸) سلطنت مالوہ

گجرات دارالحکومت احمد آباد۔

۱۲۰- کمپنی کی حکومت ص ۳۰۸۔

۱۲۱- منتخب التواریخ از بدایوانی۔

۱۲۲- سوانح نگاروں نے اگرچہ اس کی مختلف وجوہ بیان کی ہیں مگر تاریخ کے لحاظ سے وجہ یہ تھی کہ یورپین قزاقوں نے سمندر کا سن ختم کر دیا تھا۔

۱۲۳- ان لڑائیوں کا سلسلہ گیارہویں صدی کے آخر ۱۹۰۶ء تیرہویں صدی کے آخر تک (تقریباً دوسو برس) جاری رہا۔ (تاریخ مغرب یورپ ص ۱۹۶ تا ۲۰۲۔

۱۲۴- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو شاندار ماضی جلد اوّل حصہ دوم (عرف داستان بربادی)۔

۱۲۵- کتاب التمہید از مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔

۱۲۶- فیوض الحرمین میں آپ نے ایک طویل خواب تحریر فرمایا ہے، اسی میں ہے ''ساء لونی ماذا حکم الله فی هذه الساعة قلت فک کل نظام'' قالو الی متی قلت الی ان تروقی. سکنت۔ بحوالہ محمودیہ ص ۳۰۔

۱۲۷- آپ نے اس خواب کی تاریخ بھی تحریر فرما دی ہے لیلة الجمعة الحادية والعشرين من ذی العقده ص ۱۱۴۴ھ شب جمعہ ۲۱ ذی قعدہ ۱۱۴۴ھ ۵ مئی ۱۷۳۱ء۔

۱۲۸- علماء ہند کا شاندار ماضی جلد دوم میں ان کی تشریحات اور حضرت شاہ صاحب کی عبارتوں کے ترجمے بھی پیش کیے ہیں جن سے ان اصول پر روشنی پڑتی ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۳ تا ۲۶۔

۱۲۹- حجۃ اللہ البالغۃ باب سیاست المدنیۃ البدور البازغۃ، بحث الارتفاق الثالث اور الخیر الکثیر۔

۱۳۰- حجۃ اللہ البالغۃ باب ابتغاء الرزق۔

۱۳۱- حجۃ اللہ البالغۃ باب ابتغاء الرزق۔

۱۳۲- حجۃ اللہ البالغۃ باب سیاست المدینہ۔ ایضاً باب الرسوم السائر بین الناس۔

۱۳۳- حجۃ اللہ البالغۃ باب ابتغاء الرزق۔

۱۳۴- حجۃ اللہ البالغۃ باب ابتغاء الرزق۔

۱۳۵- حجۃ اللہ البالغۃ باب اثابۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم وباب ضبط المبہم۔

۱۳۶- حجۃ اللہ البالغۃ باب البیوع المنہی عنہا۔

۱۳۷- حجۃ اللہ البالغۃ باب الارتفاق الرابع وباب البیوع المنہی عنہا۔

۱۳۸- حجۃ اللہ البالغۃ باب الرسوم السارہ۔

۱۳۹- حجۃ اللہ البالغۃ باب ابتغاء الرزق۔

۱۴۰- منصب امامت مصنفہ مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحبؒ (ذکر سلطنت ضالہ)۔

۱۴۱- ازالۃ الخفا جلد دوم عہد فاروق اعظم۔

۱۴۲- حجۃ اللہ البالغۃ باب اصل الدین واحد البدور البازغۃ فصل حقائق الارتفاقات اور مقالہ ثالثہ وغیرہ۔

۱۴۳- البدور البازغہ مبحث الارتفاق الثالث و حجۃ اللہ البالغۃ ص ۱۵۷ ج ۲۔

۱۴۴- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حیات ولی، شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک۔ شاندار ماضی جلد ۲ وغیرہ۔

۱۴۵- سیر المتاخرین تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو شاندار ماضی جلد دوم ص ۵۵۔

۱۴۶- تاریخ ہندوستان از شمس العلماء ذکا اللہ خاں جلد ۹ ص ۲۵۸، ص ۲۵۹ عماد السعادۃ ص ۳۱ و سیر المتاخرین وغیرہ۔

۱۴۷- شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات مرتبہ خلیق احمد صاحب نظامی میں شاہ صاحب کا ایک مکتوب احمد شاہ ابدالی کے نام بھی ہے جس میں انہوں نے ابدالی کو ہندوستان پر حملہ کی دعوت دی ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ احمد شاہ کو بلانے والے شاہ ولی اللہ یا مسلمان حکمران ہی نہیں تھے بلکہ راجستھان کے مہاراجگان جن کی ریاستیں مرہٹوں کی زد میں تھیں انہوں نے احمد شاہ کو اپنی پناہ گاہ سمجھا تھا اور اس سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی درخواست کی تھی۔ سیر المتاخرین کے الفاظ یہ ہیں۔'
نجیب الدولہ و جملہ افاغنہ (روہیلہ) و راجہ ہائے ہندوستان از دست مرہٹہ و عماد الملک (غازی الدین خان) بجان آمدہ عرائض بخدمت احمد شاہ ابدالی نگاشتہ استدعا ورود او در ہندوستان کروند۔ اس طرح ابتدائی کے مقابلہ میں صرف مرہٹہ ہی نہیں بلکہ غازی الدین نائب نظام الملک آصف جاہ والی حیدر آباد بھی تھا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو شاندار ماضی جلد دوم ص ۶۸، ص ۵۸ حاشیہ نمبر ا۔

۱۴۸- شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ص ۱۷۲ حاشیہ ۲۴۔

۱۴۹- تاریخ ہندوستان، ذکاء اللہ خاں جلد ۹ ص ۲۹۸۔

۱۵۰- اس داستان کی تفصیل شاندار ماضی جلد دوم میں ملاحظہ فرمائیے۔ زیر عنوان سیاسی بحران اور متحارب طاقتیں۔

۱۵۱- ملاحظہ ہو شاندار ماضی جلد ۲ ص ۴۷۔

۱۵۲- ملاحظہ فرمائیے شاندار ماضی جلد دوم ص ۲۰۱۔

۱۵۳- تحصیل چارسدہ کا نام دہشت نگری تھا (آٹھ بستیوں کا علاقہ) انہیں بستیوں میں ایک گاؤں ترنگ زئی بھی تھا۔ سرگزشت مجاہدین ص ۵۴۴۔

۱۵۴- سوانح احمدی و وقائع احمدی وغیرہ۔

۱۵۵- تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے سیرت سیّد احمد شہید از مولانا ابوالحسن علی میاں صاحب و از غلام رسول صاحب مہر۔

۱۵۶- سرگزشت مجاہدین از غلام رسول صاحب مہر ص ۲۱ و شاندار ماضی ج ۳ ص ۲۵۵۔

۱۵۷- ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۳۴۔
۱۵۸- شاندار ماضی جلد چہارم۔
۱۵۹- تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے شاندار ماضی جلد ۲ ص ۲۱۷ تا ۲۲۲۔
۱۶۰- سرگزشت مجاہدین ص ۱۳۰۔
۱۶۱- علماء صادق پور یعنی شاندار ماضی کی جلد سوم میں تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں مولانا غلام رسول صاحب مہر کی تصنیفات سرگزشت مجاہدین و جماعت مجاہدین وغیرہ۔
۱۶۲- شاندار ماضی ص ۵۵ ج ۳۔
۱۶۳- شاندار ماضی ج ۳ ص ۶۸۔
۱۶۴- سرگزشت مجاہدین ص ۳۰۲۔
۱۶۵- ایضاً ص ۳۱۸۔
۱۶۶- ایضاً ص ۳۱۸۔
۱۶۷- ہمارے ہندوستانی مسلمان از ہنٹر ص ۳۷ تا ص ۴۰ علماء صادق پور ص ۷۶۔
۱۶۸- ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۶۰۔ مزید ملاحظہ فرمایئے نقش حیات جلد دوم ص ۲۹ تا ۳۸۔
۱۶۹- ملاحظہ فرمایئے شاندار ماضی جلد سوم ص ۱۲۳ تا ۱۵۶۔
۱۷۰- سرگزشت مجاہدین ص ۴۹۱۔
۱۷۱- ایضاً ص ۴۹۹۔
۱۷۲- ۲۶ شعبان ۱۳۳۹ء، ۴ مئی ۱۹۲۱ء بروز یک شنبہ (سرگزشت مجاہدین ص ۵۰۷)۔
۱۷۳- کابل میں سات سال ص ۱۰۴، ص ۱۰۵ شائع کردہ ہندسا گرا کادمی لاہور وذاتی ڈائری بحوالہ نقش حیات جلد دوم ص ۱۴۴ تا ۱۴۶، علماء حق جلد اوّل ص ۲۳۰، ۲۳۱۔
۱۷۴- ملاحظہ فرمایئے علماء صادق پور (شاندار ماضی جلد ۳) از ص ۱۲۳ ص ۱۵۶، سرگزشت مجاہدین ص ۱۷۲ تا ۴۴۶۔
۱۷۵- مثلاً حاجی ترنگ زئی مولانا سیف الرحمٰن قندھاری، خان عبدالغفار خاں وغیرہ جن کے مفصل تذکرے ''مردان کار'' کے سلسلہ میں آئیں گے۔ انشاءاللہ
۱۷۶- سرگزشت مجاہدین ص ۵۵۲۔
۱۷۷- شہادۃ الثقلین حصہ دوم قلمی نسخہ ص ۷۳۔
۱۷۸- نقش حیات جلد دوم ص ۱۳۵، ص ۱۳۶۔
۱۷۹- مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ محض مشیر کار نہیں تھے بلکہ تحریک کے رکن رکین تھے جیسا کہ سی آئی ڈی کی رپورٹ سے واضح ہو جائے گا۔

۱۸۰- حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون مرحوم نے پچیس روپے ماہانہ کی ملازمت سے زندگی شروع کی تھی پھر وہ بہت بڑے تاجر بن گئے اور ان کی آمدنی لاکھوں روپے سالانہ تھی۔ وہ ہر دور اور عہد میں قومی کاموں کے لیے معتد بہ رقمیں نکالتے تھے۔ موجودہ صدی کے اوائل میں سندھ کے اندر تبلیغ اسلام کے لیے جو کام جاری ہوا تھا اس میں بھی بے شمار روپیہ خرچ کیا۔ خلافت لیگ اور مسلم کانفرنس کی تنظیمات میں چپ چاپ گراں قدر امداد دیتے رہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ اجراء کار کے سوا ان کے سامنے کوئی غرض نہ تھی۔ دوسرے کئی اداروں کو جو روپیہ دیا اس کا حساب مشکل ہے۔ خود کراچی میں دو اداروں کا پورا خرچ ان کے ذمہ تھا۔

۱۸۱- یہ اچاریہ کرپلانی کے بڑے بھائی تھے۔ مسلمان ہو جانے کے بعد پوری زندگی تبلیغ اسلام میں بسر کر دی۔ سیاسی کاموں میں بھی حصہ لیتے رہے۔ سرہند میں وفات پائی۔ میرے عزیز و مکرم دوست شیخ عبدالمجید سندھی بھی ان کے عزیزوں میں ہیں۔ وہ بھی اسلام لانے کے وقت سے برابر قید و بند کی تکلیفیں اُٹھاتے رہے ہیں۔ (مہر)

۱۸۲- سرگزشت مجاہدین ص ۵۵۷۔

۱۸۳- رولٹ رپورٹ ص ۱۷۶، ۱۷۸۔

۱۸۴- مولانا محمد نبی صاحب کا نام صحیح نہیں ہے۔ نقش حیات میں ہے کہ آنے والوں کے مجمع میں سے ایک صاحب نے جو حضرت شیخ الہند کے مخلصین میں سے تھے مولانا ہادی حسن صاحب سے کہا کہ کوئی چیز محفوظ رکھنی ہو تو مجھ کو فوراً دے دیجیے۔ ص ۲۲۴ ج ۲ مولانا سیّد محمد نبی صاحب رحمہ اللہ، مولانا ہادی حسن صاحب رحمہ اللہ کے عزیز (غالباً برادرزادہ تھے) یہ بمبئی نہیں آئے تھے۔ اپنے وطن (خان جہاں پور ضلع مظفر نگر میں ہی رہے۔ وہیں ان کو کسی ذریعہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ صندوق کے تختوں میں کوئی راز کی چیز ہے۔ پوری تفصیل نقش حیات کے اقتباسات میں آگے آئے گی۔

۱۸۵- نقش حیات ص ۲۰۹ تا ۲۳۲ بعض غیر ضروری فقرے جو تحریک سے غیر متعلق ہیں حذف کر دیے گئے ہیں۔

۱۸۶- اس وقت تک نان وائلینس کا حربہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا اور کانگریس کی جو کچھ کوششیں اس وقت تک یعنی ۱۹۱۲ء تک تھیں ان سے کامیابی کی توقع موہوم بلکہ عبث تھی۔ کیونکہ انگریز اپنی ڈپلومیسی سے ایسی رکاوٹیں پیدا کر دیتا تھا کہ برسوں کی جدوجہد ایک لمحہ میں خاک میں مل جاتی تھی۔

۱۸۷- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو نقش حیات جلد دوم ص ۱۱۳۔

۱۸۸- ملاحظہ فرمائیے نقش حیات ص ۱۲۳ ج ۲۔

۱۸۹- مولانا ابوالکلام آزاد کے سامنے آزاد قبائل کی یہ درخواستیں اور صورت حال کی یہ نزاکت نہیں

تھی۔ وہ صرف ہندوستان میں تحریک کو کافی سمجھتے تھے اس لیے وہ حضرت شیخ الہند کے سفر کے مخالف تھے۔

۱۹۰- نقش حیات ص۲۱۲ ج ۲۔

۱۹۱- نقش حیات ج ۲ ص ۲۱۶۔

۱۹۲- نقش حیات ص۲۲۰ ج ۲۔

۱۹۳- نقش حیات۔

۱۹۴- مولانا ہادی حسن صاحب کا جو بیان سی آئی ڈی کے ریکارڈ میں ہے اس میں یہ ہے کہ شاہ بخش (جن کا ذکر چند سطور کے بعد آ رہا ہے) کے پاس گھی کا ایک ڈبہ تھا۔ اس کا پیندا ڈبل تھا اور یہ مولانا کی ہدایت پر خاص طور سے تیار ہوا تھا۔ دو پیندوں کے بیچ میں ایک خلا رکھا گیا جس میں یہ کاغذات رکھ دیے گئے تھے۔ اس تفصیل کے بعد فرماتے ہیں کہ جب ہم بمبئی پہنچے تو ہمارے سامان کے ساتھ اس کو بھی کھولا گیا اور معائنہ کر کے واپس کر دیا گیا تھا۔ پھر فرماتے ہیں حاجی شاہ بخش ان کاغذات کے نگران تھے وغیرہ وغیرہ۔ ہمارا خیال ہے کہ مولانا ہادی حسن صاحب نے صحیح صورت نہیں بیان فرمائی، اخفاء سے کام لیا۔

۱۹۵- نقش حیات ص ۲۲۸ ج ۲۔

۱۹۶- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سفر نامہ۔ اسیر مالٹا ص ۳۳ جو ضمیمہ نقش حیات جلد دوم میں بھی نقل کر دیا گیا ہے۔

۱۹۷- نقش حیات ص ۲۳۸۔

۱۹۸- رولٹ کمپنی کی رپورٹ میں ہے۔ ۸ ستمبر ۱۹۱۵ء کو مولانا محمود حسن نے میاں محمد ایک شخص اور دوسرے دوستوں کے ساتھ مولوی عبید اللہ کی پیروی کی اور ہندوستان چھوڑ دیا۔ نقش حیات ص ۱۴۱۔

۱۹۹- نقش حیات ص ۲۲۷ ج ۲۔

۲۰۰- اسی فوج نے مشہد میں عبدالباری اور شجاع اللہ کو گرفتار کیا جن کو مولانا سندھی نے خاص مشن پر ترکی بھیجا تھا۔ تفصیل آگے آئے گی۔

۲۰۱- نقش حیات ص۲۲۰ ج ۲۔

۲۰۲- نقش حیات ص۲۳۲ ج ۲۔

۲۰۳- نقش حیات ص۲۳۲ ج ۲۔

۲۰۴- مگر مولانا سندھی رحمہ اللہ کا خود اپنا بیان یہ ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ارشاد سے میرا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا (ملاحظہ فرمایئے کابل میں سات سال ص ۱۰۴) یعنی اگر بمصلحت تحریک کا دہلی منتقل ہونا ضروری نہ ہوتا تو مولانا سندھی اس اختلاف سے اتنے متاثر نہیں تھے کہ دیوبند چھوڑ

دیتے۔

۲۰۵- اس زمانہ میں سندھ صوبہ بمبئی میں شامل تھا۔

۲۰۶- یہ بیان مسل میں شامل نہیں ہے۔

۲۰۷- مراد آباد بظاہر غلط ہے رائے پور کے بجائے مراد آباد لکھا گیا۔

۲۰۸- سی آئی ڈی جواب تک غافل تھی اس کو اپنی پوزیشن سنبھالنے کے لیے یہی کہنا تھا۔

۲۰۹- لفظ شروع تحقیق طلب ہے واقعہ یہ ہے کہ پتہ اس وقت چلا جب عربوں کی بغاوت کے سبب سے تحریک ختم ہو چکی تھی۔

۲۱۰- کچل نہیں دیا گیا بلکہ بین الاقوامی حالات کی بنا پر تحریک خود ختم ہوگئی۔

۲۱۱- ہجرت کا کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ خود حضرت شیخ الہندؒ نے بھی ہجرت نہیں کی۔ وہ اپنی تحریک کے سلسلہ میں حجاز گئے تھے۔ ہجرت کے بجائے تحریک کا لفظ ہونا چاہیے۔ یعنی حضرت شیخ الہند اپنی تحریک میں شامل ہونے کی دعوت صرف ان لوگوں کو دیتے تھے جو اپنے متعلقین کے فرائض یعنی ان کی ضروریات پوری کرنے کی کوئی سبیل نکال سکیں۔

۲۱۲- ہم نے یہ نام تحریر نہیں کیے کیونکہ ان سے واقعہ کی تاریخی حیثیت پر روشنی نہیں پڑتی۔

۲۱۳- یہ حصہ (یعنی گواہوں کے بیانات) ہم نے اس تالیف میں پیش نہیں کیا۔ کیونکہ یہ بیانات تاریخی دستاویز نہیں ہیں کیونکہ ان میں زیادہ سے زیادہ اخفاء سے کام لیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ان میں تضاد بھی ہے۔

۲۱۴- یہ پورا حصہ ''کون کیا ہے'' کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے۔

۲۱۵- نام بھی غلط لکھا ہے۔ وہابیوں کی طرف نسبت بھی غلط ہے۔ اسم گرامی سیّد احمد ہے۔ ان کو شاہ نہیں کہا جاتا۔ مولانا احمد شاہ دوسرے بزرگ تھے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی انقلابی جدوجہد میں قیادت کی۔ حضرت سیّد احمد شہید کا تعلق عرب کے وہابیوں سے بھی کچھ نہیں۔ وہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے شاگرد، خلیفہ اور ان کی طرف سے انقلابی جدوجہد کے سربراہ تھے۔ جیسا کہ مقدمہ میں بیان کیا جا چکا ہے۔ مزید تفصیل شاندار ماضی جلد دوم میں ملاحظہ فرمائی جاوے۔

۲۱۶- یہ غلط ہے۔ سیّد احمد شہید کی تحریک کا مقصد انگریزی اقتدار کو ختم کرنا تھا۔ بدقسمتی سے سکھ آڑے آ گئے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے شاندار ماضی جلد دوم۔

۲۱۷- اس اجمال کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائے شاندار ماضی جلد سوم، جس کا عنوان ہے علماء صادق پور۔

۲۱۸- یہ بالکل غلط ہے۔ عبدالباری کا بیان جو آخر میں دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبیداللہ رحمہ اللہ سے ان طلباء کی ملاقات کابل میں ہوئی۔ ہندوستان میں ان سے ملاقات بھی نہیں ہوئی انہیں عبدالباری کا بیان ہے کہ مولانا ابوالکلام اس بات کے خلاف تھے کہ ہم ہجرت

کریں۔ان کا خیال تھا کہ تم باہر جا کر کچھ نہیں کرسکو گے۔ہم نے ان کے مشورہ کے خلاف اپنی روانگی طے کرلی۔عبدالباری کا بیان یہ ہے کہ برطانوی اقتدار سے نفرت اور ہجرت کا اصل محرک وہ توہین آمیز پروپیگنڈہ تھا کہ مشہور کیا جارہا تھا کہ ترک کہتے ہیں لا الٰہ الا اللہ قیصر رسول اللہ۔

۲۱۹- یہ غلط ہے مولانا عبیداللہ کا خود اپنا بیان یہ ہے کہ ان کا کام دیوبند سے دہلی منتقل کردیا گیا۔تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے۔

۲۲۰- یہ بھی غلط ہے یہ تربیت گا بقول مولانا عبیداللہ شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ نے قائم کی تھی۔ تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے۔

۲۲۱- یہ بھی غلط ہے حاجی صاحب ترنگ زئی کو حضرت شیخ الہند نے مجبور کیا تھا جیسا کہ مولانا حسین احمد صاحبؒ کے بیان میں نقش حیات کے حوالہ سے گزر چکا ہے اور جیسا کہ استغاثہ کے فقرہ نمبر ۳۱ میں ہے۔

۲۲۲- عبیداللہ پر نہیں بلکہ شیخ مولانا محمود حسن رحمہ اللہ پر۔ملاحظہ ہو نقش حیات ص ۲۰۹ ج ۲۔

۲۲۳- نقطہ عروج نہیں نقطہ زوال کیونکہ تحریک اس سے تین ماہ پہلے ترکوں کی شکست اور شریف مکہ کی بغاوت کے سبب سے ختم ہو چکی تھی۔

۲۲۴- مخالف برطانیہ۔

۲۲۵- حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا یہ سفر جمعیت اہلیہ محترمہ صرف حج و زیارت کے لیے تھا۔کوئی سیاسی منصوبہ ان کے سامنے نہیں تھا۔مدینہ طیبہ میں حضرت شیخ الہندؒ نے ان کو اپنا ہم نوا بنا لیا جیسا کہ نقش حیات کے طویل اقتباس میں گزر چکا ہے۔ان کے ساتھ جو حضرات تھے وہ بھی سیاسیات سے خالی الذہن تھے۔ان کو سیاسی پارٹی قرار دینا اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے اگر کوئی تعلق ہو گیا تھا تو اس کو تحریک میں شرکت سمجھنا رپورٹ مرتب کرنے والے کی غلطی ہے۔

۲۲۶- مولوی محمد میاں نے نہیں بلکہ مولانا ہادی حسن صاحب نے ہندوستان پہنچائے۔بے شک ہندوستان سے مولانا محمد میاں ان کو آزاد علاقہ میں لے گئے۔(ملاحظہ ہو نقش حیات)

۲۲۷- مقدمہ کے عنوان میں صرف عبیداللہ کا نام ہے باقی مدعا علیہ وہ ۵۹ حضرات ہیں جن کے نام چند سطروں کے بعد آرہے ہیں۔

۲۲۸- سلطانی گواہ عموماً وعدہ معاف گواہ کو کہا جاتا ہے مگر جیسا کہ دیباچہ کے دوسرے فقرہ سے معلوم ہوتا ہے اس فہرست میں سلطانی گواہ اس کو لکھا ہے جس کے متعلق توقع ہے کہ وہ عدالت میں اس بیان کا اعادہ کرسکیں گے۔یعنی وہ فقرہ جو ان کے پورے بیان میں پولیس کی منشا کے موافق قصداً یا بلا قصداً آ گیا ہے اس کو دہرا سکیں گے۔خواہ وہ کیس میں برابر درجہ کے ملزم رہیں۔چنانچہ یہ عبدالحق صاحب زیر حراست ہیں۔حراست ختم کرنے کا نہ کوئی وعدہ نہ فی الحال کوئی توقع مگر ان کو سلطانی گواہ قرار دے دیا۔

۲۲۹- مولانا وحید خلف حضرت مولانا محمد صدیق صاحب (رحمہما اللہ مدینہ طیبہ سے حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ گرفتار کر لیے گئے تھے۔

۲۲۹-(الف) انگریزی میں مسعود لکھا ہے۔

۲۳۰- شیخ الہندؒ نے ہجرت کی ہدایت نہیں کی نہ ہجرت کی ہدایت کرنا ان کی تحریک کا جزو تھا۔ یہ ان طلبہ کا نظریہ تھا جنہوں نے بطور خود ہجرت کی تھی۔

۲۳۱- انگریزی میں محمد حسن ہے۔ وہ غلط ہے۔

۲۳۲- یہ غلط ہے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ گرفتار ہوئے تھے۔ ان پر مقدمہ بھی چلا تھا لیکن مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ گرفتار نہیں کیے گئے۔ نہ ان پر مقدمہ چلا۔ باوجودیکہ جہاد حریت ۱۸۵۷ء میں شریک رہے۔ شاملی کے میدان جنگ میں باقاعدہ حصہ لیا بلکہ پیش پیش رہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ شاندار ماضی جلد چہارم

۲۳۳- پہلے بھی گزر چکا ہے کہ یہ غلط ہے۔ مولانا عبید اللہ نے اثر ڈالا بلکہ حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا عبید اللہ کو متاثر کیا۔

۲۳۴- غالباً مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نائب مہتمم مراد ہیں۔ آپ کی سرزنش کا مطلب یہ تھا کہ یہ کام اس طرح نہ ہونے چاہئیں کہ دار العلوم نشانہ بن جائے۔ مولوی صاحب کے بیان میں یہی ہے۔

۲۳۵- حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ جیسا کہ خود انیس احمد کے بیان میں ہے۔

۲۳۶- استغاثہ مرتب کرنے والوں کا تصور یہ ہے کہ سیاسی اور انقلابی رجحانات شیخ الہندؒ کے طبع زاد نہ تھے بلکہ مولانا عبید اللہ نے پیدا کیے۔ پھر جو حالات پیش آئے انہوں نے ان رجحانات کو اور پختہ کیا۔ لہٰذا ان حالات کے بیان کرنے میں زور قلم صرف کیا جا رہا ہے اور تلخی کا افسانہ بھی گھڑا جا رہا ہے۔ مگر واقعہ اس کے برعکس ہے۔ شیخ الہندؒ کے سیاسی رجحانات اس وقت تھے جب کہ مولانا سندھی دیوبند پہنچے بھی نہیں تھے۔ ان رجحانات کو حضرت مولانا محمد قاسم کا فیض کہا جا سکتا ہے۔ ان کو مولانا عبید اللہ کا اثر قرار دینا سراسر لاعلمی اور ناواقفیت ہے۔

۲۳۷- یہ استغاثہ نگار کا قیاس ہے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا بیان یہ ہے کہ یہ رویہ اور یہ انداز مصلحت کی بنا پر تھا۔ گورنر کو دار العلوم میں بلایا گیا۔ اس کو ایڈریس دیا گیا۔ اس روز مولانا آزاد بھی دیوبند پہنچ گئے۔ شیخ الہندؒ کے مہمان ہوئے۔ شیخ الہندؒ اپنے مہمان کے ساتھ اپنی نشست گاہ میں تشریف فرما رہے۔ جلسہ میں نہیں گئے۔ ایڈریس آپ کی غیوبیت ہی میں پیش کیا گیا۔ بایں ہمہ دار العلوم سے تعلق منقطع نہیں کیا۔ بدستور صدر مدرس رہے اور درس دیتے رہے۔ بہر حال یہ جو کچھ تھا نمائشی تھا بتقاضائے مصلحت ۱۲۔

۲۳۸- یہ فیصلہ بھی نمائشی تھا کیونکہ مولانا سندھی کا بیان یہ ہے کہ پروگرام کے مطابق ان کا کام دیوبند سے دہلی منتقل کیا گیا۔

۲۳۹۔ مولانا محمد میاں صاحب مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کے حقیقی بھانجے تھے۔ ماموں نے اپنے بھانجے کو الگ کیا تو اس کے لیے شیخ الہندؒ سے استصواب کی ضرورت نہیں تھی نہ شیخ الہند کو شکایت ہو سکتی تھی نہ اس کو خلاف شان کہا جا سکتا تھا۔ باقی جو کچھ تھا وہ بتقاضائے مصلحت تھا۔ جس سے سی آئی ڈی ناواقف ہے۔

۲۴۰۔ اسی لیے کہ یہ اخراج نمائشی تھا۔ اصلی بات تو یہی تھی کہ مولانا سندھی کا کام دیوبند سے دہلی منتقل کر دیا گیا تھا۔

۲۴۱۔ پہلے گزر چکا ہے کہ نظارۃ المعارف مولانا سندھیؒ نے نہیں بلکہ حضرت شیخ الہندؒ نے قائم کیا تھا اور دہلی میں منتقل ہونا مولانا سندھی کا اپنی رائے سے نہیں بلکہ شیخ الہند کی ہدایت پر تھا۔

۲۴۲۔ مثل مشہور ہے دروغ گورا حافظہ نہ باشد۔ دوسرے فقروں میں یہ ہے کہ مولانا عبیداللہ نے حضرت شیخ الہندؒ پر اثر ڈالا اور یہاں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ جنگ بلقان کے وقت سے مولانا کا یہ خیال تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔

۲۴۳۔ کیس کے خلاصہ میں کہا گیا ہے کہ مولوی سیف الرحمٰن نے حاجی ترنگ زئی کو مجبور کیا۔ ملاحظہ فرمایئے دیباچہ زیر عنوان آزاد علاقہ کو مولوی سیف الرحمٰن کا مشن۔

۲۴۴۔ یہ غلط ہے۔ خود عبدالباری کا بیان ہے کہ مولانا آزاد نے ہجرت کو پسند نہیں کیا تھا یہ اور ان کے ساتھی مولانا کی رائے کے خلاف روانہ ہوئے۔ (ملاحظہ فرمایئے عبدالباری کا بیان جو اس کتاب کے آخر میں ہے۔

۲۴۵۔ ممکن ہے مشورہ بھی ہوا ہو مگر خود مولانا سندھی کا بیان ہے کہ ان کو شیخ الہندؒ نے حکم دیا اور وہ خود اس ترک وطن کو پسند نہیں کرتے تھے۔ (پورا بیان پہلے گزر چکا ہے)

۲۴۶۔ یہ صحیح نہیں آئینہ کے پچھلے حصے میں نہیں بلکہ صندوق کے زیریں تختہ میں چھپایا گیا تھا۔ (نقش حیات)

۲۴۷۔ پشتو میں سماس غار کو کہتے ہیں اور جہاں مجاہدین رہتے ہیں وہاں بہت سے غار ہیں اس لیے یہ جگہ اسماس کہلاتی ہے۔ (بیان عبدالحق)

۲۴۸۔ یہ بیانات اس وقت دیے گئے جب کہ تحریک کئی ماہ پہلے ختم ہو چکی تھی۔ شریف ترکوں سے بغاوت کر کے انگریزوں کا کھلونا بن چکا تھا۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند کو گرفتار کر چکا تھا۔ تحریک ختم ہونے کے بعد یہ بیانات داستان ماضی تھے۔ ماضی کی داستان پوری بھی بیان کی جا سکتی تھی۔ مگر پھر بھی پوری داستان کسی نے نہیں بیان کی۔ البتہ جرح میں پولیس نے کچھ ایسے فقرے کہلوا لیے جو اس کے لیے مفید ہوئے اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ پولیس نے ان فقروں کو ملا کر داستان مرتب کر لی۔ پولیس اپنی اس ہوشیاری کے باوجود ایسا مواد فراہم نہ کر سکی جو ایسے بڑے سازشی کیس میں ضروری تھا۔ اسی وجہ سے ان حضرات پر باقاعدہ مقدمہ نہیں چلایا جا سکا۔ مختلف آر ڈی

نینسوں اور آرڈروں کے تحت کچھ عرصہ نظر بند رکھ کر چھوڑ دیا۔ باقاعدہ سزا کسی کو بھی نہیں ہوئی۔

۲۴۹- برادر نہیں بلکہ برادرزاد حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے بھائی شاہ عبدالغنیؒ تھے۔ مولانا اسماعیل شہید ان کے خلف رشید تھے۔

۲۵۰- یہ کارپردازان محکمہ کی خوش فہمی ہے اس کی نوبت نہیں آئی کہ ان حضرات نے حکومت کا ہم نوا ہوا کر مدعا علیہم کے خلاف شہادتیں دی ہو۔

۲۵۱- جو بیانات جن گواہوں کی طرف منسوب ہیں ان کی تردید کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ ان حضرات نے یہ بیانات افشاء راز کے طور پر نہیں دیے۔ بلکہ جرح کے سلسلہ میں کچھ جوابات ایسے ہوئے جن سے پولیس نے یہ مواد اخذ کر لیا۔ ظاہر ہے یہ حضرات قانون دان نہیں تھے کہ ہر جرح کے جواب میں ایسے نپے تلے الفاظ بولتے جو پولیس کے لیے کارآمد نہ ہوتے۔

۲۵۲- تعجب ہے علماء دیوبند یعنی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ سے تعلق رکھنے والی پوری جماعت کو اس فتویٰ کا علم نہیں اور سی آئی ڈی کو یہ فتویٰ یاد رہ گیا۔ مزید تعجب یہ کہ خود مولانا محمود الحسن صاحب کو جنہوں نے بقول سی آئی ڈی اس پر دستخط کیے تھے یہ فتویٰ یاد نہیں رہا اور البشیر جس میں یہ فتویٰ طبع ہوا تھا اس کے متعلق بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ اخبار کہاں سے شائع ہوتا تھا اور تاریخ اشاعت کیا تھی۔ مفصل تردید ہم مقدمہ میں کر چکے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے مغالطے۔

۲۵۳- دارالعلوم جو انہیں حضرات کے بزرگوں کی ساٹھ سالہ امانت تھی۔ اس کی مصلحت کا تقاضا یہی تھا۔ یہ مصلحت خود حضرت شیخ الہندؒ کے پیش نظر بھی تھی۔ چنانچہ آپ سرحدی آزاد قبائل میں تشریف نہیں لے گئے اور اس علاقہ کے بجائے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ جیسا کہ صفحات سابق میں گزر چکا ہے۔